قرآن

آپ سے کیا کہتا ہے؟

مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

المیزان

قرآن

آپ سے کیا کہتا ہے؟

مولانا منظور احمد نعمانی رحمۃ اللہ علیہ

المیزان ناشران و تاجران کتب

الکریم مارکیٹ اردو بازار، لاہور پاکستان فون: ۳۷۲۱۲۷۶۲، ۳۷۱۲۲۹۸۱-۰۴۲

المیزان

عصر حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ

مسلمان ہونے کی حیثیت سے کوئی بھی شخص قرآن مجید، احادیث اور دیگر دینی کتب میں عمداً غلطی کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ تاہم سہواً جو اغلاط ہو گئی ہوں ان کی تصحیح و اصلاح کا بھی انتہائی اہتمام کیا گیا ہے۔

انسان، انسان ہے، اگر اس اہتمام کے باوجود بھی کوئی غلطی یا خامی آپ کی نظر سے گزرے تو ہمیں اطلاع کریں تاکہ آئندہ طباعت میں اس کی اصلاح کی جاسکے۔

ادارہ آپ کے تعاون کے لیے انتہائی ممنون ہوگا۔

جملہ حقوق کمپیوٹر کمپوزنگ محفوظ ہیں

سلسلہ مطبوعات: 390

2014ء

محمد شاہد عادل

نے زاہد بشیر پرنٹرز سے چھپوا کر

المیزان اردو بازار لاہور سے شائع کی

فہرست عنوانات

مقدمہ ---------- 7

صاحبِ قرآن اور قرآن کا تعارف ---------- 7

دیباچہ ---------- 17

آخری گذارش اپنے ناظرین کرام سے ---------- 19

خدا کی ہستی ---------- 20

خدا کی صفات ---------- 27

اللہ تعالیٰ علیم کل ہے، کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں ---------- 31

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں ---------- 33

وہی سب کا خالق و رازق اور پروردگار و کارساز ہے اور وہی اپنے حکم سے اس کارخانۂ ہستی کو چلا رہا ہے ---------- 35

وہی ساری کائنات کا بادشاہ اور فرماں روا ہے، سب کچھ صرف اسی کے اختیار میں ہے ---------- 39

کسی اور کے اختیار میں کچھ بھی نہیں ---------- 41

اللہ تعالیٰ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے ---------- 43

اللہ کی رحمت اور مغفرت کے حقدار کون سے گناہ گار ہیں؟ ---------- 49

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ عدالت بھی ہے ---------- 49

تنزیہہ و تقدیس ---------- 52

قرآن مجید کی چند جامع الصفات آیات ---------- 55

توحید ---------- 58

توحید ذاتی اور توحید الوہیت ---------- 61

توحید صفات و افعال ---------- 62

ساری کائنات پر صرف اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور سب کچھ صرف اسی کے اختیار میں ہے ---------- 63

نظامِ عالم کو قائم رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے ---------- 65
صرف اللہ تعالیٰ ہی زندۂ جاوید ہے باقی سب فانی ہیں ---------- 66
صرف اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب اور علیمِ کُل ہے ---------- 66
توحید حقوق ---------- 67
صرف اللہ ہی لائق حمد و ستائش ہے ---------- 67
اللہ ہی سب سے زیادہ محبّت اور خوف کے قابل ہے ---------- 68
وہی توکل اور آسرا لگانے کے قابل ہے ---------- 69
وہی حاکم ہے اور اسی کا حکم واجب العمل ہے ---------- 69
توحید کے بارے میں قرآن مجید کا سب سے اہم مطالبہ ---------- 70
ہر مقصد کے لیے دعا اور مدد طلبی صرف اللہ تعالیٰ سے اور ہر عبادت صرف اسی کے لیے ہونی چاہیے ---------- 70
توحید کا آخری تکمیلی سبق ---------- 77
شرک اور مشرکین کی سخت مذمت اور ان سے اعلان بیزاری ---------- 82
آخرت ---------- 85
آخرت کیوں ضروری ہے؟ ---------- 86
آخرت کے ضروری ہونے پر قرآن مجید کی ایک دوسری دلیل ---------- 89
آخرت کے بارے میں جاہلانہ واحمقانہ شبہات اور شیطانی وساوس ---------- 92
منکرین آخرت کے بے بنیاد شبہات کا جواب ---------- 93
آخرت میں کیا کیا ہونے والا ہے؟ ---------- 98
آخرت کی منزلیں ---------- 98
جنّت اور دوزخ ---------- 105
جنت ---------- 109
نبوت و رسالت ---------- 113
نبی کی حیثیت اور مقامِ نبوت ---------- 121

تفریط اور بے ادبی کی گمراہی ---------- 121
افراط اور غلو کا فتنہ ---------- 127
خداوندی ہدایت کی اطاعت و پیروی ---------- 133
عمل صالح ---------- 136
ضروری انتباہ ---------- 142
تقویٰ ---------- 143
تقویٰ ہی اصل نیکی اور عمل صالح کی روح ہے ---------- 149
تقویٰ کی نشانیاں اور اہل تقویٰ کے اوصاف ---------- 155
خدا کی عبادت ---------- 160
خالص جسمانی ---------- 160
بندوں کی خدمت اور حسن سلوک ---------- 171
اہل و عیال ---------- 174
عام انسانوں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک ---------- 175
اسلامی برادری کے خاص حقوق ---------- 178
اخلاقِ حسنہ ---------- 181
صبر ---------- 181
صبر والوں کا انجام اور مقام ---------- 184
سچائی اور راست بازی ---------- 185
وفائے عہد ---------- 189
امانت ---------- 191
عدل و انصاف ---------- 192
سماحت و سخاوت ---------- 196
ایثار ---------- 201
بخل ---------- 201

استغناء و قناعت ---------- 203
توکل ---------- 204
تواضع ---------- 205
تکبر اور غرور ---------- 207
حلم اور درگزر ---------- 209
جرأت و شجاعت ---------- 212
وقار و خودداری ---------- 214
حیا اور عفت ---------- 215
طہارت و پاکیزگی ---------- 218
معاملات میں پاکبازی اور اکل حلال ---------- 219
حق اور نیکی کو پھیلانے اور عام کرنے کی جدوجہد اور اس کی راہ میں جانبازی ---------- 224
قرآنی خطبات و مواعظ ---------- 231
آزمائشوں کے دور میں صبر اور نماز سے مدد حاصل کی جائے ---------- 231
بندوں کو ان کے مالک کا بلاوا جنت اور رحمت کی طرف ---------- 232
دین حق کے بنیادی احکام اور نصائح ---------- 233
اللہ تعالیٰ کی بات ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا انجام ---------- 234
سرکش مجرموں کو سخت انتباہ اور قیامت میں ان کا انجام ---------- 236
دین کی بنیادی ہدایتیں اور خداوندی احکام ---------- 238
امت مسلمہ کے خاص فرائض اور اس کا نصب العین ---------- 241
اپنے گناہ گار بندوں کا اللہ تعالیٰ کا بلاوا اور نہ ماننے والوں کا انجام ---------- 243
اللہ تعالیٰ کی بات ماننے والوں اور اس کی راہ پر چلنے والوں کو بشارت ---------- 245
اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور سچی توبہ کرکے آخرت کی سرخروئی اور جنت حاصل کرو ---------- 246

☆☆☆

مقدمہ

صاحبِ قرآن اور قرآن کا تعارف

یہ کتاب "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟" اب سے تیس سال پہلے ۱۳۷۹ھ ۱۹۵۹ میں شائع ہوئی تھی۔ اس کے قریباً ۱۲ سال بعد اس کا انگریزی ایڈیشن شائع ہوا تو اس کے لیے حضرت مصنف نے ایک مستقل مقدمہ لکھا تھا، ہم نے مناسب سمجھا کہ اس جدید ایڈیشن میں مقدمہ کے طور پر اس کو بھی شامل کر دیا جائے۔

(محمد حسان نعمانی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

یہ ایک مسلّم تاریخی حقیقت ہے کہ اب سے قریباً ڈیڑھ ہزار سال پہلے پانچویں چھٹی صدی عیسوی میں پوری انسانی دنیا نور ہدایت سے محروم اور روحانیت و اخلاق کے لحاظ سے اندھیر نگری بنی ہوئی تھی۔ یورپ پر قرون وسطیٰ کا اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ ایران اور اس کے زیر اثر ملکوں میں مزدکیت کا دور دورہ تھا جس نے اخلاق و شرافت کی حدود کو درہم برہم کر کے انسانوں کو حیوان بنا دیا تھا۔ ہندوستان پورانک عہد کی تاریکی میں بھٹک رہا تھا۔ یہاں ایک طرف تو جمادات و حیوانات بلکہ سانپوں تک کی پرستش ہوتی تھی اور دوسری طرف بے چارے ان انسانوں کے ساتھ جن کو نسلی اور پیدائشی طور پر اچھوت قرار دیا گیا تھا، حیوانوں سے بدتر سلوک ہوتا تھا۔ وہ انسان ہونے کے باوجود انسانی حقوق سے محروم تھے۔ جس کے کچھ اثرات اتنا طویل زمانہ گزر جانے کے باوجود اب تک بھی باقی ہیں۔ کم و بیش یہی حال انسانیت کی پستی اور انسانوں کی بے راہروی کے لحاظ سے اس وقت دنیا کے ان دوسرے ملکوں کا بھی تھا، جن کی تاریخ معلوم ہے۔

پھر ان سب کے گویا قلب میں جزیرہ نمائے عرب تھا جو یورپ، ایشیا اور افریقہ کے مقام اتصال پر واقع تھا اور اسی لیے پرانے زمانے میں اسے "دنیا کی ناف" کہا جاتا تھا۔ یہ بھی اس دور میں خداوندی ہدایت اور تعلیم و تہذیب کی روشنی سے یکسر محروم تھا۔ تاریکیوں اور گمراہیوں کے بادل تہہ بہ تہہ چھائے ہوئے تھے۔ ایک خدا کو چھوڑ کر بے شمار دیویوں، دیوتاؤں اور ان سے نسبت رکھنے والی پتھر کی مورتیوں کی پوجا ہوتی تھی۔ ان کے لیے انسانوں تک کی قربانی دی جاتی تھی۔ شہر مکہ کا وہ کعبہ جس کو خدا کے پیغمبر ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے مرکز کے طور پر اپنے ہاتھوں سے بنایا تھا وہ ایک بڑا بت خانہ بن گیا تھا۔ پورے ملک میں جنگل کا قانون چالو تھا۔ کوئی حکومتی نظام بھی نہ تھا۔ انسانی جان کی کوئی قیمت نہ تھی۔ قتل و غارت اور لوٹ مار کا بازار گرم تھا۔ سنگدلی اور قساوت اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ خود اپنے نومولود بچوں کو گڑھا کھود کر زمین میں زندہ دفن کر دیتے تھے۔ بے شرمی اور بے حیائی کا یہ حال تھا کہ بہت سے لوگ مادر زاد برہنہ ہو کر خانہ کعبہ کا طواف کرتے تھے۔ بعض قبیلوں میں باپ کے مرنے کے بعد بیٹا اس کی بیوہ بیوی کو اپنی بیوی بنالیتا تھا اور یہ گویا اس کا حق تھا۔

اخلاق و روحانیت کی اس تباہی کے علاوہ دنیا بھی برباد تھی، بہت بڑی تعداد ایسے غریبوں کی تھی جو غربت و افلاس کی مجبوری سے زمین کے کیڑے مکوڑے اور مُردار تک کھالیتے تھے۔

پوری انسانی دنیا کے اور خاص کر ملک عرب کے یہ حالات تھے کہ اب سے ٹھیک چودہ سو سال پہلے عرب کے مرکزی شہر مکہ میں ابراہیم علیہ السلام و اسماعیل علیہ السلام ہی کی نسل کے ایک معزز قبیلہ قریش کے ایک شریف گھرانے میں ایک بچہ پیدا ہوا۔ یہ بچہ پیدا ہونے سے پہلے ہی یتیم ہو چکا تھا۔ یعنی ابھی یہ ماں کے پیٹ ہی میں تھا کہ باپ عبداللہ بن عبدالمطلب کا انتقال ہو گیا اور بیوہ ماں ہی نے اس کو پالا۔ عمر کا چھٹا سال تھا کہ ماں کا سایہ بھی سر سے اٹھ گیا تو دادا عبد المطلب نے اپنے آغوش تربیت میں لے لیا۔ اس کے دو ہی سال بعد دادا کا بھی انتقال ہو گیا تو آٹھ سالہ بچہ کو چچا ابو طالب نے اپنی کفالت میں لے لیا۔

اس بچہ کا نام محمد صلی اللہ علیہ وسلم رکھا گیا تھا جس کے معنی ہیں وہ ذات جو اپنی صفات اور کارناموں کی وجہ سے بہت ہی قابل تعریف ہے۔

چونکہ عربوں میں اس زمانے میں تعلیم کا رواج نہیں تھا، اس لیے آپ اُمّی یعنی نوشت و

خواندے سے بالکل نا آشنا رہے لیکن فطرت کی سلامتی اور روح کی پاکیزگی جو اللہ تعالیٰ کا خاص عطیہ تھا، اس کی وجہ سے اس انتہائی فاسد ماحول میں بھی آپ ﷺ کی زندگی نہایت معصومانہ اور شریفانہ رہی۔ جب سن شعور کو پہنچے تو کسبِ معاش کی فکر ہوئی تاکہ چچا ابو طالب پر (جن کے خود بھی کافی اولاد تھی) بوجھ نہ پڑے۔ تجارت خاندانی پیشہ تھا، اسی کا اپنے لیے انتخاب کیا لیکن سرمایہ نہ ہونے کی وجہ سے اپنا ذاتی کاروبار نہیں کر سکتے تھے، اس لیے اپنی محنت دوسروں کے سرمایہ کے ساتھ لگا کر کام شروع کیا۔ تھوڑے ہی دنوں میں معاملات میں آپ ﷺ کی امانت و دیانت، سچائی اور نیک کرداری کی شہرت ہو گئی اور آپ ﷺ کا لقب ہی امین پڑ گیا۔ جس نے آپ ﷺ کے ساتھ کاروباری معاملہ کیا اس نے آپ ﷺ کو ایک فرشتہ صفت انسان اور بالکل نئے قسم کا ایک پاکباز تاجر پایا اور وہ متاثر ہوا۔

مکہ قریش ہی کے قبیلہ میں خدیجہ رضی اللہ عنہا ایک دولت مند بیوہ خاتون تھیں جن کا اپنا کاروبار بھی تھا اور دوسروں کو سرمایہ دے کر بھی وہ تجارت کراتی تھیں، بڑی صاحب فراست اور نیک فطرت خاتون تھیں، ان سے بھی آپ ﷺ کا کچھ کاروباری واسطہ پڑا تھا۔ وہ اگرچہ صاحب اولاد تھیں اور ان کی عمر چالیس سال کی ہو چکی تھی اور آپ ﷺ کی عمر ابھی صرف پچیس[25] سال ہی کی تھی۔ اس کے باوجود انہوں نے آپ ﷺ سے نکاح کرنا چاہا اور یہ نکاح ہو گیا۔

اس نکاح کے بعد آپ ﷺ کو اپنے معاشی مسئلے کی زیادہ فکر نہیں رہی تو آپ ﷺ زیادہ وقت خلق اللہ کی خدمت میں خاص کر غریبوں، آفت رسیدوں اور ضرورت مندوں کی امداد و اعانت اور علاقہ میں امن و امان کی فضا قائم کرنے پر صرف کرنے لگے۔ زندگی اسی طرح چل رہی تھی اور آپ ﷺ کی معصومانہ سیرت، نیک روی، غرباء نوازی اور خدمت خلق کی وجہ سے لوگوں کے دلوں میں عام طور سے آپ ﷺ کی عظمت اور محبت پیدا ہو گئی تھی اور اس طرح پوری قوم کی غیر رسمی سرداری آپ ﷺ کو حاصل تھی کہ عمر کے چالیسویں سال میں آپ ﷺ کے اندر ایک غیر معمولی تبدیلی پیدا ہوئی۔ دل میں شدت سے یہ داعیہ پیدا ہو تاکہ گھر سے اور آبادی سے دور سب سے الگ بالکل تنہائی میں عبادت اور دعا و مناجات کے ذریعے خدا کا قرب حاصل کریں۔ مکہ سے قریباً ڈیڑھ دو میل کے فاصلہ پر ایک اونچی پہاڑی ہے جس کی چوٹی پر پتھر کی بڑی بڑی چند چٹانوں سے گھرا ہوا ایک قدرتی غار ہے جو آج بھی غارِ حرا کے نام سے معروف ہے۔

آپ ﷺ ایک ہفتہ کے لیے صرف زندگی کی ضرورت کے بقدر کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر وہاں چلے جاتے اور بالکل یکہ و تنہا اس غار میں رہتے۔ ہفتہ میں ایک دفعہ گھر آتے اور پھر اسی طرح کھانے پینے کا مختصر سامان لے کر وہیں چلے جاتے اور سارا وقت توجہ الی اللہ اور تفکر و عبادت میں گزارتے۔

اگرچہ اس وقت اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی وہ معرفت آپ ﷺ کو حاصل نہیں تھی جو بعد میں وحی الٰہی سے حاصل ہوئی۔ اسی طرح طریق عبادت کی بھی کوئی خاص تعلیم آپ ﷺ کو نہیں ملی تھی لیکن کسی طالب کو جس کی فطرت سلیم، روح پاکیزہ اور دل نورانی ہو جس درجہ کی خدا کی مجمل معرفت و محبت اور اس کی رضاجوئی اور حصول قرب کا شوق پیدا ہو جانا چاہیے وہ یقیناً آپ ﷺ کو حاصل تھا اور اپنے قلبی داعیہ کی رہنمائی کے مطابق آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی عبادت اور اس کے حضور میں دعا کرتے تھے۔ یہ سلسلہ کئی مہینے اسی طرح جاری رہا۔

اسی زمانہ میں ایک نئی کیفیت آپ ﷺ میں یہ بھی پیدا ہوئی کہ آپ ﷺ بکثرت خواب دیکھتے اور جو کچھ خواب میں دیکھتے وہ اگلے دن واقعہ کی شکل میں سامنے آجاتا۔ لیکن آپ لوگوں کے سامنے اس کا اظہار و اعلان بالکل نہ کرتے۔ یہ عالم بالا کے ساتھ آپ ﷺ کے روحانی رابطہ کا آغاز تھا اور شروع ہونے والے دن کی صبح صادق تھی۔

اس کے بعد یہ ہوا کہ ایک دن جبکہ غار حرا کے اس مجاہدہ اور اعتکاف کے تسلسل پر چھ مہینے گزر چکے تھے آپ ﷺ غارِ حرا سے اس غیر معمولی حالت میں گھر آئے کہ رنگ پیلا تھا جیسا کہ کسی سخت دہشت زدہ انسان کا ہو جاتا ہے اور جسم پر لرزہ کی سی کیفیت طاری تھی۔ آپ ﷺ آتے ہی پڑ گئے اور گھر والوں سے فرمایا (زَمِّلُوْنِيْ زَمِّلُوْنِيْ) "مجھے موٹے کپڑے اوڑھا دو، مجھ پر موٹے کپڑے ڈال دو۔" پھر جب حالت کچھ سنبھلی تو بیوی خدیجہ رضی اللہ عنہا کے دریافت کرنے پر غار میں خدا کے فرشتے کا ظاہر ہونا اور خدا کا پیغام پہنچانا اور اس کا کلام پڑھوانا اور اس سلسلے میں جو کچھ پیش آیا تھا اور آپ ﷺ کے قلب اور روح پر اس کا جو غیر معمولی بوجھ پڑا تھا وہ سب آپ ﷺ نے بیان کیا اور بتلایا کہ میری یہ حالت اس کے اثر سے ہے۔ خدیجہ رضی اللہ عنہا جو بڑی صاحب فراست خاتون تھیں، انہوں نے پہلے تو خود آپ ﷺ کو تسلی دی کہ آپ ﷺ جیسے نیک اور سب کے کام آنے والے بندہ کے ساتھ اس کا خدا جو کچھ کرے گا وہ بہتر ہی ہوگا۔ اس کے بعد وہ آپ ﷺ کو اپنے چچا ورقہ بن

نوفل کے پاس لے گئیں جو بہت بوڑھے تھے اور آنکھوں سے بھی معذور ہو چکے تھے۔ انہوں نے بہت پہلے اپنی بت پرست قوم کے کیش و مذہب کو چھوڑ کر نصرانیت اختیار کر لی تھی۔ وہ قدیم آسمانی کتابوں تورات و انجیل کے اچھے عالم بلکہ مترجم بھی تھے، انہوں نے غارِ حرا کا واقعہ سن کر یقین کے ساتھ کہا کہ تمہارے پاس جو فرشتہ آیا تھا یہ اللہ کا وہی خاص فرشتہ ہے جو پیغمبروں کے پاس اللہ تعالیٰ کا کلام و پیام اور اس کے احکام لایا کرتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو منصب نبوت پر فائز کیا ہے اور پیغمبری کا کارِ عظیم تمہیں سپرد کیا جائے گا اور سن لو تمہاری قوم تمہاری دشمن ہو جائے گی اور تم کو جلاوطن کر دے گی۔ پھر بوڑھے ورقہ نے حسرت سے کہا کہ کاش میں اس وقت زندہ و توانا ہوتا اور تمہارا ساتھ دے سکتا۔

بس یہاں سے حضرت محمد ﷺ کے دور نبوت کا آغاز ہوا۔

آپ ﷺ کا اب تک حال یہ تھا کہ اپنی ذات سے معصوم فطرت اور خادم خلق تھے لیکن خاموشی پسند تھے۔ اس دور میں عربوں میں شعر و سخن سے دلچسپی عام تھی لیکن آپ ﷺ نے اس میں بھی کبھی کوئی دلچسپی نہیں لی، نہ قوم کے سامنے کبھی خطیب اور مقرر بن کے کھڑے ہوئے۔ کبھی مصلحانہ حیثیت سے بھی کسی تحریک اور ہنگامہ خیزی کا آپ ﷺ سے ظہور نہیں ہوا۔ حتیٰ کہ قوم کی حد سے گزری ہوئی بد اخلاقی و بے راہروی کی اصلاح کے لیے بھی آپ ﷺ نے کوئی تحریک کھڑی نہیں کی اور کوئی پلیٹ فارم نہیں بنایا۔ وحی و رسالت، قیامت و آخرت اور دین و شریعت کے موضوع پر بھی اس پورے چالیس سال میں کبھی آپ ﷺ سے کچھ نہیں سنا گیا۔ اگلے پیغمبروں اور ان کی امتوں کے سبق آموز واقعات کا بیان بھی آپ ﷺ کی زبان پر کبھی نہیں آیا۔ سیاسیات و عمرانیات، معاشیات و اقتصادیات کے بارے میں بھی اس پورے عرصے میں اپنی قوم کو آپ ﷺ نے کوئی رہنمائی نہیں دی۔

الغرض چالیس سال کی عمر تک آپ ﷺ کی زندگی کا ان باتوں سے کوئی ادنیٰ تعلق ظاہر نہیں ہوا اور کسی نے کوئی ایسی بات آپ ﷺ سے نہیں سنی جس سے اندازہ کیا جا سکتا کہ آپ ﷺ ان مسائل کی الف ب سے بھی واقف و باخبر ہیں۔

لیکن عمر کے اکتالیسویں سال میں غارِ حرا کے مذکورہ بالا واقعہ کے بعد اچانک آپ ﷺ میں ایک محیر العقول انقلاب پیدا ہو گیا۔ گویا آپ ﷺ کے قالب میں ایک دوسری روح آگئی اور

آپ ﷺ ایک بالکل دوسری قسم کے انسان بن گئے۔ اب آپ ﷺ کی خاموشی ٹوٹ گئی اور اپنی قوم سے آپ ﷺ نے کہا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے وحی و الہام سے نوازا ہے اور اپنی پیغمبری کی خدمت میرے سپرد کی ہے جیسے کہ کبھی پہلے ابراہیم علیہ السلام، واسماعیل علیہ السلام، اسحٰق علیہ السلام، ویعقوب علیہ السلام اور پھر موسیٰ علیہ السلام و عیسیٰ علیہ السلام، کو سپرد کی تھی۔

آپ ﷺ نے قوم کو بتایا کہ وہ خدا میرا اور تمہارا اور ساری کائنات کا خالق و پروردگار ہے۔ ہر نقص سے پاک اور عظمت و کمال کی ساری صفات کا جامع ہے۔ صرف وہی عبادت اور پرستش کے لائق ہے۔ میری تمہاری اور سب کی موت و حیات اسی کے قبضہ میں ہے۔ ہر طرح کا بناؤ بگاڑ اور کسی کو نفع یا نقصان پہنچانا بھی اسی کے اختیار میں ہے۔ کسی دوسرے کی یہ شان نہیں ہے۔ اس کے سوا جن بتوں اور دیویوں، دیوتاؤں کی پوجا کی جاتی ہے اور جن کو حاجت روا سمجھا جاتا ہے ان کے قبضہ و اختیار میں کچھ بھی نہیں، ان کی عبادت اور اللہ کے سوا کسی مخلوق کی بھی عبادت بہت بڑا گناہ اور ناقابلِ معافی جرم ہے۔ اس لیے صرف ایک اللہ کی عبادت کرو جو معبود برحق ہے، اسی سے لو لگاؤ۔ اس سے بھرپور محبت کرو اور اس سے بہت زیادہ ڈرو۔ یہ حکم میرے لیے بھی ہے اور تم سب کے لیے بھی۔

آپ ﷺ نے قوم کو یہ بھی بتایا اور ان کے دلوں میں اس کا یقین اتار دینے کی پوری کوشش کی کہ یہ دنیا جس میں ہم رہ بس رہے ہیں، ہمیشہ نہیں رہے گی۔ جس طرح ہر پیدا ہونے والا آدمی اپنی مقررہ زندگی پوری کر کے مر جاتا ہے اسی طرح یہ پوری دنیا بھی ایک وقت اللہ کے حکم سے فنا کر دی جائے گی۔ وہ قیامت کا دن ہو گا۔ پھر خدا ہی اپنی قدرت سے سب کو دوبارہ زندگی بخشے گا اور ایک دوسرا عالم برپا ہو گا۔ یہ آخرت کا عالم ہو گا جس میں سب کو اپنے کیے اعمال کے مطابق جزا یا سزا ملے گی۔ جنہوں نے دنیا میں اللہ کو اور اللہ تعالیٰ کے احکام کو مان کر پاکبازی اور نیک کرداری کی زندگی گزاری ہو گی ان پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو گی۔ اور ان کو بھرپور لذتوں اور مسرتوں والی زندگی عطا فرمائی جائے گی اور اس کے برعکس جنہوں نے اس دنیا میں اپنے خالق و پروردگار کو بھلا کر اور اس کے احکام سے بے پروا اور آخرت کے انجام سے بے فکر ہو کر مجرمانہ زندگی گزاری ہو گی وہ سخت عذاب میں گرفتار ہوں گے۔

پھر آپ ﷺ نے وضاحت اور تفصیل کے ساتھ بندوں پر اللہ کے حقوق اور بندوں پر

دوسرے بندوں کے حقوق اور اعمال صالح اور اخلاق حسنہ کی بھی قوم کو تعلیم و تلقین کی اور فواحش و منکرات اور بداعمالیوں اور بداخلاقیوں سے منع بھی فرمایا اور اس کے بُرے انجام سے ڈرایا۔

اسی طرح آپ ﷺ نے قوم کو خرید و فروخت تجارت و سوداگری اور مالی لین دین اور محنت و مزدوری وغیرہ کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کی ہدایات پہنچائیں اور بتایا کہ ان میں یہ طریقے صحیح و جائز اور یہ غلط و ناجائز ہیں۔

کھانے پینے کے بارے میں بھی آپ ﷺ نے بتایا کہ یہ چیزیں اللہ تعالیٰ نے حلال اور یہ حرام قرار دی ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان باتوں کو صرف بتا کر اور بیان کر کے نہیں چھوڑ دیا بلکہ یہ آپ ﷺ کی زندگی کا مشن ہو گیا اور ان سچائیوں کی دعوت اور اپنی قوم عرب کی اور پوری انسانی دنیا کی ہدایت کی فکر آپ ﷺ پر اس طرح چھا گئی کہ اس سے الگ کسی چیز سے گویا کوئی دلچسپی نہیں رہی۔ دن رات اسی کی فکر اور جدوجہد میں مشغول رہتے اور اسی کے لیے اپنے اللہ سے دعائیں کرتے۔

اس راستے میں آپ ﷺ نے سخت سے سخت تکلیفیں اٹھائیں، ماریں کھائیں، ذلتیں برداشت کیں، آپ ﷺ کا اور آپ ﷺ کے کنبہ کا طویل مدت تک بائیکاٹ کیا گیا۔ کھانے پینے کی چیزوں کی بھی ناکہ بندی کی گئی لیکن آپ ﷺ نے اپنی دعوت اور جدوجہد میں کوئی کمی نہیں کی۔ مخالفین سے کسی آویزش کے بغیر آپ ﷺ امکان بھر اپنے کام میں اسی طرح لگے رہے اور ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے اور زیادہ الحاح سے ہدایت اور رحمت کی دعائیں کرتے رہے۔

قوم میں سے جن لوگوں کی روحوں میں نیکی کا جوہر اور حق کو قبول کرنے کی کم و بیش صلاحیت موجود تھی وہ ایک ایک دو دو کر کے آپ ﷺ کی سچائی سے متاثر ہو کر آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کرتے رہے اور پھر وہ بھی مکہ کے شرارت پسند عنصر کے مظالم کا نشانہ بنتے رہے۔ قریباً دس بارہ سال اسی طرح گزرے۔ اس کے بعد جب وہاں کے لوگوں نے آپ ﷺ کو اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو مکہ سے باہر نکل جانے پر مجبور کر دیا اور اس کا کوئی امکان نہیں رہا کہ مکہ میں رہ کر دین حق کی دعوت اور بندگان خدا کی ہدایت کی خدمت کا سلسلہ جاری رہ سکے تو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے مکہ سے ہجرت فرمائی اور مدینہ کو اپنا مستقر اور اپنی دعوت و جدوجہد کا مرکز بنا لیا۔ یہاں پہنچ کر کام اور زیادہ جذبہ اور محنت سے ہونے لگا اور اللہ تعالیٰ کے فضل سے دعوت قبول کرنے کی رفتار بہت تیز ہو گئی۔

تھوڑے ہی عرصہ کے بعد مدینہ میں آپ ﷺ کے پیروؤں اور رفیقوں کی اجتماعیت سے ایک عجیب و غریب قسم کا حکومتی نظم و نسق بھی قائم ہو گیا۔ اس حکومت کی کوئی باقاعدہ فوج نہیں تھی، پولیس نہیں تھی، تھانیدار نہیں تھا، تحصیلدار نہیں تھا، جج نہیں تھا، منصف نہیں تھا، کوئی بھی عہدیدار نہیں تھا، اور سب تھے۔ یعنی حسب ضرورت ان عہدوں کے سارے کام ہوتے تھے اور آپ ﷺ کی دعوت کو قبول کرنے والے بندگانِ خدا صرف اللہ تعالیٰ کی رضا اور ثواب کے لیے بغیر کسی تنخواہ اور حکومتی منصب و لقب کے یہ ساری خدمات انجام دیتے تھے۔

نئے طرز کی اس حکومت نے جس کے موسس اور سربراہ نبی امی حضرت محمد ﷺ تھے دنیا کو عملی طور سے دکھادیا کہ بغیر فوج اور خزانے کے بھی حکومت ہو سکتی ہے اور مقاصد حکومت بہتر سے بہتر طریقے پر انجام پا سکتے ہیں۔ دشمن طاقتوں سے اس حکومت کی جنگیں بھی ہوئیں جو دنیا کے لیے مختلف پہلوؤں سے جنگوں کا بہترین نمونہ تھیں اور جن سے بہت کچھ سبق سیکھا جا سکتا ہے۔ مخالف طاقتوں سے معاہدے بھی ہوئے صلحیں بھی ہوئیں۔ اس حکومت نے اپنوں پر اور پرایوں پر ٹیکس بھی لگائے اور دنیا کو دکھادیا کہ ٹیکس کے بارے میں اچھی حکومتوں اور ان کے عوام کا رویہ کیا ہونا چاہیے۔

مدینہ پہنچنے کے بعد صرف دس سال آپ ﷺ اس دنیا میں رہے اور اتنی تھوڑی مدت میں قریب قریب پورا ملک عرب آپ ﷺ کے لیے مسخر ہو گیا اور آبادی کے بعد بڑے حصہ نے آپ ﷺ کی دعوت و ہدایت کو قبول کر لیا۔ ہزارہا ہزار ایسے آدمی جو پہلے اللہ تعالیٰ سے ناآشنا تھے، آخرت اور جزا و سزا کے تصور سے جن کا ذہن بالکل خالی تھا اور ساری عمر انتہائی گمراہیوں اور بد اخلاقیوں میں گزری تھی وہ آپ ﷺ کے فیض صحبت اور تعلیم و تربیت سے ایسے معیاری اور کامل انسان بن گئے کہ طویل انسانی تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے عاجز ہے۔ افراد ہی نہیں بلکہ کامل انسانوں کی ایک پوری قوم پیدا ہو گئی جس کی مثال چشم فلک نے نہ ان سے پہلے دیکھی تھی نہ اس کے بعد دیکھی۔

یہ سب کچھ صرف دس سال میں اور مکہ کے ابتدائی دور کو بھی شامل کر لیا جائے تو قریباً بیس بائیس سال میں ایک ایسے آدمی کے ذریعے ہو گیا، جس کے متعلق معلوم ہے کہ وہ الف ب بھی نہیں جانتا تھا، اس کو اچھے مہذب، دانشمند اور خدا پرست انسانوں کی کبھی صحبت بھی نہیں

ملی تھی۔ اس کی زندگی میں چالیس سال کی عمر تک (جو اندرونی جذبات اور رجحانات کے ظہور کا خاص زمانہ ہوتا ہے) کسی قسم کی ہنگامہ پسندی، تحریکیت اور کسی مہم کی قیادت کے جذبہ کی ادنیٰ سی جھلک بھی کسی نے نہیں دیکھی تھی، جو نہ شاعر تھا، نہ خطیب اور نہ شاعروں یا مقرروں کی کوئی ٹیم اس کے ساتھ تھی۔ رسالوں، اخباروں اور ریڈیو کا تو وہ زمانہ ہی نہیں تھا، تو سوچنے کی بات ہے کہ اتنا عظیم الشان اور دنیا کی تاریخ میں عدیم المثال یہ انقلاب اس آدمی کے ذریعے کیسے ہو گیا؟

خدا کا وہ بندہ کہتا تھا کہ خود مجھ میں کچھ نہیں ہے میں تو ایک غریب قریشی عورت کا بیٹا ہوں پڑھا لکھا بھی کچھ نہیں ہوں۔ میں اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات اور توحید وغیرہ کے بارے میں جو بیان کرتا ہوں قیامت و آخرت اور دوزخ و جنّت کے بارے میں جو بتاتا ہوں اور زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق جو احکام دیتا ہوں اور جو کچھ بھی تعلیم و تلقین کرتا ہوں یہ میرے اپنے فہم و فکر کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ یہ سب میرے اور تمہارے خدا کی طرف سے ہے۔ اس نے مجھے تمہاری ہدایت وخدمت کے لیے آلۂ کار اور وسیلہ بنالیا ہے۔ وہ ایک کلام پڑھ کر سناتا تھا جو اس تعلیم و ہدایت کا سرچشمہ تھا۔ اس میں بلا کی تاثیر اور کشش تھی۔ اگرچہ وہ عربی زبان میں تھا جو پوری قوم کی زبان تھی، لیکن وہ بالکل نرالا کلام تھا، خود لانے والے (پیغمبر) کے کلام سے بھی بالکل ممتاز، اس کے دشمن بھی اس سے متاثر ہوتے تھے اور اس لیے اس کو "جادو" کہتے تھے۔ لیکن وہ کلام سنانے والا کہتا تھا کہ اصل حقیقت یہ ہے کہ یہ کلام میرا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے، اس نے مجھ پر نازل فرمایا ہے۔ یہ میرے لیے بھی اس کا ہدایت نامہ اور حکمنامہ ہے اور تمہارے لیے اور ساری دنیا کے لیے بھی یہ خدا کی آخری کتاب قرآن ہے۔

وہ قرآن آج بھی جوں کا توں محفوظ ہے اور اس میں غور و فکر کر کے آج بھی سچائی کا ہر طالب یہ یقین حاصل کر سکتا ہے کہ یہ کسی انسان کا کلام ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اس میں صفاتِ الٰہی اور توحید جیسے مضامین کے بارے میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ یقیناً معرفت کا آخرت نقطہ ہے جس تک خدا کی ہدایت و تعلیم کے بغیر کسی ذہین سے ذہین انسان کی بھی رسائی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح حیات بعد الموت اور اس قسم کے دوسرے مشکل مسائل پر قرآن میں جو کچھ کہا گیا ہے وہ یقیناً انسانی علم و فکر سے بہت آگے کی چیز ہے۔ پھر انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کے بارے میں جو ہدایات دی گئی ہیں اور جو زمانہ کی بڑی سے بڑی تبدیلیوں

کے باوجود انسانوں کی رہنمائی کے لیے بالکل کافی ہیں، ان کے بارے میں ہر گز نہیں سوچا جا سکتا کہ وہ کسی انسان اور خاص کر محمد بن عبداللہ ﷺ جیسے کسی امی اور بالکل نا تعلیم یافتہ انسان کے فہم و فکر کا نتیجہ ہیں۔

الغرض قرآن خود ہی اس کی دلیل ہے کہ وہ خدا کا کلام اور اس کا نازل کیا ہوا ہدایت نامہ ہے اور اس کے لانے والے اور پیش کرنے والے حضرت محمد ﷺ اس کے سچے رسول ہیں۔

امید ہے کہ اس کتاب "قرآن آپ سے کیا کہتا ہے؟" کا مطالعہ اس سلسلے میں آپ کا مددگار ثابت ہوگا۔

☆☆☆

دیباچہ

(از مولف)

الحمد للہ رب العالمین و سلام علی عبادہ المرسلین

یہ واقعہ ہے جس کے اظہار میں ذرہ برابر بھی انکسار اور تکلّف کو دخل نہیں ہے کہ اس ناچیز نے قرآن مجید کو موضوع بنا کر کبھی کوئی خاص طالب علمانہ محنت نہیں کی اور اس لیے علوم قرآن میں مجھے کسی قسم کا اور کسی درجہ کا بھی امتیاز اور تخصص حاصل نہیں ہے بلکہ پرانے عربی مدرسوں کے عام طالب علموں اور تعلیم یافتوں کی طرح قرآن مجید کا بس ترجمہ اور سادہ مطلب سمجھ لیتا ہوں اور جب توفیق ہوتی ہے تو سمجھ کر تلاوت کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ اور یہ بھی بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ لیکن اس سے بڑا انعام اس رب کریم کا اس عاجز بندہ پر یہ ہے کہ تلاوت کے وقت کبھی کبھی دل کو تاثر و تذکّر کی دولت بھی نصیب ہو جاتی ہے اور اس کی یہ برکت قرآن مجید کا کلام الٰہی ہونا میرے لیے ایک بالکل محسوس حقیقت ہے۔ گویا جس طرح کسی میٹھی یا نمکین چیز کے کھاتے وقت اپنی زبان و تالو کے احساس کی بناء پر مجھے اس کی شیرینی یا نمکینی کا یقینی علم حاصل ہو جاتا ہے، الحمد للہ بالکل اسی طرح قرآن مجید کی تلاوت کے وقت کبھی میرے قلب کا جو تاثر اور احساس ہوتا ہے مجھے اُس سے قرآن پاک کے کلام ہونے کا قطعی یقین حاصل ہوتا ہے، ان دونوں یقینوں میں میرے لیے کوئی فرق نہیں ہے۔ ان میں سے کوئی یقین بھی میرے لیے فکری اور استدلالی نہیں ہے۔ فالحمد للہ علی ذالک حمداً کثیراً طیّباً مبارکاً فیہ۔

قرآن مجید سے دل کے اس تاثر کا اگرچہ کوئی وقت اور موسم مقرر نہیں ہے لیکن خاص کر رمضان المبارک میں یہ دولت الحمد للہ زیادہ نصیب ہوتی ہے اور جب بھی اللہ تعالیٰ نصیب فرمائے قدرتی طور پر اس وقت قرآن مجید اور اس کی دعوت و تعلیم کی عظمت کا احساس و یقین اور بڑھ جاتا ہے۔

کئی سال پہلے کی بات ہے، رمضان المبارک ہی میں ایک دن قرآن مجید کی تلاوت کر رہا

تھا، یاد نہیں کون سا مقام تھا، بہر حال اس دن طبیعت بہت زیادہ متاثر ہوئی اور دل میں یہ داعیہ بھی اس وقت بڑی شدت سے پیدا ہوا کہ قرآن مجید کی اس دعوت و تعلیم کو قرآن مجید ہی کے دعوتی انداز میں اللہ کے ان بندوں تک پہنچانے کی بھی کوئی کوشش اپنی بساط کے مطابق کی جائے جو بے چارے اس سے نا آشنا ہیں۔

اس کی ایک عملی شکل اسی وقت یہ ذہن میں آئی کہ متوسط ضخامت کی ایک کتاب لکھی جائے جس میں قرآنی تعلیم کو عنوانات کے تحت اس طرح مرتب کر کے پیش کیا جائے کہ مُسلمانوں اور غیر مسلموں سب کے لیے اس کا سمجھنا آسان ہو اور اس میں اپنی طرف سے کسی دلیل اور بحث کا اضافہ بالکل نہ کیا جائے بلکہ صرف قرآن کی بات قرآن ہی کے سادہ دعوتی اور تذکیری طرز پر اپنی زبان میں کہی جائے۔ البتہ سمجھنے کے لیے جہاں کچھ تشریح اور وضاحت کی ضرورت ہو وہاں صرف بقدر ضرورت ہی وضاحت اور تشریح کر دی جائے۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے اسی وقت اس کام کے کرنے کی نیت کر لی گئی اور ذہن نے کتاب کا ایک خاکہ بھی بنا لیا۔ آیات کے جمع و انتخاب کا کام بھی شروع کر دیا گیا جو رمضان المبارک ہی میں ختم ہو گیا۔ اس کے بعد بس تالیف و ترتیب کا کام باقی رہ گیا۔ اس وقت خیال تھا کہ اگر جم کر اور مسلسل کام کیا جا سکا تو زیادہ سے زیادہ بس تین چار مہینے میں ان شاء اللہ کتاب تیار ہو جائے گی لیکن ہوا یہ کہ کبھی مسلسل چار دن بھی اس کام کو نہیں دیئے جا سکے۔ اور اس کے برعکس ایسا بارہا ہوا کہ ایک دو دن بیٹھ کے اگر کبھی دو چار صفحے اس کے لکھے تو پھر مہینوں اس لکھے ہوئے کو اٹھا کر دیکھنے اور اس پر ایک سطر کا بھی اضافہ کرنے کی نوبت نہیں آئی، اور ایک دفعہ تو قریباً دو سال کا عرصہ اس درمیان میں ایسا گزرا جس میں اس کام کو ہاتھ نہیں لگایا جا سکا۔ الغرض یہ رہی رفتار اس کی تالیف اور تیاری کی۔

بہر حال اللہ تعالے کے فضل و کرم سے سب مرحلوں سے گزر کر اب یہ کام اس کتاب کی شکل میں آپ کے سامنے ہے۔ اس میں جو کمی یا غلطی ہے اس کا ذمہ دار یہ ناچیز بندہ ہے اور جو خیر و خوبی اور نافعیت ہے وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے، فلہ الحمد ولہ الشکر۔

آخر میں مختصر مختصر چند باتیں کتاب کے بارے میں اور بھی عرض کرنی ہیں:

① جس طرح قرآن مجید اس کے ماننے والے مُسلمانوں کے لیے بھی ہے اور

دوسرے سارے انسانوں کے لیے بھی، اسی طرح اس ناچیز نے اس کتاب کے لکھتے وقت مسلمانوں کے ساتھ دوسرے عام انسانوں کو بھی سامنے رکھا ہے۔ اس لیے میری یہ قدرتی خواہش ہے کہ یہ کتاب مُسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں تک بھی کسی طرح زیادہ سے زیادہ پہنچ سکے۔ اپنے امکان اور وسائل کی حد تک یہ عاجز تو ان شاء اللہ اس کے لیے کوشش کرے گا ہی، دوسرے حضرات بھی مطالعہ کے بعد اگر کتاب کو اس لائق سمجھیں تو اردو خواں غیر مسلموں تک بھی اس کو پہنچانے کے ذرائع سوچیں اور ان کو بروئے کار لائیں۔ اس مقصد کے لیے انگریزی اور بعض دوسری ملکی زبانوں میں اس کے ترجمہ اور اشاعت کا مسئلہ بھی زیر غور ہے۔

(۲) ناظرین کو یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ قرآنی آیات کے ترجمہ میں لفظی ترجمہ اور نحوی ترکیب کی زیادہ پابندی میں نے نہیں کی ہے بلکہ ناظرین کی سہولت فہم کا زیادہ لحاظ رکھا ہے۔ اگر کسی کو لفظی ترجمہ ہی دیکھنا ہو تو اس عاجز کے خیال میں حضرت شاہ رفیع الدین صاحب رحمہ اللہ علیہ نے اس کی بہت اچھی کفالت کی ہے۔

(۳) جس خاص مقصد کے لیے یہ کتاب لکھی گئی ہے چونکہ اس کا یہ اہم تقاضا تھا کہ کتاب کی ضخامت بہت زیادہ نہ ہو۔ اس لیے قرآن مجید کی دعوت و تعلیم کے سارے گوشوں کو اس میں سمیٹ لینے کی گنجائش نہ تھی۔ تاہم اس عاجز کا خیال ہے کہ اس کا اہم حصہ اس میں سب ہی آگیا ہے اور امید ہے کہ پیش نظر مقصد کے لیے ان شاء اللہ یہ کافی ثابت ہو گا۔

آخری گذارش اپنے ناظرین کرام سے

بس یہ ہے کہ وہ کتاب کے لیے مقبولیت و نافعیت کی اور اس کے مصنف کے لیے مغفرت و رحمت کی اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں۔ اس عاجز و مسکین بندہ کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت کے بعد سب سے بڑا آسرا اس کے صاحب ایمان بندوں کی دعاؤں ہی کا ہے۔

محمد منظور نعمانی عفا اللہ عنہ

محرم الحرام ۱۳۷۹ھ جولائی ۱۹۵۹ء

(۱) الحمد للہ اس کا انگریزی ایڈیشن شائع ہو چکا ہے۔ ہندی ایڈیشن کا کام بھی شروع کیا جا چکا ہے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

خدا کی ہستی

دین ومذہب کے سلسلہ کی بنیاد اس حقیقت کے ماننے پر قائم ہوتی ہے کہ ہمارا اور ساری کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا ہے اور وہی اپنی قدرت اور حکم سے اس سارے جہان کو چلا رہا ہے۔ اگر کوئی شخص اس بنیاد ہی کو نہ مانے تو اس کے نزدیک دھرم اور دین کے سلسلے کی تمام باتیں بے وقوف انسان کے توہمات ہیں۔

بہر حال خدا کی ہستی کا مسئلہ دین ومذہب کا پہلا بنیادی مسئلہ ہے اور کوئی دینی دعوت ان ہی لوگوں کو دی جاسکتی ہے جو پہلے اس بنیاد کو تسلیم کرلیں۔ مگر چونکہ واقعہ یہ ہے کہ خدا کی ہستی کا علم انسانوں کے لیے خود اپنی ہستی کے علم کی طرح بالکل فطری اور بدیہی ہے جس کے لیے کسی دلیل وبرہان کی ضرورت نہیں، اور اسی لیے دنیا کی عام انسانی آبادی ہمیشہ سے اس بنیاد کی ماننے والی رہی ہے حتی کہ ہمارے اس دور میں بھی جس کو لادینیت اور دہریت کا دور کہا جاتا ہے انسانوں کی غالب ترین اکثریت اللہ کی ہستی کو ماننے والی ہی ہے۔ اس لیے قرآن مجید نے اپنی دعوت کے سلسلے میں اس مسئلے پر براہ راست زیادہ بحث نہیں کی۔ لیکن پھر بھی جابجا اس نے اشاروں ہی اشاروں میں اس مسئلہ پر ایسے دلائل وبراہین قائم کئے ہیں جو ہر اس شخص کے دل میں خدا کی ہستی کا یقین پیدا کرنے کے لیے بالکل کافی ہیں جس کے ہوش وحواس صحیح وسالم ہوں اور جس نے اپنی عقل وبصیرت کی آنکھوں کو بالکل پھوڑ نہ لیا ہو۔

ہاں! اس سلسلے میں یہ ایک بات پہلے سمجھ لینے کی ہے کہ قرآن پاک خدا کی ہستی اور اسی طرح دوسری ایمانی حقیقتوں کو منوانے کے لیے منطقیوں کے طریقے پر بحث ومناظرہ نہیں کرتا جس کے مقابلے میں مخاطب اگرچہ لاجواب ہو جائے لیکن اس کے دل میں اس سے یقین کی ٹھنڈک پیدا نہیں ہو سکتی بلکہ قرآن پاک کا طریقہ یہ ہے کہ وہ انسانوں کی صحیح اور سلیم فطرت سے

اپیل کرتا ہے کہ کائنات کا نظام جس کو تم اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہو، بلکہ تم خود اسی کے ایک جز ہو اس میں ذرا غور و فکر کرو تو تم خود حقیقت کو پالو گے اور جو تم کو بتلایا جا رہا ہے اس کی کھلی نشانیاں بچشم خود دیکھ لو گے اور تمہارا یہ غور و فکر اور مطالعہ ہی یقین و اطمینان کی ٹھنڈک تمھارے دلوں میں پیدا کر دے گا۔ اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر ذرا پڑھئے قرآن مجید کی یہ آیتیں:

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلٰفِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ وَّتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ۔ (البقرہ ۲: رکوع ۲۰)

ترجمہ: بلاشبہ آسمان و زمین کی ساخت میں اور رات دن کے یکے بعد دیگرے آنے میں اور ان کشتیوں، جہازوں میں جو انسانوں کے کام کی چیزیں لے کر دریاؤں اور سمندروں میں چلتے پھرتے ہیں اور اس بارش میں جسے اللہ آسمان سے برساتا ہے پھر اس سے زمین کو ایک زندگی بخشتا ہے بعد اس کے کہ وہ مردہ ہو چکی ہوتی ہے اور اسی کے ذریعہ ہر قسم کے جاندار زمین کی وسعت میں پھیلا دیتا ہے اور ہواؤں کے بدلنے میں اور ان بادلوں میں جو آسمان و زمین کے درمیان مسخر رہتے ہیں تو ان سب چیزوں میں جن کو سب آنکھوں والے انسان اپنی آنکھوں سے دیکھتے ہیں عقل سے کام لینے والے لوگوں کے لیے کھلی نشانیاں ہیں۔

قرآن مجید نے یہاں آسمان و زمین کی ساخت، رات دن کی آمد و رفت کے مقررہ نظام، سمندروں میں جہازوں کی چلت پھرت، بارش اور اس کے آثار و نتائج، ہواؤں کے تغیرات اور آسمان و زمین کے درمیان ایک خاص نظام کے تحت رہنے والے بادلوں کی طرف اشارہ کر کے انسانوں سے کہا ہے کہ ان چیزوں میں غور کرو۔ اگر تم عقل سلیم سے کام لو گے تو ان میں کی ہر چیز تمہیں زبان حال سے صاف صاف بتائے گی کہ وہ جو کچھ ہے اور جس حال میں ہے، آپ سے آپ نہیں بنی ہے بلکہ کسی حکیم و خبیر اور کامل القدرت ہستی نے اسے ایسا بنا دیا ہے۔ پھر سورۂ انعام میں ارشاد ہے:

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ

فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ۔ (الانعام ۶: رکوع ۱۲)

ترجمہ: یقیناً اللہ تعالیٰ ہے دانے اور گٹھلی کا پھاڑنے والا، وہ زندہ کو مردہ سے نکالتا ہے اور مردہ کو زندہ سے نکالنے والا ہے، یہ سب کچھ کرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، پھر تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو۔

قرآن کہتا ہے کہ تم دیکھتے ہو کسی اناج کے ایک دانے یا کسی پھل کی گٹھلی کو زمین میں دفن کر دیا جاتا ہے، نہ اس دانے یا گٹھلی میں کوئی شعور واحساس ہے، نہ زمین میں اور نہ ان میں سے کسی میں ارادہ کی کوئی طاقت ہے، یہ سب چیزیں بالکل بے جان ہیں لیکن چند دنوں کے بعد کسی نظر نہ آنے والی طاقت کا مخفی ہاتھ زمین کے اندر ہی اندر اس دانے اور گٹھلی کو پھاڑتا ہے اور اس میں سے نہایت نرم و نازک ایک ریشہ نکلتا ہے۔ پھر وہ اپنے اوپر والی مٹی کی تہوں کو چیرتا ہوا اوپر نمودار ہو جاتا ہے، تو ذرا سوچو کہ مٹی میں دفن شدہ اس بے جان دانے یا گٹھلی کو کس نے پھاڑا؟ کس نے اس میں سے وہ جاندار اکھوا نکالا۔ پھر سُوت کے دھاگے جیسے نرم و نازک اس اکھوے نے کس کی طاقت سے زمین کو چیر ڈالا؟

کیا تمہاری عقل میں یہ آسکتا ہے کہ اس بے جان دانے یا گٹھلی نے یہ سارے کام خود کر لیے؟ یا بغیر کسی کرنے والے کے آپ سے آپ یہ سب کچھ ہو گیا۔ ہرگز نہیں! یہ سب ایک حکمت و قدرت والی ہستی نے کیا اور وہ ہستی خدا کی ہستی ہے۔ اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی۔

اور اس کی قدرت صرف بے جان دانے اور گٹھلی ہی کے ساتھ یہ عمل نہیں کرتی ہے بلکہ اور بھی کتنی بے جان چیزوں سے وہ جاندار چیزیں پیدا کرتا ہے اور اسی طرح کتنی ہی جاندار چیزوں سے بے جان چیزوں کو برآمد کرتا ہے۔ اور تم یہ سب دیکھتے ہو۔ مثلاً بے جان انڈوں سے جاندار بچوں کا نکلنا بھی دیکھتے ہو اور جانداروں میں بے جان مادوں کے برآمد ہونے کا بھی مشاہدہ کرتے ہو۔ خدا کی قدرت کی یہ کیسی کھلی کھلی نشانیاں تمہارے سامنے ہیں۔ پھر تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیوں اور کدھر بھٹک رہے ہو۔؟ اور سورۂ رعد میں ارشاد ہے:

وَفِی الْاَرْضِ قِطَعٌ مُّتَجٰوِرٰتٌ وَّجَنّٰتٌ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّزَرْعٌ وَّنَخِیْلٌ صِنْوَانٌ وَّغَیْرُ صِنْوَانٍ یُّسْقٰی بِمَآءٍ وَّاحِدٍ وَنُفَضِّلُ بَعْضَهَا عَلٰی بَعْضٍ فِی الْاُكُلِ اِنَّ فِیْ ذٰلِكَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ۔ (سورۂ رعد ۱۳: رکوع ۱)

ترجمہ: اور دیکھو زمین میں مختلف قطعے ہیں جو باہم ملے ہوئے اور پاس پاس ہیں اور انگوروں کے باغات ہیں اور غلے کے کھیت ہیں اور کھجور کے درخت ہیں، ان میں کچھ ایسے جو اس طرح جڑے نہیں ہوتے۔ ان سب چیزوں کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے اور پھر ان میں سے بعض کو بعض پر ہم مزہ میں فوقیت اور برتری دیتے ہیں۔ اس سب میں بڑی نشانیاں ہیں عقل سے کام لینے والوں کے لیے۔

قرآن کہتا ہے، زمین جس پر تم چلتے ہو اور جس سے تمہاری غذا پیدا ہوتی ہے، ذرا اس کی حالت پر تو غور کرو کہ اس کے باہم ملے ہوئے قطعوں میں بسا اوقات کیسا کیسا فرق ہوتا ہے۔ ایک زیادہ پیداوار والا ہے، دوسرا کم پیداوار والا۔ مثلاً ایک گیہوں کی کاشت کے لیے زیادہ مناسب ہے اور دوسرا مثلاً کپاس یا ایکھ کی کاشت کے لیے۔ پھر کسی ٹکڑے میں انگور کی بیلیں ہیں اور ان سے انگور اترتے ہیں اور اسی کے برابر والے دوسرے ٹکڑے میں مثلاً غلہ کا کھیت ہے جس میں سے غلہ پیدا ہوتا ہے اور ساتھ ہی کے تیسرے ٹکڑے میں کھجور کے درخت ہیں اور وہ بھی سب یکساں نہیں بلکہ مختلف طرح کے ہیں۔ الگ الگ اکہرے اکہرے بھی ہیں اور ایک ہی جڑ سے نکلے ہوئے کئی کئی جڑے ہوئے بھی ہیں۔ پھر حال یہ ہے کہ سب کو ایک ہی پانی ملتا ہے، ایک ہی ہوا لگتی ہے۔ ایک ہی سورج کی شعاعیں سب پر پڑتی ہیں۔ اس کے باوجود ان کی ظاہری شکل و صورت کے علاوہ ان کے ذائقوں میں بھی کتنا فرق ہے۔ کیا یہ فرق، چھوٹائی بڑائی اور یہ اونچ نیچ آپ سے آپ ہے، کسی ارادہ اور قدرت کے عمل کے بغیر یہ یوں ہی خود بخود ہو رہا ہے۔

ہرگز نہیں، قطعات زمین کے اس کیفیاتی فرق و اختلاف میں اور اس کی پیداوار کی اس رنگا رنگی میں عقل و بصیرت سے کام لینے والوں کے لیے کھلی نشانیاں موجود ہیں جن سے وہ اصل حقیقت کے بارے میں یقین حاصل کر سکتے ہیں اور جس کی حکمت و قدرت سے یہ سب کچھ ہو رہا ہے اس کو جان سکتے ہیں؟ اور سورۂ عبس میں ارشاد ہے:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسٰنُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّ عِنَبًا وَّ قَضْبًا ۝ وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ۝ وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّ فَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۝ (سورۂ عبس ۸۰:)

ترجمہ: انسان ذرا اپنی غذا پر نظر ڈالے اور اس میں غور کرے، ہم پہلے زمین پر پانی برساتے ہیں، پھر اس زمین کی سطح کو شق کرتے ہیں، پھر ہم اس میں غلہ، انگور، ترکاریاں، زیتون، کھجور کے درخت اور گنجان باغ اور میوے اور جانوروں کے لیے چارہ پیدا کرتے ہیں۔

پس ہماری پیدا کی ہوئی ان غذاؤں کو استعمال کرنے والے انسان کو چاہیے کہ وہ سوچے کہ یہ غلہ جس سے تیار کی ہوئی روٹی میں کھاتا ہوں اور یہ ترکاریاں اور یہ طرح طرح کے میوے اور یہ پھل اور ہمارے جانوروں کے کام آنے والے یہ چارے، یہ سب چیزیں کہاں سے آتی ہیں اور کون ان کو پیدا کرتا ہے جس پانی سے یہ سب چیزیں پیدا ہوتی ہیں وہ کون برساتا ہے۔ اور پھر کس کے حکم اور کس کی قدرت سے زمین کے اندر دبے ہوئے دانوں یا گٹھلیوں سے ان چیزوں کے پودے اگتے ہیں اور بالکل ابتداء میں زمین میں سے ان پودوں کے نکلنے کے لیے کون سطح زمین کو ان کے واسطے چیر دیتا ہے، تو انسان اگر حقیقت کا طالب بن کر اپنی غذا ہی پر غور کرے گا تو وہ حقیقت کو پالے گا اور غذا کے خالق، اور اس کی قدرت و حکمت کا اس کو علم حاصل ہو جائے گا۔

اور سورۂ نحل میں ارشاد ہے:

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ۔ (سورۃ النحل ۱۶: ۶۶)

ترجمہ: اور تمہارے لیے تمہارے مویشیوں میں بھی غور و عبرت کا سامان ہے، ہم تم کو ان کے پیٹ میں سے خون اور غلیظ فضلے کے درمیان سے پاک صاف دودھ پلاتے ہیں جو پینے والوں کے لیے بڑا خوشگوار ہوتا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ جن مویشیوں کا تم دودھ پیتے ہو ذرا ان ہی میں تم غور کرو، ان کے پیٹ میں خون کی نالیاں ہیں، غلیظ فضلہ کے رہنے کی جگہ اور اس کے راستے ہیں۔ اور کوئی لمحہ ایسا نہیں ہوتا کہ ان مویشیوں کے جسم میں سرخ ناپاک خون اور بدبودار غلیظ فضلہ کی کافی مقدار بھری نہ رہتی ہو۔ لیکن ان مویشیوں کے جسم کے جن حصوں میں خون اور غلاظت بھری ہرتی ہے اسی کے قریب سے لطیف اور صاف دودھ نکلتا ہے جس میں نہ خون کے رنگ کا کوئی شائبہ ہوتا ہے اور نہ غلیظ فضلہ کی بدبو کا کوئی اثر، وہ پینے والوں کے لیے یکساں خوشگوار، خوش ذائقہ اور نفیس

مشروب ہے۔ تم خود اس کو جانتے ہو۔ تو ذرا سوچو کہ یہ کس کی کاریگری ہے؟ کیا جس گائے یا بھینس میں سے یہ دودھ نکلتا ہے، یہ اس کا فعل ہے۔ کیا کسی انسانی عقل نے دودھ کی یہ عجیب وغریب زندہ مشین بنائی ہے نہیں ہرگز نہیں! یہ صرف اس حکیم وخبیر ہستی کی قدرت کا کرشمہ ہے جس نے اس ساری دنیا کو اور تم کو بھی پیدا کیا ہے۔

اور ایک موقع پر سوالیہ انداز میں خدا کی ہستی ہی کے متعلق نہایت مختصر لفظوں میں کتنی بلیغ اور کیسی تشفی بخش بات کہی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

اَفِی اللّٰہِ شَکٌّ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ۔ (سورۂ ابراھیم ۱۴: رکوع ۲)

ترجمہ: کیا تمہیں اس اللہ کی ہستی میں شک ہے جو تمام آسمان وزمین اور ان کے اندر کی ساری کائنات کا بنانے والا ہے۔

اس مختصر سے سوالیہ جملے کے ذریعے قرآن پاک نے انسانوں کے غور وفکر کے لیے ان کے سامنے زمین وآسمان کی ساری وسعتیں رکھ دی ہیں۔

آنکھوں والا انسان آسمان کو دیکھتا ہے۔ چاند، سورج، ستاروں کو دیکھتا ہے، ان کی روشنی اور ان کی گرمی یا خنکی کو دیکھتا ہے، زمین کو اپنے نیچے پاتا ہے، اس میں باغات دیکھتا ہے، کھیتیاں دیکھتا ہے، اس سے پیدا ہونے والا غلہ اور میوے پھل کھاتا ہے۔ اس کے خوش رنگ پھول دیکھتا ہے اور ان کی خوشبو سونگھتا ہے۔ اس سے پیدا ہونے والی بے شمار چیزوں کو استعمال کرتا ہے اور ان کے عجیب وغریب خواص اور منافع سے فائدہ اٹھاتا ہے۔

پھر جب تک کہ اس کی عقل بالکل مسخ نہ ہو جائے وہ یہ نہیں سوچ سکتا کہ یہ سب چیزیں خود اپنے ارادہ اور فیصلہ سے ایسی بن گئی ہیں۔ وہ یہ بھی نہیں سوچ سکتا کہ کسی فلسفی یا صناع انسان کی فلسفہ دانی یا کاریگری کے یہ سب کرشمے ہیں۔ اس کی سلیم عقل وبصیرت اس کے سوا کسی توجیہہ کو قبول ہی نہیں کر سکتی کہ یہ سب کسی حکیم وخبیر، ہستی کی قدرت اور صنعت کا کرشمہ ہے۔

اور سورۂ ذاریات میں ارشاد ہے:

وَفِی الْاَرْضِ اٰیٰتٌ لِّلْمُوْقِنِیْنَ ۝ وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ (ذاریٰت ۵۱: رکوع ۱۰)

ترجمہ: اور یقین لانے والوں کے لیے زمین میں بہت سے نشانیاں موجود ہیں اور خود

تمہارے اندر میں موجود ہیں، پھر کیا تم کو دکھلائی نہیں دیتا۔

یہاں انسانوں سے کہا گیا ہے کہ زمین و آسمان میں ہماری قدرت کی جو نشانیاں ہیں ان کے علاوہ خود تمہارے اندر ہماری نشانیاں موجود ہیں۔ تم اگر اپنی فطری بصیرت سے کام لو تو خود اپنے وجود اور اپنے نظام زندگی میں غور کر کے یقین حاصل کر سکتے ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ انسان اگر صرف اپنے وجود، اپنے اعضاء اور اپنے نظام زندگی ہی پر غور کرے تو فاطر ہستی کے بارے میں اسے ہرگز کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ وہ اپنی ابتداء کو سوچے، رحم مادر میں میری یہ صورت کس نے بنائی؟ میرے قالب میں یہ روح کہاں سے آئی؟ میری زندگی کے یہ سامان کس نے پیدا کئے۔ میری آنکھ میں روشنی کس نے ڈالی؟ میرے کان کے پردوں میں آوازیں سننے کی قابلیت کس نے رکھ دی؟ میری ناک کے غدودوں کو خوشبو اور بدبو کا یہ احساس کس نے دیا؟ میری زبان اور میرے تالو میں یہ چٹخارہ اور ذائقہ کس نے رکھ دیا؟ جس سے کھانے پینے کے سارے لطف ہیں؟ اور مجھے یہ گویائی کی قوت کس نے دی؟

کیا میرے ساتھ یہ مہربانیاں میری ماں نے کیں؟ میرے باپ نے کیں؟ کیا میرے ان کاموں کے لیے کسی ڈاکٹر کی خدمات حاصل کی گئیں؟ کیا میں نے خود اپنے آپ کو ایسا بنا لیا؟

ظاہر ہے کہ ان میں سے کوئی بات بھی نہیں ہے، اور یہ سوچنا تو اور بھی زیادہ غلط ہو گا کہ میں اپنے یا کسی اور کے ارادے کے بغیر ہی آپ سے آپ ایسا بن گیا۔

پس حقیقت اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ ایک بڑی حکیم و خبیر اور کامل القدرت ہستی نے مجھے پیدا کیا ہے اور یہ سب مہربانیاں میرے ساتھ اسی نے اور صرف اسی نے کی ہیں۔

فَتَبَارَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخَالِقِيْنَ ط

خدا کی صفات

جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا اللہ تعالیٰ کی ہستی، کا علم تو انسانوں کے لیے ایک وجدانی، فطری اور بدیہی علم ہے۔ یعنی صرف اتنی سادی سی حقیقت کہ ہمارا اور اس کائنات کا کوئی پیدا کرنے والا اور چلانے والا ہے۔ ہر آدمی کے لیے یہ اتنی ہی روشن اور اتنی ہی یقینی ہے جتنی کہ اس کی نظر میں خود اپنی ہستی اور اپنا وجود لیکن آگے یہ بات کہ وہ ہستی کیسی ہے؟ اور اس کی صفات کیا ہیں؟ اگرچہ اس کا جاننا ہمارے لیے ضروری ہے (کیونکہ اس کے بغیر نہ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو سکتی ہے اور نہ ہم اس کے ساتھ اپنے تعلق کی نوعیت کو جان سکتے ہیں) لیکن انسان بطور خود اس کی دریافت سے عاجز ہے۔ الغرض انسان کے لیے جن چیزوں کا جاننا ضروری ہے اور جن کا صحیح علم حاصل کرنے میں وہ اللہ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں کی رہنمائی کا محتاج ہے، ان میں سے ایک صفات الٰہی کا مسئلہ بھی ہے۔

نزول قرآن کے وقت اللہ کی ہستی کا عقیدہ تو قریب قریب سب قوموں میں اور سب مذاہب میں موجود تھا لیکن اس کی صفات کا صحیح تصور کہیں بھی نہیں تھا اور اس بارے میں دنیا بڑی سخت غلطیوں اور گمراہیوں میں مبتلا تھی۔ اس وقت کے بڑے بڑے مذاہب اور ان کی ماننے والی قومیں اور ان کی بنیادی کتابیں بھی موجود ہیں یا کم سے کم ان کے بارے میں گواہی دینے والی تاریخ موجود ہے۔ تھوڑا سا وقت اور تھوڑی سی محنت صرف کر کے دیکھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ان کے تصورات کتنے غلط اور کتنے پست تھے اور ان مذہبوں یا فلسفوں کے ماننے والے جو اَب تک دنیا میں موجود ہیں وہ صفات الٰہی کے بارے میں کیسی کیسی گمراہیوں میں آج تک بھی مبتلا ہیں۔ بہر حال قرآن مجید نے اپنی دعوت و تعلیم کے ذریعے اقوام و مذاہب کی جن سنگین غلطیوں کی اصلاح اور تصحیح کی ہے ان میں سے ایک صفاتِ الٰہی کا مسئلہ بھی ہے۔

قرآن مجید نے اس بارے میں جو کچھ دنیا کو بتایا ہے، اس کی صحیح قدر و قیمت جاننے کے لیے بلکہ اس کو سمجھنے کے لیے بھی کم از کم اجمالاً ہی یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ دنیا کی اقوام و مذاہب نزولِ قرآن کے وقت خدا کی صفات کے بارے میں کیسی غلط فہمیوں اور گمراہیوں میں مبتلا

تھے، اور خدا کو کیسا سمجھتے تھے؟ تفصیل تو ان مذاہب کی تاریخ سے متعلق کتابوں ہی میں دیکھی جا سکتی ہے، یہاں تو ہم بس ان چند اصولی گمراہیوں کا ذکر کرتے ہیں جن میں نزول قرآن کے وقت خدا کی ماننے والی دنیا عام طور پر مبتلا تھی۔

بہت سی قومیں اس دنیا کو ایک خدا کی پیدا کی ہوئی دنیا ماننے کے باوجود اس وہم میں مبتلا تھیں کہ جس طرح دنیا میں ایک بادشاہ یا راجہ ہوتا لیکن ملک اور حکومت کے کام زیادہ تر وہ خود نہیں کرتا بلکہ اس کے وزراء اور دیگر ماتحت لوگ کرتے ہیں اور جس طرح چاہتے ہیں کرتے ہیں، اسی طرح خدا کا بھی معاملہ ہے کہ اس دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ سب براہ راست خدا خود نہیں کرتا بلکہ اس کی مقرب کچھ اور روحانی ہستیاں (دیوی دیوتا) ہیں جن کو اس نے بہت سے کام اور بہت سے اختیارات سپرد کر رکھے ہیں اور ان کاموں کو وہی انجام دیتے ہیں۔ وہ جس سے راضی ہوں اس کو نہال اور خوشحال کر دیتے ہیں اور جس سے ناراض ہوں اسے تباہ و برباد کر دیتے ہیں اور اس لیے لوگوں کی بھلائی یا برائی کا تعلق عملی طور پر ان ہی دیویوں اور دیوتاؤں کی خوشی یا ناخوشی سے ہے۔

نیز اسی قسم کی گمراہیوں میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جس طرح دنیا کے بادشاہوں، راجوں اور مہاراجوں کا یہ حال ہوتا ہے کہ بعض لوگوں سے رشتہ قرابت کا یا پیار و محبت کا ایسا تعلق ہوتا ہے کہ وہ ان کی کسی خواہش اور کس سفارش اور کسی بات کو رد نہیں کر سکتے بلکہ جو وہ چاہیں وہی کرنا پڑتا ہے۔ اسی طرح معاذ اللہ خدا کا بھی بعض خاص ہستیوں، سے ایسا تعلق ہے کہ جو وہ خدا سے کرانا چاہیں وہ خدا کو چار و ناچار کرنا ہی پڑتا ہے۔

بعض قوموں کی گمراہی یہ تھی کہ وہ خدا کا تصور مادی شکل و صورت اور مادی صفات کے ساتھ کرتی تھیں اور سمجھتی تھیں کہ مثلاً غم و مسرت اور رنج و راحت جیسے طبعی حالات کے جو انسانوں پر آتے ہیں یہ سب خدا پر بھی آتے ہیں اور انسانوں پر ان حالات کے جو اثرات پڑتے ہیں وہی خدا پر بھی پڑتے ہیں اور انسان ان حالات سے متاثر ہو کر جیسے کام کرتا ہے ویسے ہی افعال اللہ تعالیٰ سے بھی سرزد ہوتے ہیں۔

عام مشرک اور بت پرست قوموں کے خیالات اللہ کے بارے میں کچھ ایسے ہی تھے اور ان کے شرک کی بنیاد ان ہی غلط اور گمراہانہ خیالات پر تھی۔

ان کے علاوہ بعض قومیں خدا کو قہر و غضب اور جلال و جبروت سے بھرپور ایک ایسے مطلق العنان بادشاہ کی طرح سمجھتی تھیں جس کا کوئی اصول اور آئین نہ ہو اور جو غصے اور ناراضی کے وقت اپنے غیظ و غضب کی تسکین کے لیے لوگوں پر بے حساب تباہیاں اور بربادیاں نازل کرتا ہو اور رحم اور درگزر سے اس کی فطرت خالی ہو۔

اگر غور سے دیکھا جائے تو ان سب گمراہیوں کی بلکہ ان کے علاوہ اور بھی جو گمراہیاں اللہ کی صفات کے بارے میں اقوام و مذاہب میں تھیں اور اسی طرح جو آج بھی ہیں ان سب کی یا کم از کم ان میں سے اکثر کی اساس و بنیاد صرف یہ ہے کہ دنیا کی نظر میں سب سے بڑی چیز بادشاہی تھی اور سب سے بڑی ہستیاں بادشاہوں کی تھیں، اس لیے جو باتیں اور صفتیں بادشاہوں میں ہوتی تھیں ان ہی کو زیادہ بڑے اور اونچے پیمانے پر خدا میں مان لیا گیا تھا اور الوہیت کو شاہیت سمجھنے کے اس مغالطے کا ہی نتیجہ تھا کہ خدا کا تصور عام طور سے بس قہر اور غضب اور جلال و جبروت ہی کے ساتھ کیا جاتا تھا اور اس کو دہشت اور خوف ہی کی چیز سمجھا جاتا تھا اور اس سے بس ڈرا ہی جاتا تھا۔

حضرت مسیح علیہ السلام نے نزول قرآن سے کئی صدی پہلے اسی غلطی کی اصلاح کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت پر بہت زیادہ زور دیا اور اس کو سمجھانے کے لیے جیسا کہ انجیل سے معلوم ہوتا ہے باپ کی محبت و شفقت کی تمثیل و تعبیر سے کام لیا۔ لیکن کچھ مدت کے بعد ان کی ماننے والی امت کی کجروی نے اسی سے ابنیت اور کفارہ کے عقیدے پیدا کر لیے۔ بہر حال مسیحی امت میں ابنیت اور کفارہ کے عقیدے صفات الٰہی کے غلط تصور ہی سے پیدا ہوئے۔

الغرض خدا کی صفات کے بارے میں اس قسم کی غلطیوں اور گمراہیوں میں نزول قرآن کے وقت دنیا کی عام قومیں اور امتیں مبتلا تھیں۔ اب ذرا دیکھیے کہ قرآن نے آکر اس بارے میں دنیا کو کیا بتلایا؟ سورۂ فاتحہ جس سے قرآن مجید شروع ہوتا ہے اس میں سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کی صفات کی رونمائی اس طرح کرائی گئی ہے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ (ساری حمد و ستائش اس اللہ ہی کے لیے ہے جو سب کائنات کا پروردگار ہے)۔ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ (بیحد رحمت کرنے والا اور نہایت مہربان ہے)۔ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ (جزا اور انصاف کے دن کا مالک ہے)۔

پہلی صفت (رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ) نے یہ بتلایا کہ کائنات کے ساتھ اللہ کا تعلق صرف یہی نہیں ہے کہ وہ اس کا خلاق اور پیدا کرنے والا ہے بلکہ پیدائش کے بعد جس کو جو کچھ بھی مل رہا ہے اور

جس طرح بھی اس کی پرورش ہو رہی ہے، وہ سب براہ راست اسی کی طرف سے ہے، وہی سب کی تربیت اور پرورش کر رہا ہے حتی کہ درختوں کو بظاہر ہوا، پانی اور زمین سے جو غذا ملتی ہے جس سے ان کی حیات اور ان کی نشوونما وابستہ ہے اور بچہ کو ماں کے پستانوں سے جو دودھ ملتا ہے تو یہ سب بھی در حقیقت اللہ تعالیٰ کی ہی ربوبیت ہے، اور اصل دینے والا وہی ہے۔ مطلب یہ کہ اس نے ایسا نہیں کیا ہے کہ خود پیدا کر کے اور وجود دے کر پرورش یعنی ضروریات مہیا کرنے کا کام کسی اور کے سپرد کر دیا ہو، بلکہ جس طرح پیدائش اسی کے پیدا کرنے سے ہے، اسی طرح سب کی پرورش بھی اسی کی طرف سے ہو رہی ہے اور اس کی ربوبیت اور پروردگاری کا کائنات کے ہر ذرہ سے براہ راست تعلق ہے۔

دوسری اور تیسری صفت (اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ) نے بتلایا کہ جس خدا کو لوگوں نے صرف قہار اور جبار سمجھ رکھا ہے، وہ تو بے حد رحمت والا اور نہایت ہی مہربان ہے اور مخلوق کو وجود بخشا اور پھر اس کی پرورش کرنا اور اس کی ضروریات مہیا کرتے رہنا اس کی رحمت ہی کا کرشمہ ہے اور رحمت کی صفت اس میں اتنی ہے کہ اس کے بیان کرنے کے لیے الرحمٰن کہنے کے بعد الرّحیم کہنے کی بھی ضرورت ہے۔

چوتھی صفت (مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ) نے بتلایا کہ سب کا پرورگار اور رحمان و رحیم ہونے کے ساتھ وہ عادل اور انصاف کرنے والا بھی ہے۔ اور اس کی صفت کا پورا پورا ظہور اس دن ہو گا جو خالص انصاف اور جزاو سزا ہی کا دن ہو گا۔ گویا اس تیسری صفت کو بیان کر کے سب کو خبر دار کر دیا گیا کہ اس کی پروردگاری اور انتہائی رحمت اور مہربانی کا کوئی یہ مطلب نہ سمجھے کہ وہ مجرموں کو بھی سزا نہ دے گا اور اس ماں کی طرح جو نالائق بیٹے پر بھی پیار کرنے پر اپنی مامتا سے مجبور ہوتی ہے، مجرموں اور نافرمانوں پر بھی وہ رحمت ہی کرے گا۔ ایسا نہیں ہے بلکہ رب اور الرحمن اور الرحیم ہونے کے ساتھ وہ جزا سزا دینے والا بھی ہے اور ایک آنے والے دور میں اس کی اس صفت کا ایسا ظہور ہونے والا ہے کہ وہ پورا دور ہی صرف جزاو سزا کا دور ہو گا۔ یعنی وہ دنیا نہ کھانے کمانے کی دنیا ہو گی نہ عبادت کرنے کی دنیا ہو گی بلکہ صرف جزاو سزا اور انصاف و عدالت کی دنیا ہو گی۔ اسی لیے اسے يَوْمِ الدِّيْنِ کہا گیا ہے۔

قرآن مجید نے اپنے بالکل ابتدائی ان چھوٹے تین بولوں میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے

متعلق جو کچھ بیان کر دیا ہے، اگر غور کیا جائے اور اس کی گہرائیوں میں اترا جائے تو صرف اتنا بھی ناکافی نہیں ہے لیکن قرآن پاک چونکہ اللہ تعالیٰ کی آخرت کتاب ہدایت ہے اور اس کے بعد کوئی آسمانی ہدایت نامہ آنے والا نہیں ہے، اس لیے اس قسم کے کسی بھی اہم مسئلہ میں اس نے اختصار اور کفایت سے کام نہیں لیا ہے اور بلا مبالغہ ہزاروں جگہ (واقعتاً ہزاروں جگہ) اس میں خدا کی صفات پر روشنی ڈالی گئی ہے، چند آیتیں ہم یہاں بھی درج کرتے ہیں۔ ناظرین کی سہولت کے لیے ہم صفات کے عنوانات قائم کر کے ان کے متعلق آیات درج کریں گے۔

اللہ تعالیٰ علیم کل ہے، کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں

قرآن کریم بتلاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر چھوٹی بڑی اور کھلی چھپی چیز کا علم ہے، وہ سب دیکھتا اور سنتا ہے۔ وہ ہر ایک کے قریب اور ہر ایک کے ساتھ ہے۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَخْفٰی عَلَیْہِ شَیْءٌ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَآءِ۔ (ال عمران ۳: رکوع ۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ (علیم کل ہے) زمین اور آسمان کی کوئی چیز اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

یہ بات کچھ اور اضافہ کے ساتھ سورۂ انعام میں یوں بیان فرمائی گئی ہے:

وَھُوَ اللّٰہُ فِی السَّمٰوٰتِ وَفِی الْاَرْضِ یَعْلَمُ سِرَّکُمْ وَجَھْرَکُمْ وَیَعْلَمُ مَاتَکْسِبُوْنَ۔ (الانعام ۶: رکوع ۱)

ترجمہ: اور وہی ہے اللہ آسمانوں میں اور زمین میں (یعنی زمین و آسمان کی ساری کائنات کا وہی خدا ہے، وہی مالک اور رب ہے) وہ تمہاری چھپی اور کھلی سب باتوں کو جانتا ہے اور جو کچھ تم کرتے ہو اس کو اس کا بھی پورا علم ہے۔

نیز اسی سورۂ انعام میں اللہ تعالیٰ کی اسی صفت کو ایک آیت میں اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّھَادَۃِ وَھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ۔ (الانعام ۶: رکوع ۹)

ترجمہ: وہ غیب اور شہادت سب کا جاننے والا ہے اور (اس علم کل کے ساتھ)

حکمت بھی رکھتا ہے اور ہر چیز اور ہر بات سے ہر وقت باخبر رہنے والا ہے۔

اور سورۂ قصص میں یہ مضمون اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

وَ اِنَّ رَبَّكَ لَيَعْلَمُ مَا تُكِنُّ صُدُوْرُهُمْ وَ مَا يُعْلِنُوْنَ ۝ وَ هُوَ اللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَهُ الْحَمْدُ فِی الْاُوْلٰى وَ الْاٰخِرَةِ وَ لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۔ (القصص ۲۸: رکوع ۷)

ترجمہ: اور تمہارا رب جانتا ہے ان رازوں کو بھی جو وہ اپنے سینوں میں چھپائے ہوئے ہیں اور ان باتوں اور ان کاموں کو بھی جو وہ علانیہ کرتے ہیں اور وہی اللہ ہے اس کے سواء کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، اسی کے لیے ساری حمد اور ستائش ہے، دنیا اور آخرت میں اور اسی کے ہاتھ میں حکم ہے، اور تم سب کو اسی کے پاس لوٹ کے جانا ہے۔

اور سورۂ یونس میں ارشاد فرمایا:

وَّ لَا تَعْمَلُوْنَ مِنْ عَمَلٍ اِلَّا كُنَّا عَلَيْكُمْ شُهُوْدًا اِذْ تُفِيْضُوْنَ فِيْهِ ؕ وَ مَا يَعْزُبُ عَنْ رَّبِّكَ مِنْ مِّثْقَالِ ذَرَّةٍ فِی الْاَرْضِ وَ لَا فِی السَّمَآءِ۔ (یونس ۱۰: رکوع ۷)

ترجمہ: اور تم کوئی کام نہیں کرتے ہو مگر یہ کہ ہم تمہارے پاس اس وقت موجود ہوتے ہیں جب تم اس میں لگے ہوتے ہو۔ یعنی تم جو کچھ بھی کرتے ہو ہماری آنکھوں کے سامنے کرتے ہو اور (تم اگرچہ ہمیں نہیں دیکھتے مگر ہم وہیں موجود ہوتے ہیں اور سب کچھ دیکھتے ہیں اور زمین و آسمان میں جو کوئی ذرہ برابر چیز بھی تمہارے رب سے چھپی ہوئی نہیں ہے۔

اور بندوں سے اپنا قرب بیان فرمانے کے لیے سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا:

وَ اِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ۔ (البقرۃ ۲: رکوع ۲۲)

ترجمہ: اور پیغمبر ﷺ جب میرے بندے تم سے میری بابت دریافت کریں تو (انہیں بتاؤ کہ) میں ان سے قریب ہی ہوں۔

اور سورۂ قٓ میں فرمایا گیا:

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَ نَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖۚ وَ نَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ۔ (قٓ ۵۰: رکوع ۲)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو پیدا کیا ہے اور کے جی میں جو وساوس اور خیالات آتے ہیں ہم ان کو بھی جانتے ہیں اور ہم اس کی شہ رگ سے زیادہ اس سے قریب ہیں۔

اور سورہ مجادلہ میں بندوں کے ساتھ اپنے اسی قرب و معیت کا بیان اس طرح فرمایا:

مَا يَكُونُ مِن نَّجْوَىٰ ثَلَاثَةٍ إِلَّا هُوَ رَابِعُهُمْ وَلَا خَمْسَةٍ إِلَّا هُوَ سَادِسُهُمْ وَلَا أَدْنَىٰ مِن ذَٰلِكَ وَلَا أَكْثَرَ إِلَّا هُوَ مَعَهُمْ أَيْنَ مَا كَانُوا۔ (سورۂ مجادلہ ۵۸: رکوع ۲)

ترجمہ: کہیں نہیں ہوتا تین کا خفیہ مشورہ مگر اللہ ان کا چوتھا وہاں ہوتا ہے اور نہ پانچ کا، مگر اللہ ان کا چھٹا ہوتا ہے اور نہ اس سے کم کا نہ زیادہ کا مگر وہ ان کے ساتھ ہوتا ہے جہاں بھی وہ ہوں۔"

اور سورۂ نساء میں ایسے لوگوں کا ذکر کرتے ہوئے جو آدمیوں سے شرم کرتے ہیں لیکن اللہ سے شرم نہیں کرتے فرمایا گیا:

يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ۔ (النساء ۴: رکوع ۱۶)

ترجمہ: وہ شرماتے ہیں لوگوں سے اور نہیں شرماتے ہیں اللہ سے، حالانکہ وہ ہر حال میں اور ہر وقت ان کے ساتھ ہے۔

ان آیات کے علاوہ قرآن پاک نے اتنے مقامات پر کہ ان کا شمار کرنا بھی آسان نہیں، اللہ تعالیٰ کی اسی علم کلی کی صفت کو علیم، خبیر، سمیع، بصیر، شہید، مُحیط کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔ ان تمام آیات کا خلاصہ بھی یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ جانتا ہے، ذرہ ذرہ کو اس کا علم محیط ہے۔ کوئی چیز اور کسی کا کوئی عمل اور کوئی حال اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، کوئی چیز اس کی قدرت سے باہر نہیں

اللہ تعالیٰ کے علم مُحیط اور علم کلی کی طرح اس کے کمال قدرت کو بھی قرآن پاک نے طرح طرح سے اور اتنے مقامات پر بیان کیا ہے کہ اس سلسلہ کی آیات کا بھی شمار کرنا ہر ایک کے بس کی بات نہیں۔

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ اور وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ قرآن مجید کی وہ آیتیں ہیں جن کو موقع بہ موقع پچاسوں جگہ دہرایا گیا ہے اور بہت سے مقامات پر اس کی قدرت کے کمال کو دوسرے عنوانات سے بیان فرمایا گیا ہے، ذرا ذیل کی آیات پڑھئے:

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْکُمْ وَ یَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِیْدٍ ۝ وَّمَا ذٰلِکَ عَلَی اللّٰہِ بِعَزِیْزٍ۔ (ابراہیم ۱۴: رکوع ۳)

ترجمہ: کیا تم نہیں دیکھتے نہیں جانتے کہ اللہ نے بنائے آسمان و زمین ٹھیک ٹھیک جیسا کہ بننے چاہئیں تھے (اور اس میں یہ قدرت ہے کہ) اگر چاہے تو فنا کردے تم کو اور لے آئے (تمہاری جگہ) نئی مخلوق اور اللہ کے لیے یہ ذرا بھی مشکل نہیں۔

اسی کو سورۂ نساء میں یوں فرمایا گیا:

وَلِلّٰہِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَ کَفٰی بِاللّٰہِ وَکِیْلًا ۝ اِنْ یَّشَاْ یُذْهِبْکُمْ اَیُّهَا النَّاسُ وَیَاْتِ بِاٰخَرِیْنَ وَ کَانَ اللّٰہُ عَلٰی ذٰلِکَ قَدِیْرًا۔ (النساء ۴: رکوع ۱۹)

ترجمہ: اور آسمان و زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ کا ہے اور اللہ کافی ہے کارساز، اے لوگو اگر وہ چاہے تو تم کو فنا کردے، اور تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئے اور اللہ تعالیٰ کو اس پر پوری قدرت ہے۔

اور سورۂ انعام میں یوں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰہُ سَمْعَکُمْ وَ اَبْصَارَکُمْ وَ خَتَمَ عَلٰی قُلُوْبِکُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِهٖ۔ (انعام ۶: رکوع ۵)

ترجمہ: اے پیغمبرؐ! ان سے یہ کہہ دو کہ بتاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر کردے تو کون خدا ہے؟ اس کے سوا جو تمہیں یہ چیزیں لادے۔

اور سورۂ یٰسین میں اس کی قدرت کی کچھ نشانیاں ذکر کرنے کے بعد فرمایا:

اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَیْـًٔا اَنْ یَّقُوْلَ لَهٗ کُنْ فَیَکُوْنُ ۝ فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِهٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (یٰسین ۳۶: رکوع ۵)

ترجمہ: اس کا معاملہ یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو کرنا چاہتا ہے تو اس کو بس کہتا ہے کہ

"ہو جا" تو وہ ہو جاتی ہے۔ پس پاک ہے وہ ذات جس کے قبضے میں تمام چیزوں کا اختیار ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔

اور سورۂ فاطر میں فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُعْجِزَهٗ مِنْ شَيْءٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ اِنَّهٗ كَانَ عَلِيْمًا قَدِيْرًا۔
(فاطر ۳۵: رکوع ۵)

ترجمہ: اور اللہ نہیں ہے ایسا کہ زمین و آسمان میں کوئی چیز اس کے بس سے باہر جا سکے، وہ سب کچھ جاننے والا اور ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والا ہے۔

بہر حال قرآن مجید خالق ہستی کے متعلق جو کچھ لوگوں کو بتانا چاہتا ہے اور اس کی جن صفات سے انسانوں کو خاص طور سے روشناس کرانا چاہتا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کی قدرت وسیع اور بے انتہا ہے اور وہ جو چاہے کر سکتا ہے۔ اور اپنے کسی ارادہ کو پورا کرنے میں وہ نہ کسی کی مدد کا محتاج ہے اور نہ اسے آلات و اسباب کی ضرورت ہے۔ وہ صرف اپنی مشیّت کے اشاروں سے اور صرف اپنے ارادہ اور فیصلہ سے سب کچھ کر سکتا ہے۔

وہی سب کا خالق و رازق اور پروردگار و کارساز ہے اور وہی اپنے حکم سے اس کارخانۂ ہستی کو چلا رہا ہے

قرآن مجید بڑے زور کے ساتھ اور بڑی تفصیل سے یہ بھی بتلاتا ہے اور دلوں میں اس کا یقین پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ساری کائنات کو پیدا اور نیست سے ہست بھی خدا نے کیا ہے اور وہی اس کارخانۂ عالم کے سارے نظام کو بلا شرکت غیرے چلا رہا ہے۔ زندگی اور رزق وغیرہ زندگی کے جو سامان جس کو مل رہے ہیں وہ اللہ تعالیٰ ہی دے رہا ہے اور اس کے علاوہ کسی کے ہاتھ میں نہ زندگی ہے نہ زندگی کی ضروریات اور اس کے سامان ہیں۔ بلکہ وہ جس کو جب تک اور جتنا دینا چاہتا ہے دیتا ہے، اور جس کو دینا نہیں چاہتا نہیں دیتا۔ قرآن مجید کا کافی حصہ اسی مضمون سے متعلق ہے۔ چند آیتیں اس سلسلے کی بھی یہاں پڑھ لیجئے۔ سورۂ اعراف میں فرمایا:

اَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْاَمْرُ تَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ۔ (اعراف ۷: رکوع ۷)

ترجمہ: سن لو! اسی کا کام ہے پیدا کرنا اور حکم چلانا، بابرکت ہے اللہ جو پروردگار ہے

ساری کائنات کا۔

اور سورۂ زمر میں فرمایا:

اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَّهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ ﴿۶۲﴾ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ۔
(زمر ۳۹: رکوع ۷)

ترجمہ: اللہ ہی ہر چیز کا پیدا کرنے والا ہے اور وہی ہر چیز کا ذمہ دار ہے۔ زمین و آسمان (کے خزانے اور ان) کی کنجیاں اسی کے قبضے اور تصرف میں ہیں۔

اور سورۂ روم میں مشرکین سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا یُشْرِكُوْنَ ﴿۴۰﴾۔ (الروم ۳۰: رکوع ۴)

ترجمہ: اللہ ہی وہ ہے جس نے تم کو پیدا کیا ہے اور وہی تمہارا رازق ہے، پھر (وقت آنے پر) وہی تم کو موت دے گا اور پھر تم کو وہی دوبارہ زندہ کرے گا۔ کیا تمہارے ان شریکوں میں (جن کو تم عبادت اور دعا میں خدا کے ساتھ شریک کرتے ہو) کوئی ہے جو ان کاموں میں سے کچھ بھی کر سکے۔ پاک ہے وہ اللہ اور برتر ہے ان کے شرک سے اور ان کے شریکوں سے۔

اور سورۂ شوریٰ میں فرمایا:

فَاطِرُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ جَعَلَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا وَّ مِنَ الْاَنْعَامِ اَزْوَاجًا یَذْرَؤُكُمْ فِیْهِ لَیْسَ كَمِثْلِهٖ شَیْءٌ وَهُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ﴿۱۱﴾ لَهٗ مَقَالِیْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ یَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ یَّشَآءُ وَیَقْدِرُ اِنَّهٗ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۱۲﴾

(الشوریٰ ۴۲: رکوع ۲)

ترجمہ: وہ اللہ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا ہے، اسی نے تم میں سے تمہارے واسطے جوڑے بنائے اور چوپایوں میں سے جوڑے بنائے، وہی تمہیں زمین میں پھیلا اور بڑھا رہا ہے۔ نہیں ہے اس کی مثال کوئی، وہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے (سب کی سنتا اور سب کو دیکھتا ہے) زمین و آسمان کے خزانے اور ان کی کنجیاں اس کے پاس ہیں، جسے چاہتا ہے روزی میں وسعت دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی کرتا ہے۔ وہ سب کچھ

خوب جانتا ہے۔

اور سورۂ ابراہیم میں فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْفُلْكَ لِتَجْرِیَ فِی الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الْاَنْهٰرَ ۝ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ دَآىِٕبَیْنِ وَ سَخَّرَ لَكُمُ الَّیْلَ وَ النَّهَارَ ۝ وَ اٰتٰىكُمْ مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَ اِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ ۝ (ابراھیم ۱۴: رکوع ۵)

ترجمہ: اللہ ہی وہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو اور اتارا آسمان سے پانی، پھر پیدا کئے اس کے ذریعے غلے اور میوے تمہاری روزی کے لیے اور تمہارے قابو میں کیا کشتیوں کو کہ اس کے حکم سے (تمہارے کاموں میں) سمندر میں رواں دواں رہتی ہیں اور اس نے تمہارے کام کا بنایا نہروں ندیوں کو (جن میں تم اپنی کشتیاں دوڑاتے ہو اور ان کے پانی سے اپنے بہت سے کام کرتے ہو) اور اس نے تمہارے کام میں لگایا ہے سورج اور چاند کو جو برابر ایک نظام کے مطابق چلتے رہتے ہیں (اور جن سے تمہارے بہت سے منافع وابستہ ہیں) اور اسی نے تمہارے کام کا بنایا ہے دن اور رات کو (یعنی اس نے دن اور رات کا نظام ایسا قائم کیا جیسا کہ تمہاری ضروریات اور مصالح کا تقاضا تھا، اور صرف یہی چیزیں تمہاری ضروریات کی اس نے نہیں بنائی ہیں بلکہ ان کے علاوہ بھی جو تمہاری زندگی کی ضروریات تھیں) اور زبان حال یا زبان قال سے جو کچھ تم نے اس سے مانگا اس میں سے تم کو اس نے دیا۔ اور (اس کے اسی فضل و کرم سے تمہاری زندگی کا نظام چل رہا ہے اور تم پر اس کے اتنے احسانات ہیں کہ) اگر تم شمار کرو تو نہ کر سکو گے، واقعہ یہ ہے کہ انسان بڑا بے انصاف اور ناشکرا ہے۔

اور سورۂ مومنون میں فرمایا:

وَ هُوَ الَّذِیْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ قَلِیْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ وَ هُوَ الَّذِیْ ذَرَاَكُمْ فِی الْاَرْضِ وَ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝ وَ هُوَ الَّذِیْ یُحْیٖ وَ یُمِیْتُ وَ لَهُ اخْتِلَافُ الَّیْلِ وَ النَّهَارِ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ (المومنون ۲۳: رکوع ۵)

ترجمہ: وہی اللہ ہے جس نے تمہارے (سننے کے لیے) کان (دیکھنے کے لیے) آنکھیں اور (سوچنے سمجھنے کے لیے) دل پیدا کئے (مگر) تم بہت ہی کم شکر کرتے ہو، اور وہی ہے جس نے تم کو (اس زندگی میں) زمین میں پھیلایا اور بڑھایا ہے، اور (یہاں سے جانے کے بعد) تم سب اسی کی طرف لے جائے جاؤ گے اور وہی ہے جو جِلاتا اور مارتا ہے (یعنی اسی کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا نظام ہے) اور اسی کا کام ہے رات دن کا الٹ پھیر اور یکے بعد دیگرے ان کی آمد و رفت، تو کیا تم عقل و خرد سے بالکل کام نہیں لیتے (اور نہیں سوچتے کہ تمہارا رویہ اس خالق مالک اور محسن کے ساتھ کیا ہونا چاہیے)۔

اور سورہ مومن میں ایک جگہ ارشاد فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّ السَّمَآءَ بِنَآءً وَّ صَوَّرَكُمْ فَاَحْسَنَ صُوَرَكُمْ وَ رَزَقَكُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ۔

(مومن ۴۰: رکوع ۷)

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تمہارے واسطے زمین کو مستقر بنایا اور آسمان کو چھت کی طرح بلند کیا اور اس نے تمہاری صورت گری کی، ایسی اچھی صورتیں بنائیں اور نفیس نفیس غذاؤں سے تمہیں رزق دیا۔ وہی اللہ تمہارا رب ہے، بڑی برکت والا ہے، جو ساری کائنات کا پروردگار ہے۔

قُلْ اَغَیْرَ اللّٰهِ اَبْغِیْ رَبًّا وَّ هُوَ رَبُّ كُلِّ شَیْءٍ۔ (انعام ۶: رکوع ۲۰)

ترجمہ: کہو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو میں اپنا رب بناؤں، حالانکہ وہی ہر چیز کا رب ہے اور اسی کی طرف سے سب کی پروردگاری ہو رہی ہے۔

اور سورۂ جاثیہ میں ارشاد فرمایا:

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ وَ لَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ۔ (جاثیہ ۴۵: رکوع ۴)

ترجمہ: پس ساری حمد و ستائش صرف اللہ ہی کے لیے ہے (اور اس کے سواء کسی کے لیے حمد سزاوار نہیں، کیونکہ تنہا وہی ہے) جو زمین و آسمان اور ساری کائنات کا

رب ہے اور سب اسی کی پرورش سے فیض یاب ہیں۔ آسمان و زمین میں عظمت و کبریائی بھی صرف اسی کے لیے ہے اور وہ زبردست اور ہر کام اور فیصلہ حکمت سے کرنے والا ہے۔

وہی ساری کائنات کا بادشاہ اور فرماں روا ہے، سب کچھ صرف اسی کے اختیار میں ہے

یہ بھی قرآن مجید کے ان مضامین میں سے ہے جن کو کثرت سے بیان کیا گیا ہے کہ بھی نہیں کیا جاسکتا ہے۔ صرف نمونہ کے طور پر ذیل کی چند آیتیں پڑھ لیجئے۔ ارشاد ہے:

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ ۞ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞۔ (آل عمران ۳: رکوع ۳)

ترجمہ: کہو اے اللہ! سارے ملک اور ساری کائنات کے مالک، تو ہی ہے جس کو چاہے حکومت و بادشاہت دے اور جس سے چاہے چھین لے، جسے تو چاہے عزت دے اور جسے چاہے رسوائی اور ذلت دے، ہر خیر اور ہر قسم کی بھلائی تیرے ہی قبضہ اور اختیار میں ہے (اور صرف خیر اور بھلائی ہی نہیں بلکہ) ہر چیز (بھلی ہو یا بری) تیری قدرت میں ہے۔

اور سورۂ توبہ میں فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ۞۔ (توبہ ۹: رکوع ۱۴)

ترجمہ: بے شک اللہ اور صرف اللہ ہی کی فرمانروائی اور بادشاہت ہے آسمان و زمین میں، وہی زندگی دیتا ہے اور وہی مارتا ہے اور اس کے سواء کوئی بھی تمہارا حمایتی اور مددگار نہیں ہے۔

اور سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔ (مائدہ ۵: رکوع ۱۶)

ترجمہ: آسمان وزمین اور ان کے اندر کی ہر چیز کی بادشاہت اور حکومت اللہ ہی کے لیے ہے، سب پر اسی کی فرماں روائی ہے اور ہر چیز پر اس کی قدرت ہے۔

اور سورۂ شوریٰ میں اللہ تعالیٰ کی اسی ہمہ گیر بادشاہت اور قدرت کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ يَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ اِنَاثًا وَّيَهَبُ لِمَنْ يَّشَآءُ الذُّكُوْرَ ۝ اَوْ يُزَوِّجُهُمْ ذُكْرَانًا وَّاِنَاثًا وَيَجْعَلُ مَنْ يَّشَآءُ عَقِيْمًا اِنَّهٗ عَلِيْمٌ قَدِيْرٌ۔

(شوریٰ ۴۲: رکوع ۵)

ترجمہ: اللہ ہی کی حکومت اور اسی کا راج ہے آسمانوں زمین میں پیدا کرتا ہے جو وہ چاہتا ہے، جسے چاہتا بیٹیاں دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے بیٹے عطا کرتا ہے، یا دونوں ان صنفوں، ذکور واناث کو جمع کر دیتا ہے اور رکھتا ہے جس کو چاہتا ہے بے اولاد، وہ سب کچھ جاننے والا اور پوری قدرت والا ہے۔

اور سورۂ مومنون میں فرمایا:

فَتَعٰلَى اللّٰهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ۔ (مومنون ۲۳: رکوع ۶)

ترجمہ: پس عالی شان اور برتر ہے وہ ہستی جو حقیقی بادشاہ ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں۔ عرش عظیم کا مالک ہے۔

اور سورۂ فاطر میں اللہ تعالیٰ کی شان اور بندوں پر اس کے انعامات تفصیل سے بیان فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا:

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا يَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِيْرٍ ۝ اِنْ تَدْعُوْهُمْ لَا يَسْمَعُوْا دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ ۝ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ وَمَا ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ بِعَزِيْزٍ۔ (فاطر ۳۵: رکوع ۲، ۳)

ترجمہ: یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار، صرف اسی کی بادشاہی اور اسی کا اختیار ہے اور اس

کے سوا تم جن سے دعائیں کرتے ہو اور اپنی حاجتوں میں جن کو پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے جیسی کسی حقیر سے حقیر چیز کے بھی مالک اور مختار نہیں، اگر تم ان سے دعا کرو تو وہ تمہاری دعا نہ سنیں، اور اگر سن بھی لیں تو قبول نہ کر سکیں (یعنی تمہارا کام نہ کر سکیں) اور قیامت کے دن وہ انکار کریں گے تمہارے اس شرک سے اور یہ باتیں نہیں بتلائے گا تم کو کوئی علیم و خبیر کی طرح، اے لوگو! تم سب اللہ کے محتاج ہو اور صرف اللہ ہی ہے جو غنی اور سب سے مستغنی ہے اور وہی لائق حمد ہے (اسے سب کچھ اختیار ہے) اگر چاہے تو تمہیں ایک دم فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے اور اللہ کے لیے یہ کچھ مشکل بات نہیں۔

اور سورۂ فرقان میں اللہ تعالیٰ کی لاشریک حکومت و بادشاہی اور اولاد سے بھی اس کی پاکی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا:

الَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ۔

(فرقان ۲۵: رکوع ۱)

ترجمہ: وہ اللہ جس کی بادشاہی اور جس کا راج ہے آسمان و زمین میں اور اس نے کسی کو اپنی اولاد نہیں بنایا اور کوئی نہیں اس کا شریک حکومت اور بادشاہت میں۔

کسی اور کے اختیار میں کچھ بھی نہیں

اور کہیں کہیں اللہ تعالیٰ کی اسی شان اور صفت کے بیان میں یہ منفی عنوان اختیار کیا گیا ہے کہ اس کی خدائی میں اس کے سوا کسی کو کچھ بھی اختیار نہیں اور کوئی بھی ہستی اس کے سوا ایسی نہیں جس کے قبضہ اور اختیار میں کچھ ہو اور جو کسی کو کچھ دے سکے یا اس سے کچھ چھین سکے۔

مثلاً سورۂ احزاب میں فرمایا گیا:

قُلْ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَعْصِمُكُمْ مِّنَ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَ بِكُمْ سُوْٓءًا اَوْ اَرَادَ بِكُمْ رَحْمَةً وَ لَا یَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِیًّا وَّ لَا نَصِیْرًا۝ (احزاب ۳۳: رکوع ۵)

ترجمہ: اے نبی ﷺ! آپ ان مشرکوں سے کہیے، بتاؤ وہ کون ہے جو تمہیں اللہ سے بچا سکے۔ اگر وہ کسی بری حالت میں تمہیں مبتلا کرنا چاہے یا تمہارے ساتھ کچھ مہربانی کا ارادہ کرے،

اور نہیں پا سکتے وہ اللہ کے سوا اپنا کوئی حمایتی اور مددگار۔

اور سورۂ فاطر میں فرمایا:

مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا وَ مَا يُمْسِكْ فَلَا مُرْسِلَ لَهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (فاطر ۳۵: رکوع ۱)

ترجمہ: اللہ اپنے بندوں کے لیے جس رحمت کا دروازہ کھولے اس کو کوئی روک سکنے والا نہیں اور وہ جو کچھ روکے اس کو کوئی جاری کر سکنے والا نہیں، سوائے اس کے، اور وہ زبردست اور حکمت والا ہے۔

اور سورۂ انعام میں فرمایا:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَ خَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ۔ (انعام ۶: رکوع ۵)

ترجمہ: اے نبی ﷺ! آپ ان سے کہیے بتلاؤ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری شنوائی کی طاقت اور تمہاری بینائیاں چھین لے اور تمہیں اندھا بہرا بنا دے اور تمہارے دلوں پر مہر کر دے (یعنی فکر و فہم کی صلاحیت سلب کر لے اور تمہاری عقلیں مسخ کر دے) تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو یہ چیزیں تمہیں دے سکے۔

اور سورۂ ملک میں فرمایا:

اَمَّنْ هٰذَا الَّذِيْ يَرْزُقُكُمْ اِنْ اَمْسَكَ رِزْقَهٗ۔ (ملک ۶۷: رکوع ۲)

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ اپنا رزق روک لے اور بند کر دے تو وہ کون ہے جو تمہیں رزق دے سکے؟

پھر اسی سورۂ میں چند آیتوں کے بعد فرمایا:

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَصْبَحَ مَآؤُكُمْ غَوْرًا فَمَنْ يَّاْتِيْكُمْ بِمَآءٍ مَّعِيْنٍ۔ (ملک ۶۷: رکوع ۲)

ترجمہ: اے نبی ﷺ! اسے کہیے بتلاؤ کہ تمہارا پانی (جو کنوؤں کی تہہ سے نکلتا ہے) اگر غائب ہو جائے (یعنی اللہ تعالیٰ اسے بالکل غائب اور معدوم کر دے) تو کون تمہارے لیے زمین کے سوتے کا پانی لا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے
گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ قبول کرنے والا ہے

جیسا کہ چند ورق پہلے بیان کیا جا چکا ہے، اللہ تعالیٰ کے بارے میں بہت سے قومیں اس غلط فہمی میں مبتلا رہی ہیں کہ انہوں نے اس کو ایک جلالی شہنشاہ سمجھا جو قہر و غضب سے بھرپور ہے اور جس کو راضی اور خوش کرنا بڑا ہی مشکل ہے۔ گویا عام انسانوں کے بس کی بات ہی نہیں ہے اور جس کے پاس گناہ گار اور خطاکار بندوں کے لیے بس لعنت ہی لعنت ہے اور غضب ہی غضب اور عذاب ہی عذاب ہے۔

اور اگر وہ رحیم اور مہربان ہے بھی، تو اس کی رحمت اور مہربانی بس کسی خاص خاندان یا خاص نسل اور قوم کے لیے محدود ہے، باقی ساری دنیا کے لیے وہ بڑا سخت گیر اور جبّار و قہار حاکم ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہی غلط فہمی اور گمراہی بہت سی قوموں کے شرک کا سبب بنی ہے۔ انہوں نے اپنے کو دیکھا کہ ان کی زندگی گناہوں سے پاک نہیں ہے اور اس دنیا میں نیکی اور پاکی والی زندگی گزارنا گویا ان کے بس کی بات ہی نہیں ہے اور اپنی جہالت سے انہوں نے سمجھا کہ خدا ایسا سخت گیر اور جلالی ہے کہ خطاکاروں اور گناہگاروں پر وہ ہرگز رحم اور مہربانی نہیں کر سکتا۔ اس لیے اللہ کی طرف سے تو وہ بالکل ناامید ہو گئے اور شیطان نے ان کے کان میں پھونکا کہ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں کچھ ہستیاں ایسی بھی ہیں جو اپنی نیکی اور پاکی کی وجہ سے اللہ کی بڑی مقرب اور بڑی پیاری ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں بھی بہت کچھ اختیار دے رکھا ہے اور ان میں اللہ کا سا جلال اور غصہ بھی نہیں ہے اور انہیں راضی کرنا اللہ کی طرح زیادہ مشکل بھی نہیں ہے، اس لیے ان کے دامنوں میں تم جیسے گناہگاروں کو بھی پناہ مل سکتی ہے اور ان سے تعلق جوڑنے سے اللہ تعالیٰ کے عذاب اور گرفت سے بچا سکتا ہے۔

بس اسی کو انہوں نے آسان سمجھا اور اللہ تعالیٰ سے ناامید ہو کر شیطان کی بتلائی ہوئی ان ہستیوں کی تعظیم و عبادت اور ان کے نام کی نذر و نیاز اس امید پر کرنے لگے کہ ان کی مہربانی سے ہم سرسبز رہیں گے اور ان کی توجہ اور عنایت سے ہمارے کام بنتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی گرفت

اور اس کے عذاب سے بھی ان کا یہ تعلق ہمیں بچالے گا۔

الغرض اکثر مشرک قوموں کے حالات اور خیالات پر گہری نظر ڈالنے سے یہی پتا چلتا ہے کہ شرک میں ان کے مبتلا ہونے کی وجہ ان کی یہی گمراہی رہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و بخشش اور جود و کرم کی صفت کو انہوں نے نہیں جانا اور اس کو صرف قہار و جبار اور نہایت سخت گیر قسم کا جلالی بادشاہ سمجھ کر اس کی طرف سے ناامید ہو گئے اور شیطان کی بتائی ہوئی واقعی یا محض فرضی اور وہمی ہستیوں کو انہوں نے اپنی امیدوں کا قبلہ بنالیا ہے۔ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے رحمت کی بے انتہا وسعت اور اس کی غفاریت اور بخشش کی شان سے واقف ہوتے تو اس شرک میں ہرگز گرفتار نہ ہوتے۔

اسی لیے قرآن مجید میں جو اس دنیا کے لیے آخری ہدایت نامہ ہے اللہ تعالیٰ کی اس شان اور اس صفت کو بہت زیادہ اجاگر کیا گیا ہے اور بلا معاوضہ سینکڑوں جگہ مختلف عنوانوں اور مختلف پیرایوں میں اللہ تعالیٰ کی شانِ رحمت و رافت اور بخشش و غفاریت اور مخلوق کے ساتھ اس کی عنایت و محبت کو بیان فرمایا گیا ہے۔ جن خوش بختوں کو قرآن مجید کی تلاوت کی توفیق ہوتی ہے وہ جانتے ہیں کہ اس میں کتنی جگہ اللہ تعالیٰ کو غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ رَءُوْفٌ رَّحِیْمٌ تَوَّابٌ رَّحِیْمٌ۔ خَیْرُ الرّٰحِمِیْنَ، ارحم الرّاحمین کی صفات سے یاد کیا گیا ہے، یہاں تک کہ بسم اللہ جو قرآن مجید کا سرنامہ ہے اس میں اس کی صفت رحمت ہی کا تذکرہ کیا گیا ہے، اسی طرح اس کی بالکل ابتدائی آیتوں میں سب سے پہلے اس کی صفت ربوبیت اور رحمت ہی کا تعارف کرایا گیا ہے۔ فرمایا گیا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اس اجمالی بیان کے بعد چند آیتوں پر ذرا تفصیلی نظر ڈال لیجئے۔ سورۂ بقرہ ہی میں ارشاد ہے:

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ۔ (بقرہ ۲: رکوع ۱۹)

ترجمہ: تم سب کا معبود ایک ہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ بڑا مہربان اور نہایت رحم والا ہے۔

اور سورۂ آل عمران میں ایک جگہ یہ بیان فرمانے کے بعد قیامت کے دن ہر شخص کے اچھے برے اعمال کا انجام اس کے سامنے آنے والا ہے اور اس وقت ہر آدمی اپنے اعمال کی جانچ اور اپنے نتیجۂ عمل سے سخت ہراساں ہوگا۔ ارشاد ہوگا:

وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۔ (آل عمران ۳: رکوع ۴)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے (مواخذہ) سے ڈراتا ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ نہایت مہربان ہے۔

گویا قرآن مجید نے اس موقع پر بتلایا کہ اللہ تعالیٰ کا اپنے بندوں کو آخرت کے مواخذہ سے اور قیامت کے دن کی پکڑ سے ڈرانا بھی اس کی رحمت اور مہربانی ہی کا تقاضا ہے، جس طرح کہ شفیق ماں باپ اپنی اولاد کو برے کاموں کی بدنامی سے ڈراتے اور آنے والے خطرات سے ہوشیار کرتے رہتے ہیں۔ اور بندوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی اسی مہربانی اور شفقت کی صفت کو سورۂ شوریٰ میں ایک جگہ ان لفظوں میں بیان فرمایا گیا:

اَللّٰهُ لَطِيْفٌۢ بِعِبَادِهٖ ۝ (شوریٰ ۴۲: رکوع ۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ بہت نرم معاملہ کرنے والا مہربان ہے۔

اور سورۂ نحل میں بندوں پر اپنے بعض ایسے انعامات اور احسانات کا ذکر فرمانے کے بعد جن سے اس دنیا میں ہر قسم کے لوگ متمتع ہو رہے ہیں، ارشاد فرمایا:

اِنَّ رَبَّكُمْ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝ (النحل ۱۶: ۱)

ترجمہ: یقین کرو کہ تمہارا پروردگار بڑا ہی مہربان اور نہایت ہی رحم کرنے والا ہے (اور یہ اس کی مہربانی اور رحمت ہی کا کرشمہ ہے کہ تم کو اس دنیا میں یہ آرام مل رہے ہیں۔

اور سورۂ انعام میں ایک جگہ یہ بیان فرمانے کے بعد کہ بندے جو اچھے برے عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان پوری طرح باخبر ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ۔
(الانعام ۶: رکوع ۱۶)

ترجمہ: اور تمہارا پروردگار سب سے بے نیاز ہے (اسے کسی کی پروا نہیں اور کسی سے اس کی کوئی حاجت اٹکی ہوئی نہیں، ہاں) رحمت اور مہربانی اس کی خاص صفت ہے (اور اسی رحمت کا صدقہ ہے کہ تم اپنی بدکاریوں کے باوجود زندہ ہو، ورنہ اس میں یہ قدرت ہے کہ) اگر وہ چاہے تو تمہیں فنا کر کے تمہارے بعد جسے چاہے تمہاری جگہ دنیا میں آباد کرے۔

اور سورۂ کہف میں ایک موقع پر فرمایا:

وَ رَبُّكَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ بَلْ لَّهُمْ مَّوْعِدٌ لَّنْ يَّجِدُوْا مِنْ دُوْنِهٖ مَوْئِلًا (کہف ۱۸: رکوع ۸)

ترجمہ: اور تیرا ربّ بڑا ہی بخشنے والا اور بڑی رحمت والا ہے، اگر وہ ان کے اعمال پر ان کو پکڑنا چاہتا تو فوراً ان کے لیے عذاب بھیج دیتا۔ بلکہ ان کے واسطے ایک وقت معین کر رکھا ہے اور وہ اس کے سوا کوئی جائے پناہ نہیں پا سکتے۔

مطلب یہ ہے کہ اس دنیا میں جو یہ دیکھا جاتا ہے کہ بہت سے شریر اور سرکش اللہ تعالیٰ کی نافرمانیاں کرتے ہیں، اس کی مقرر کی ہوئی حدودِ کو توڑتے ہیں، اس کے احکام کی کھلی خلاف ورزی کرتے ہیں، اور اس کے باوجود زندہ رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر کوئی عذاب نہیں آتا، نہ ان پر آسمان سے بجلی گرتی ہے اور نہ زمین انہیں نگلتی ہے۔ قرآن مجید کہتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت اور بخشش ہی کا صدقہ ہے۔ اگر اللہ اپنے بندوں پر اتنا مہربان نہ ہوتا تو ایسے بدکاروں، نافرمانوں پر فوراً عذاب آجایا کرتا اور انہیں کوئی مہلت نہ دی جاتی۔ لیکن چونکہ وہ بندوں کے ساتھ مغفرت اور رحمت کا معاملہ کرنا چاہتا ہے اس لیے اس نے سب گناہ گاروں کو اس دنیا کی پوری زندگی میں مہلت دینا طے کر دیا ہے تاکہ جو بھی ان میں اپنی خطاؤں کی معافی مانگ کے اور اپنے رویہ کو درست کر کے کسی وقت اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہیں تو کر سکیں اور اس کے عذاب سے بچ سکیں۔ اسی واسطے اس نے مواخذہ اور جزا و سزا کے لیے اس دنیاوی زندگی کے خاتمہ کے بعد ایک وقت مقرر کیا ہے اور اس وقت پر سب کو وہاں حاضر ہونا ہوگا اور کسی کے لیے اس کا کوئی امکان نہیں ہوگا کہ وہ کہیں روپوش ہو کر اس وقت اور اس مقام کی حاضری سے بچ سکے اور کسی جگہ پناہ لے سکے۔ اور اسی کو سورۂ انعام میں یوں فرمایا:

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۚ لَيَجْمَعَنَّكُمْ إِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ (انعام ۶: رکوع ۲)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے لازم کر لی ہے اپنے پر رحمت اور مہربانی (اس لیے وہ مجرموں کو یہاں سزا نہیں دیتا بلکہ اس نے اس پوری زندگی کی سب کو مہلت دے رکھی ہے تاکہ جو چاہے معافی مانگ کے اور اپنے کو درست کر کے عذاب سے بچ سکے) اس نے مقرر کیا ہے کہ (انصاف اور جزا کے لیے) تم سب کو قیامت کے دن جوڑے گا (اور

اس دن ہر ایک کو اپنے کیے کا بدلہ مل جائے گا۔ یہ بالکل یقینی اور اٹل بات ہے) اس میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔

سبحان اللہ! اس آیت کا پہلا جملہ کَتَبَ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ اللہ تعالیٰ نے رحمت کو اپنے پر لازم اور مقرر کر لیا ہے ہم بندوں کے لیے کتنے اطمینان اور کیسی امیدوں کا سامان اپنے اندر رکھتا ہے۔ ایسے رحمت والے پروردگار سے ناامیدی اگر کفر نہیں تو اور کیا ہے؟

اور پھر اسی سورۂ انعام میں چوتھے رکوع کے بعد رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا اور کیسے پیارے انداز میں فرمایا گیا:

وَ اِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِہِ الرَّحْمَۃَ اَنَّہٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًا بِجَہَالَۃٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِہٖ وَ اَصْلَحَ فَاَنَّہٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (انعام ۶: رکوع ۶)

ترجمہ: اور جب تمہارے پاس ہمارے وہ بندے آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو اے پیغمبر ﷺ! تم (شفقت اور محبت سے ان کا استقبال کرو اور) کہو تم پر سلام! (اور انہیں خوشخبری سناؤ کہ) تمہارے پروردگار نے اپنے پر رحمت و مہربانی کو لازم کر لیا ہے (اس لیے تمہیں مطمئن رہنا چاہیے کہ) تم میں سے جس نے نادانی سے کوئی برا عمل کیا، پھر اس کے بعد اس نے توبہ کی اور اپنی اصلاح کر لی تو بلاشبہ تمہارا رب بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے۔

یقیناً بڑا شقی اور بدبخت ہے وہ انسان جو ایسے رحمت والے پروردگار کی رحمت سے بھی محروم رہے جو اپنے پیغمبر رحمتِ عالم ﷺ کی زبان سے اپنے خطا کار اور گناہ گار بندوں کو سلام کے بعد رحمت کا یہ پیام دلاتا ہے کہ: اپنے پروردگار سے مایوس نہ ہو اور نہ بھاگو، اس نے تو رحمت کو اپنے ذمہ لازم کر لیا ہے۔ اگر نادانی سے تم سے گناہ ہو گئے ہیں تو اب توبہ کر لو اور اپنی حالت ٹھیک کر لو، میں بڑا بخشنے والا مہربان ہوں۔

اور سورۂ شوریٰ میں ایک جگہ ارشاد فرمایا:

وَ ھُوَ الَّذِیْ یَقْبَلُ التَّوْبَۃَ عَنْ عِبَادِہٖ وَ یَعْفُوْا عَنِ السَّیِّاٰتِ وَ یَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ
(شوریٰ ۴۲: رکوع ۳)

ترجمہ: اور وہی ہے جس کی شان یہ ہے کہ وہ اپنے (گنہگار) بندوں کی توبہ قبول کرتا ہے، اور خطاؤں سے درگزر کرتا ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو اس سب کو پوری طرح جانتا ہے۔

اور سورۂ نساء میں زنا جیسے ناپاک اور خبیث گناہ سے آلودہ ہو جانے والے خطاکار بندوں کے متعلق ارشاد ہے:

وَالَّذٰنِ يَأْتِيٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء ۴: رکوع ۳)

ترجمہ: اور جو تم میں سے اس بدفعلی کا ارتکاب کریں تو ان کو سزا دو، پھر اگر وہ اس فعل حرام سے تائب ہو جائیں اور اپنی اصلاح کر لیں تو ان سے تعرض نہ کرو، بیشک اللہ تعالیٰ بہت توبہ قبول کرنے والا اور بڑی رحمت والا ہے۔

مطلب یہ ہے کہ جن لوگوں کے متعلق یہ ثابت ہو جائے کہ انہوں نے یہ خبیث اور حرام کام کیا ہے تو ان کو قانون کے مطابق سزا تو دی جائے لیکن اگر وہ اس کے بعد توبہ اور اپنی اصلاح کر لیں تو پھر ان سے کچھ نہ کہا جائے کیونکہ انہوں نے دراصل اپنے جس مالک اور آقا کا گناہ کیا ہے وہ خود توبہ کرنے والے مجرموں کو خوشی سے معاف کر دینے والا اور پھر ان کے ساتھ رحمت اور مہربانی سے پیش آنے والا ہے۔ اور اسی سورۂ نساء میں آگے ایک جگہ فرمایا اور ہر قسم کے گناہگاروں اور خطاکاروں کو مژدہ سنایا:

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا۔

(سورۂ نساء ۴: رکوع ۱۶)

ترجمہ: اور جو کوئی کسی قسم کا گناہ کرے اور اللہ کی نافرمانی کر کے اپنی جان پر ظلم کرے، پھر وہ (پچھتائے اور) اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور بخشش چاہے تو پاوے گا وہ اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور بڑا شفیق اور مہربان۔

اور سورۂ زمر میں اپنے کو تباہ کرنے والے خطاکار بندوں ہی کے لیے جو کچھ ارشاد فرمایا گیا اور جس شفقت اور پیار کے انداز میں انہیں پکارا گیا وہ تو اللہ کی صفت رحمت کی ایسی منادی ہے کہ بڑے سے بڑا سیہ کار اور عمر بھر کا سخت پاپی بھی اگر دل کے کانوں سے ان کو سن لے تو بے تحاشا

اللہ کے درِ رحمت کی طرف دوڑ پڑے۔ اپنے رسول رحمۃ للعالمین ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ میرے مجرم اور خطا کار بندوں کو میری طرف سے یہ پیام دو:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَاَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ۔ (زمر ۳۹: رکوع ۶)

ترجمہ: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے گناہ کر کے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے (اور اپنے ہاتھوں اپنے کو تباہ و برباد کیا ہے) تم اللہ کی رحمت اور مہربانی سے نا امید مت ہو، اللہ کی یہ شان ہے کہ وہ سب گناہ بخش دیتا ہے، حق یہ ہے کہ وہ بہت بخشنے والا اور بڑا مہربان ہے، اور اب بھی رجوع ہو جاؤ اور رخ کر لو اپنے اس غفور و رحیم پروردگار کی طرف اور اس کا حکم ماننے لگو قبل اس کے کہ تمہارے گناہوں کا وبال اور عذاب تمہیں آ پکڑے اور پھر کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے اور کوئی تم کو بچا نہ سکے۔

اللہ کی رحمت اور مغفرت کے حقدار کون سے گناہ گار ہیں؟

سورۂ زمر کی اس آیت رحمت سے بھی معلوم ہوا اور اس سے اوپر جو آیتیں اس مضمون کی درج کی جا چکی ہیں (جن میں خاص طور سے گنہگاروں اور خطا کاروں کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت میں گنجائش کا اعلان کیا گیا ہے) ان سب سے معلوم ہوا کہ اللہ کی رحمت کی وسعت اور بے پایانی کا حال تو یہی ہے کہ دنیا بھر کے بڑے سے بڑے مجرموں اور سیہ کاروں کے لیے اس میں گنجائش ہے۔ لیکن اس کے دروازہ میں داخلہ کی یہ لازمی شرط ہے کہ بندہ اس رحمت والے آقا کی طرف رجوع ہو، اور اس کے ساتھ اپنے معاملے کو درست کرنے کا ارادہ رکھتا ہو۔ اگر چہ اس سے پہلے اپنی ساری عمر میں باغی اور نافرمان رہا ہو۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ساتھ عدالت بھی ہے

اسی لیے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کی بخشش و

غفاریت کے بیان کے ساتھ اس کی دوسری صفت عدالت اور سرکش مجرموں کی سزا دہی کا بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ جیسا کہ سورفاتحہ میں رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ کے ساتھ اس کی صفت مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ کا بھی ذکر فرمایا گیا۔

اس کا مقصد اور منشاء یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کی وُسعت کے ان قرآنی اعلانوں سے کسی کو یہ غلط فہمی نہ ہو جائے کہ اب گناہوں کی کھلی چھٹی ہے اور زندگی خواہ کیسی ہی گزاری جائے، اللہ کی رحمت کا دروازہ ہمارے لیے کھلا ہوا ہے۔

بہر حال اسی غلط فہمی سے بچانے کے لیے قرآن مجید میں جابجا رحمت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی صفت عدالت کا بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ ذیل کی چند آیتیں پڑھیے:

فَإِنْ كَذَّبُوكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُو رَحْمَةٍ وَاسِعَةٍ وَلَا يُرَدُّ بَأْسُهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ ۝

(انعام ۶: رکوع ۱۸)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! اگر یہ لوگ (اس واضح بیان اور اتمام حجت کے بعد بھی تمہاری تکذیب ہی کریں تو آپ ان سے کہہ دیجئے کہ تمہارا پروردگار بڑی ہی وسیع رحمت والا ہے اور اسی رحمت کا صدقہ ہے کہ اس نے تم کو مہلت دے رکھی ہے، لیکن یاد رہے کہ مجرموں کو سزا دینا بھی اس کا قانون ہے اس لیے اگر تم اس باغیانہ اور مجرمانہ زندگی سے باز نہ آئے تو ضرور اس کی سخت سزا پاؤ گے اور مجرموں پر سے اس کا عذاب ہٹایا نہیں جاسکتا۔

اور سورۂ حجر میں فرمایا:

نَبِّئْ عِبَادِي أَنِّي أَنَا الْغَفُورُ الرَّحِيمُ ۝ وَأَنَّ عَذَابِي هُوَ الْعَذَابُ الْأَلِيمُ (الحجر ۱۵: رکوع ۴)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! میرے بندوں کو خبردار کیجئے کہ بیشک میں بڑا بخشنے والا اور بہت مہربان ہوں اور اسی طرح اس میں بھی کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ (مجرموں کے لیے) میری سزا بھی بڑی دردناک سزا ہے۔

اور سورۂ مومن کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا

غَافِرِ الذَّنْبِ وَقَابِلِ التَّوْبِ شَدِيدِ الْعِقَابِ ذِي الطَّوْلِ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ إِلَيْهِ الْمَصِيرُ ۝

(سورہ مومن ۴۰: رکوع ۱)

ترجمہ: وہ گناہ بخشنے والا ہے اور توبہ کرنے والوں کی توبہ کو قبول کرنے والا ہے (اور اسی کے ساتھ سرکش مجرموں کے لیے وہ) بڑی سخت سزا دینے والا ہے، سب کچھ قدرت رکھتا ہے، اس کے سوا کوئی بندگی اور عبادت کے لائق نہیں ہے، سب کو اسی کی طرف لوٹنا ہے۔

اور بعض مقامات پر اللہ تعالیٰ کی اس صفت یعنی عدالت اور مجرموں کی سزا دہی کو دوسرے عنوانوں سے بھی بیان فرمایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ قلم میں سوالیہ پیرایہ میں ارشاد ہے:

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ۝ مَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُوْنَ۔ (قلم ۶۸: رکوع ۲)

ترجمہ: کیا ہم اپنے فرمانبردار بندوں کو نافرمانوں، مجرموں کے برابر کر دیں گے: تمہیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے حکم لگاتے ہو یعنی اللہ کے متعلق تم ایسی ناانصافی اور خلافِ حکمت بات کا تصور کیسے کرتے ہو کہ وہ فرمانبرداروں اور نافرمانوں کے ساتھ یکساں سلوک اور ایک سا معاملہ کرے گا؟

اور اسی کو سورۂ صٓ میں فرمایا:

اَمْ نَجْعَلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَالْمُفْسِدِيْنَ فِى الْاَرْضِ اَمْ نَجْعَلُ الْمُتَّقِيْنَ كَالْفُجَّارِ ۝ (صٓ ۳۸: رکوع ۳)

ترجمہ: کیا ہم ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو زمین میں فساد برپا کرنے والوں کے برابر کر سکتے ہیں، کیا ہم پرہیزگاروں کو بدکاروں کے برابر کر سکتے ہیں، (ہمارے عدل و انصاف سے یہ کیسے ممکن ہے؟)

اور اسی کو سورۂ جاثیہ میں یوں فرمایا:

اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَمَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ۝ وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَلِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ (الجاثیہ ۴۵: رکوع ۲، ۳)

ترجمہ: جو لوگ برائیاں کرتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم ان بدکاروں کو اپنے بندوں کے برابر کر دیں گے جن کی زندگی ایمان اور اعمال صالحہ والی زندگی ہے کہ یکساں ہو ان کا جینا مرنا (ایسا خیال کرنے والے احمق بڑا غلط اور) بہت برا حکم لگاتے ہیں (نہیں دیکھتے

کہ) اللہ نے زمین و آسمان کو (اور ساری کائنات کو) بالکل حکمت کے مطابق پیدا کیا ہے (اور وہ عالم کا سارا نظام حکمت ہی سے چلا رہا ہے، پھر اس سے ایسی خلافِ حکمت اور خلاف عدل بات کی توقع کیوں کرتے ہیں۔ اس عالم کی تخلیق کا تو مقصد اور منشاء ہی یہ ہے کہ (بندے یہاں عمل کریں اور) وقت پر ہر شخص کو اس کے کئے کی جزا ملے اور (اس جزا سزا کے معاملے میں ہرگز) کسی کے ساتھ کوئی ظلم و زیادتی نہ ہوگی۔

بہر حال قرآن مجید کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے ساتھ بڑا شفیق اور بڑا مہربان ہے اور اس کی رحمت میں سب کے لیے پوری گنجائش ہے (وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ۔ اعراف رکوع ۱۹) بڑے سے بڑا مجرم اور گنہگار بھی اگر اس کی رحمت اور مغفرت کا طالب بن کر اس کی طرف بڑھے تو وہ اسے بخشنے کے لیے اور اپنی آغوش رحمت میں جگہ دینے کے لیے تیار ہے، لیکن اسی کے ساتھ وہ صاحب عدالت بھی ہے اور سرکش مجرموں کو سزا دینا بھی اس کی عدالت اور حکمت کا تقاضا ہے، اس لیے جو شریر اور مفسد سرکشی اور شرارت سے باز نہ آئیں گے اور تذکیر و نصیحت کے باوجود نافرمانی اور بغاوت اور کفر و شرک ہی پر جمے رہیں گے وہ آنے والے اس عالم میں جس میں اللہ تعالیٰ کی اس صفت عدل کا پورا ظہور ہوگا اللہ کی رحمت اور مہربانی سے ذرہ برابر بھی حصہ نہ پاسکیں گے۔ سورۂ السجدہ میں ایسے ہی مجرموں کے بارے میں ارشاد ہے:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُكِّرَ بِاٰيٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِيْنَ مُنْتَقِمُوْنَ ۝

(السجدہ ۳۲: رکوع ۲)

ترجمہ: اور ان سے زیادہ کوئی ظالم نہیں جن کو ان کے پروردگار کی آیات کے ذریعے نصیحت کی جائے اور پھر بھی وہ ان سے بے رخی اور بے پروائی اختیار کریں اور اپنے حال کو درست نہ کریں، ہم ایسے مجرموں کو سخت سزا دینے والے ہیں۔

تنزیہہ و تقدیس:

حق تعالیٰ کی صفات کے متعلق یہاں تک جو قرآنی بیانات نقل کئے گئے یہ سب اس کی ایجابی صفات کے متعلق تھے، ان سے ہمیں معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ علیم کل ہے، کوئی چھوٹی بڑی اور کھلی یا چھپی چیز اس کے علم سے باہر نہیں، وہ قادر مطلق ہے، سب کچھ اس کی قدرت میں ہے، وہ سب کا خالق اور رازق اور سب کا کارساز و پروردگار ہے۔ ساری کائنات کا وہی مالک اور حاکم ہے اور

ہر چیز اس کے زیر حکومت ہے۔ کوئی چیز بھی اس کے تصرف اور اقتدار سے باہر نہیں، پھر وہ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے اور اسی کے ساتھ اس میں عدالت کی صفت بھی ہے۔ یعنی نیکوکاروں اور فرمانبرداروں کو وہ اپنے خاص فضل و انعام سے نوازنے والا ہے اور سرکش مجرموں کو اپنی شان کے مطابق سزا اور عذاب دینے والا بھی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ کی صفات کا بیان اور اس کا تعارف ناقص اور نامکمل رہتا ہے جب تک کہ ان چیزوں اور ان باتوں سے اس کا منزہ اور مبرا ہونا بھی بیان نہ کیا جائے جو اس کی شانِ قدوسیت اور عظمت و کبریائی کے خلاف ہیں اور جن کے بارے میں جاہلوں اور خدا ناشناس لوگوں کو کبھی مغالطہ ہوا یا ہو سکتا ہے، اس لیے قرآن مجید میں صرف ایجابی صفاتِ کمال کے بیان پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس کی تنزیہہ و تقدیس کو بھی پوری طرح نمایاں کیا گیا ہے۔ چند آیتیں اس سلسلے کی بھی پڑھ لیجیے۔ سورۂ بنی اسرائیل کے بالکل آخر میں ارشاد ہے:

وَقُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَمْ یَتَّخِذْ وَلَدًا وَّلَمْ یَكُنْ لَّهٗ شَرِیْكٌ فِی الْمُلْكِ وَلَمْ یَكُنْ لَّهٗ وَلِیٌّ مِّنَ الذُّلِّ وَكَبِّرْهُ تَكْبِیْرًا۝ (بنی اسرائیل ۱۷: رکوع ۱۲)

ترجمہ: اور کہو ساری حمد و ستائش اللہ ہی کے لیے ہے جو نہ کوئی اولاد رکھتا ہے اور نہ حکومت و فرمانروائی میں کوئی اس کا شریک اور ساجھی ہے، اور نہ کمزوری و درماندگی کی وجہ سے کوئی اس کا مددگار ہے اور اس کی خوب بڑائی اور کبریائی بیان کرو۔

اور سورۂ انعام میں ایک موقع پر یہ بیان کرنے کے بعد کہ جاہلوں، ناخداشناسوں نے اللہ تعالیٰ کے لیے شریک ساجھی اور بیٹیاں اور بیٹے ٹھہرائے۔ ارشاد فرمایا گیا:

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یَصِفُوْنَ۝ بَدِیْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰی یَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ وَخَلَقَ كُلَّ شَیْءٍ وَهُوَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ۝ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ فَاعْبُدُوْهُ وَهُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ۝ (انعام ۶: رکوع ۱۳)

ترجمہ: وہ پاک اور بالاتر ہے، ان باتوں سے جو یہ لوگ اس کی نسبت بیان کرتے ہیں، وہ تو آسمانوں کا اور زمین کا موجد ہے (اور خود یہ نادان بھی جانتے اور مانتے ہیں کہ یہ شان اس کے سوا کسی کی بھی نہیں مگر یہ ظالم اس کے باوجود اس کے شریکِ زندگی ہی نہیں ہے (بہرحال اس کی کوئی اولاد اور کوئی اس کا شریک اور بیٹیاں بیٹے

ٹھہراتے ہیں) حالانکہ کیسے اس کی کوئی اولاد ہو سکتی ہے جبکہ کوئی اس کی شریک نہیں ہے، بلکہ سب اس کی مخلوقات ہیں) اس نے سب کو پیدا کیا اور اس کو ہر چیز کا پورا پورا علم ہے۔ لوگو! پاک و برتر اللہ تمہارا پروردگار ہے، اور اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ سب کا خالق ہے۔ لہٰذا تم اسی کی عبادت اور بندگی کرو، اور وہ ہر چیز کا کفیل اور کارساز ہے۔

اس سب کے بعد تنزیہہ کے سلسلے میں آخری بات یہ فرمائی:

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ وَهُوَ اللَّطِيفُ الْخَبِيرُ ۝

(سورۂ انعام ۶: رکوع ۱۳)

ترجمہ: اس کی شان یہ ہے کہ نگاہیں اس کو نہیں پا سکتیں اور وہ نگاہوں کو پالیتا ہے اور وہ بڑا ہی باریک بیں، باخبر ہے۔

ان آیتوں میں قریب قریب ان سب باتوں سے اللہ تعالیٰ کا منزہ اور مُبرّا ہونا بیان فرمایا گیا جو اس کی شان الوہیت و قدوسیّت کے خلاف ہیں اور جن کے بارے میں خدا ناشناسوں اور مشرکوں نے عام طور سے غلطی کھائی ہے۔ پھر قرآن پاک کے اس تنزیہی بیان کی آخری بات لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ (انسانوں کی بینائیاں جو یہاں ان کو ملی ہوئی ہیں اللہ کو نہیں پا سکتیں اور وہ سب بینائیوں کو پا رہا ہے) بلاشبہ بڑی اعلیٰ اور بڑی لطیف اور بڑی جامع تنزیہہ ہے۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی اس قدر لطیف اور وراء الوراء ہے کہ ہر وقت قریب تر اور بالکل ساتھ ہونے کے باوجود کوئی نگاہ اس کو نہیں پا سکتی اور وہ سب نگاہوں کو پا رہا ہے۔

اسی طرح سورۂ شوریٰ میں ایک جگہ گنتی کے دو حرفوں میں حق تعالیٰ کی پوری تنزیہہ و تقدیس بیان فرما دی گئی ہے۔ ارشاد ہے: لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ (کوئی شے بھی (جس کو تم جانتے ہو اور جس کا تصور کر سکتے ہو) اس کے مثل نہیں۔

قرآن مجید کے اس دو حرفی بیان پر غور کیجئے۔ واقعہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی تنزیہہ و تقدیس کا کوئی پہلو اس سے باہر نہیں رہا۔ اور ان ہی دو حرفوں نے ان سب چیزوں سے حق تعالیٰ کا منزہ اور مبرا ہونا بیان کر دیا جو اس کی شان الوہیت و قدوسیت کے خلاف ہیں۔ کیونکہ اس باب میں جتنی غلطیاں اور گمراہیاں ہوئی ہیں یا ہوتی ہیں، ان سب کی جڑ بنیاد یہی ہے کہ لوگ اللہ تعالیٰ

کو اور اس کے افعال وصفات کو اس عالم کی اپنی دیکھی بھالی اور جانی بوجھی چیزوں اور ان کے افعال و صفات پر قیاس کر لیتے ہیں۔

پس قرآن مجید نے لَیْسَ کَمِثْلِہٖ شَیْءٌ فرما کر اس غلط بنیادی کو اکھاڑ دیا اور بتلا دیا کہ اس کی کوئی مثال اور نمونہ نہیں۔ وہ موجود ہے لیکن اس کا وجود اس طرح کا نہیں جس طرح کا دوسری موجودات کا ہے۔ وہ اَلْحَیّ یعنی زندہ ہے لیکن دوسرے زندوں کی زندگی اور اس کی زندگی میں کوئی مشارکت اور مشابہت نہیں۔ وہ علیم ہے، سمیع و بصیر ہے لیکن اس کا علم اور اس کا سننا اور دیکھنا ہمارے علم اور ہماری سماعت و بصارت سے وراء الوراء ہے۔ وہ سب کے قریب ہے، سب کے ساتھ ہے، لیکن یہ قریب اور ساتھ ہونا ایسا نہیں جیسا کہ اس دنیا کی کوئی چیز کسی کے قریب اور کسی کے ساتھ ہوتی ہے۔ اسی طرح رحمت و محبّت اور غضب و انتقام اس کی صفتیں ہیں لیکن ان کی نوعیت وہ بالکل نہیں جو ہماری ان صفتوں کی ہے۔

بہر حال قرآن مجید کے اس نہایت مختصر تنزیہی بیان نے ان سب چیزوں کی نفی کر دی جو حق تعالیٰ کی شانِ قدوسیت کے خلاف تشبیہ و تمثیل کی وجہ سے خدا نا شناس لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ لَیْسَ کَمِثْلِہٖ وَھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ۔

قرآن مجید کی چند جامع الصّفات آیات

اب ہم قرآنی تعلیم و دعوت کے اس باب (بیانِ صفات) کو چند ایسی آیات سنا کر ختم کرتے ہیں، جو اللہ تعالیٰ کی مُختلف شئون و صفات کو جامع ہیں اور جن میں اللہ تعالیٰ کی ایجابی صفات کمال کے ساتھ اس کی تنزیہی شان کو بھی جمع کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے سورۂ بقرہ کی وہ مشہور جامع الصّفات آیت پڑھیے جو آیت الکرسی کے نام سے معروف ہے:

اَللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ لَہٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَہٗۤ اِلَّا بِاِذْنِہٖ یَعْلَمُ مَا بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَمَا خَلْفَھُمْ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ عِلْمِہٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ وَسِعَ کُرْسِیُّہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَلَا یَئُوْدُہٗ حِفْظُھُمَا وَھُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ۝ (بقرہ ۲: رکوع ۳۴)

ترجمہ: اللہ کی شان یہ ہے کہ (صرف وہی الٰہ حق ہے) اس کے سوا کوئی عبادت اور

بندگی کے لائق نہیں وہ "الحی" زندہ جاوید ہے (یعنی حیات اس کی ذاتی صفت ہے اس کے لیے فنا و زوال نہیں) وہ "القیوم" ہے، ساری کائنات اسی کے حکم سے قائم ہے (وہ ہمہ وقت بیدار اور خبردار رہنے والا ہے) نہ اسے اونگھ لگتی ہے اور نہ نیند آتی ہے (ایسے عوارض کا اس کے پاس گزر ہی نہیں)۔ زمین و آسمان میں جو کچھ بندوں کے سامنے اور حاضر ہے وہ اس کو بھی جانتا ہے اور جو ان کے پیچھے اور ان سے غائب اور اوجھل ہے وہ اس سے بھی واقف ہے اور مخلوق اور بندوں کا حال یہ ہے کہ اللہ کے غیر متناہی اور لامحدود علم میں سے وہ کسی ایک چیز کو بھی پوری طرح نہیں جان سکتے اِلّا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے (تو وہ صرف اسی کو اور اس کے بتائے ہوئے کے بقدر ہی جان سکتے ہیں) اور اس کا تختِ حکومت زمین و آسمان کی وسعتوں پر چھایا ہوا ہے اور ان کے تھامنے سے وہ تھکتا نہیں اور وہ اونچی شان والا بڑی عظمت والا ہے۔

اسی طرح سورۂ حدید کے شروع میں اللہ تعالیٰ شئون و صفات کا بڑی جامعیت کے ساتھ اور بڑا روح پرور بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يُحْيٖ وَ يُمِيْتُ وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ هُوَ الْاَوَّلُ وَ الْاٰخِرُ وَ الظَّاهِرُ وَ الْبَاطِنُ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝ هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ يَعْلَمُ مَا يَلِجُ فِي الْاَرْضِ وَمَا يَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا يَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ وَ مَا يَعْرُجُ فِيْهَا وَهُوَ مَعَكُمْ اَيْنَ مَا كُنْتُمْ وَ اللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝

(سورۃ الحدید ۵۷: رکوع ۱)

ترجمہ: اللہ کی تسبیح و تقدیس کرتی ہیں (یعنی اس کی پاکی بیان کرتی ہیں) وہ سب چیزیں جو آسمانوں میں اور زمین میں ہیں، اور وہ بڑا زبردست اور صاحب حکمت ہے، اسی کی حکومت اور فرمانروائی ہے آسمانوں میں اور زمین میں، وہی (جسے چاہتا ہے) جِلاتا ہے اور مارتا ہے (یعنی موت و حیات کا سارا نظام اسی کے ہاتھ میں ہے) اور وہ ہر چیز پر قادر ہے، وہی اول ہے وہی آخر ہے (یعنی وہ اس وقت بھی موجود تھا جبکہ اس کے سوا کوئی

موجود نہ تھا اور سب کے فنا ہو جانے کے بعد بھی وہ موجود رہنے والا ہے) وہی ظاہر ہے وہی باطن (یعنی ظاہر ایسا کہ ہر معمولی عقل والا اس کو جانتا ہے اور اس کی خدائی کا یقین رکھتا ہے اور مخفی ایسا کہ کوئی آنکھ اس کو دیکھ نہیں سکتی) اور وہ ہر چیز کو پوری طرح جانتا ہے، وہی ہے کہ اس نے آسمانوں اور زمین کو چھ روز میں (چھ دوروں میں) بنایا، پھر وہ اپنے تخت حکومت پر متمکن ہو گیا، جو کچھ زمین کے اندر جاتا ہے اور جو اس میں سے نکلتا ہے وہ اس سب کو جانتا ہے اور اسی طرح جو کچھ آسمان سے اترتا ہے اور جو کچھ اس کی طرف چڑھتا ہے وہ اس سب کا بھی علم رکھتا ہے اور تم جہاں بھی ہو، وہ (ہر جگہ اور ہر حال میں) تمہارے ساتھ ہے، اور تم جو کچھ کرتے ہو وہ اللہ اس سب کو خوب دیکھتا ہے۔

اس سلسلے میں سورۂ حشر کی آیتیں اور پڑھ لیجئے:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِىْ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْمَلِكُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَيْمِنُ الْعَزِيْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَكَبِّرُ ؕ سُبْحٰنَ اللّٰهِ عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۞ هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى ؕ يُسَبِّحُ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞

(الحشر ۵۹: رکوع ۳)

ترجمہ: وہ اللہ جس کی شان یہ ہے کہ صرف وہی معبود برحق ہے، اس کے سواء کوئی ہستی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ سب چھپی اور کھلی چیزوں کا جاننے والا ہے، وہ بڑا مہربان اور نہایت رحمت والا ہے۔ وہ اللہ وہی الٰہ حق ہے، اس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں وہی حقیقی بادشاہ ہے، وہ القدوس ہے (عیب و نقص کی ہر نسبت سے پاک ہے) السّلام ہے (سلامتی اس کی ایسی صفت ہے کہ اس کے لیے خوئی خطرہ اور اس کو کبھی زوال نہیں۔ المومن ہے (بندوں کو امن دینے والا ہے) المہیمن (ان کا رکھوالا اور نگہبان) ہے۔ العزیز ہے (زبردست اور غالب ہے) الجبار ہے (سب پر اس کا دباؤ اور تسلط ہے، کوئی اس کی مشیت کے خلاف حرکت نہیں کر سکتا۔ المتکبر ہے (بے انتہا عظمت و کبریائی اس کی صفت ہے) پاک ہے ان کے شریک بتلانے سے۔ وہ اللہ ہے پیدا کرنے والا، ٹھیک بنانے والا، اسی کے لیے ہیں، سب عمدہ

نام (اور اچھے القاب، آسمان وزمین کی سب چیزیں اس کی تسبیح و تقدیس کرتی ہیں (اور اس کی پاکی اور برتری کے گیت گاتی ہیں) اور وہ نہایت زبردست اور صاحبِ حکمت ہے۔

خدائی صفات کے متعلق قرآن مجید کے ان مفصل بیانات کے بعد سورۂ اخلاص کا نہایت مختصر ایک بیان اور پڑھ لیجئے جو بڑا سادہ ہونے کے ساتھ بڑی غیر معمولی دلکشی اور دل آویزی اپنے اندر رکھتا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۝ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ يَلِدْ وَ لَمْ يُوْلَدْ ۝ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ۝ (الاخلاص ۱۱۲: ۱، ۴)

ترجمہ: کہو وہ اللہ ایک ہے۔ یگانہ و یکتا ہے۔ اللہ بے نیاز ہے۔ (اس کو کسی کی احتیاج نہیں، اور سب اس کے محتاج ہیں) نہ اس سے کوئی پیدا ہوا، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا ہے اور نہ کوئی ہستی اس کی ہمسر اور اس کے برابر کی ہے۔

جو شخص اللہ تعالیٰ کو مانتا ہے اور اپنے کو اس کا مخلوق و مملوک اور بندہ یقین کرتا ہے اس کے دل میں اس چیز کی طلب اور پیاس کا ہونا بالکل قدرتی بات ہے کہ مجھے اپنے اس خالق اور رب کی معرفت حاصل ہو اور اس کے بارے میں جو کچھ میں جان سکتا ہوں وہ کسی طرح جانوں اور بلاشبہ اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق سب سے زیادہ صحیح، مکمل اور واضح اور اطمینان بخش بیان صرف قرآن مجید کا ہے۔ اس سے ایک طرف تو دلوں میں اللہ تعالیٰ کی شایانِ شان عظمت پیدا ہوتی ہے اور امکان کی حد تک اس کی صحیح معرفت حاصل ہوتی ہے اور دوسری طرف انس و محبّت کا چشمہ بھی ابلتا ہے، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بندہ اس کی رضا جوئی کو اپنی زندگی کا نصب العین بنالیتا ہے اور یہی انسان کی کامیابی کی اعلیٰ اور آخری منزل ہے۔

توحید

اللہ تعالیٰ کی صفات کے متعلق جو قرآنی بیانات یہاں تک نقل کیے گئے ان سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادہ اور علیم کل ہے، سب کے ساتھ اور سب سے قریب ہے۔ قادر مطلق ہے، سب کا خالق اور رازق اور سب کا کارساز و پروردگار ہے، اور وہی اس ساری کائنات کا

مالک و حاکم اور قیوم ہے، اور یہاں جو کچھ ہوتا ہے اسی کے حکم سے ہوتا ہے، اس کے علاوہ کوئی ہستی نہیں جو بلا اس کے حکم کے یہاں کچھ کر سکے۔ ہر قسم کی عظمت و کبریائی اسی کے لیے ہے اور وہ بڑی رحمت والا اور نہایت مہربان ہے اور ساتھ ہی وہ بڑا بے نیاز بھی ہے۔ سب اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں اور اس کو کسی کی پروا نہیں اور وہ صاحبِ عدالت بھی ہے یعنی ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دینے والا ہے۔ اور ان صفات کمال سے موصوف ہونے کے ساتھ وہ ہر اس بات اور ہر اس چیز سے بھی بری ہے جس میں نقص و عیب کا کوئی پہلو اور کوئی شائبہ ہو اور جو اس کی شان قدوسیت کے خلاف ہو۔

ظاہر ہے کہ یہ معلوم ہو جانے کے بعد کہ کوئی ہستی ایسی ہے جس میں یہ ساری صفتیں اور سارے کمالات جمع ہیں، آپ سے آپ یہ بات طے ہو جاتی ہے کہ بس وہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے اور وہی اس قابل ہے کہ اس کی پرستش کی جائے اور محبت و عظمت کے ساتھ اس کے ہر فرمان کے سامنے سر تسلیم خم کیا جائے اور اس کو اپنا مولا اور اپنے کو اس کا بندہ سمجھ کر اس کے حکموں پر چلا جائے۔ اسی سے آس لگائی جائے، اسی سے اُمید باندھی جائے اور اسی پر بھروسہ کیا جائے۔ اسی کی رضا جوئی میں جیا جائے اور مرا جائے، اسی کی حمد و ثنا اور اسی کی تسبیح و تقدیس کی جائے اور اسی کی یاد کو اپنا وظیفہ بنایا جائے۔

اسی لیے قرآن مجید میں بیان صفات کے ساتھ ساتھ اکثر مقامات پر ایک ثابت شدہ حقیقت اور لازمی نتیجہ کے طور پر توحید کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ جیسا کہ ناظرین نے بیانِ صفات کے سلسلہ کی مندرجہ قبل آیات کو پڑھتے ہوئے خود بھی جا بجا محسوس کیا ہوگا۔ اس لحاظ سے توحید کے مستقل بیان کی اب زیادہ ضرورت باقی نہیں رہی لیکن چونکہ توحید قرآن پاک کا خاص الخاص موضوعِ دعوت ہے اور اس میں دوسرے تمام مسئلوں سے زیادہ زور اسی پر دیا گیا ہے اور قرآن سے پہلے آنے والی اللہ کی کتابوں اور اللہ کے رسولوں کی تعلیم و دعوت کا مرکزی نقطہ بھی چونکہ توحید ہی کا مسئلہ رہا ہے، اس لیے ہم توحید کے بارے میں قرآن مجید کے بیان کو کسی قدر تفصیل سے اور مستقلاً بھی پیش کرنا چاہتے ہیں۔

قرآن مجید میں توحید کی تعلیم اتنی وضاحت اور ایسی تفصیل سے دی گئی ہے کہ مسئلہ کا کوئی گوشہ ایسا نہیں رہا ہے جو پوری طرح روشنی میں نہ آگیا ہو اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا، کیونکہ

امتوں اور قوموں نے توحید ہی کے بارے میں ہمیشہ سخت ٹھوکریں کھائی ہیں۔ بلکہ یہ کہنا بالکل صحیح ہوگا کہ جتنی غلطیوں اور گمراہیوں میں قومیں توحید کے بارے میں مبتلا ہوئیں اتنی کسی دوسرے مسئلہ میں گمراہ نہیں ہوئیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کے تمام پیغمبروں اور مذاہب کے سب سچے داعیوں نے اپنی اپنی قوموں کو ہمیشہ توحید ہی کی تعلیم دی تھی بلکہ قرآن مجید کا تو بیان ہے کہ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس کو اللہ کے پیغمبروں اور ہادیوں نے توحید کا پیغام نہ پہنچایا ہو:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلًا اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوْتَ (النحل ۱۶: رکوع ۵)

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے ہر قوم میں اپنا پیغمبر (اس دعوت اور اس پیام کے ساتھ کہ صرف اللہ تعالیٰ کی بندگی کرو (جو سچا معبود ہے) اور ہر جھوٹے خدا سے بچو۔

اور ایک دوسرے موقع پر فرمایا:

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ۔
(سورۂ الانبیاء ۲۱: رکوع ۲)

ترجمہ: اور جو پیغمبر بھی ہم نے تم سے پہلے بھیجے ان کی طرف یہی وحی کی اور ان کو یہی پیام دیا کہ میرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، لہٰذا صرف میری ہی عبادت اور بندگی کرو۔

الغرض یہ واقعہ ہے کہ ہر قوم میں نے والے اللہ کے پیغمبر اور ہادی نے ہمیشہ توحید ہی کی تعلیم دی لیکن کچھ مدت گزرنے کے بعد اکثر قومیں کسی نہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہو گئیں اور اب بھی حقیقت یہی ہے کہ بہت سے لوگ اللہ کو مانتے ہیں اور اس پر ایمان رکھتے ہیں، لیکن کسی نہ کسی قسم کے شرک میں مبتلا ہیں۔ قرآن ہی کا بیان ہے:

وَمَا یُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (سورۂ یوسف ۱۲: ۱۲)

ترجمہ: اور اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی رکھتے ہیں اور اسی کے ساتھ وہ شرک میں بھی مبتلا ہیں۔

بہر حال ہمیشہ سے شرک انسانوں کی بڑی خطرناک اور عام بیماری رہی ہے، اسی لیے قرآن مجید، جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے آخری کتاب ہدایت ہے اور جس کے بعد انسانوں کے لیے کوئی آسمانی ہدایت نامہ آنے والا نہیں ہے، توحید کے مسئلے کو زیادہ سے زیادہ روشن اور واضح کیا گیا ہے،

بلکہ ان تمام دروازوں کو بھی بند کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے جن سے اگلی امتوں میں شرک آیا، یا اس کے آنے کا امکان ہو سکتا تھا۔ قرآن مجید نے صرف یہ کہہ کر توحید کا درس ختم نہیں کر دیا کہ خدا ایک ہے، اس کے سوا کسی کی عبادت اور بندگی نہ کی جائے،، بلکہ توحید فی الذّات کے علاوہ اس نے ایک ایک خدائی صفت کا ذکر کر کے بتلایا کہ یہ صفت صرف اللہ ہی میں ہے اور وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی وحدہ، لاشریک ہے۔ اسی طرح اپنے افعال و اختیارات میں بھی وہ وحدہ لاشریک ہے اور پھر اپنے خدائی حقوق میں بھی وہ اسی طرح وحدہٗ لا شریک ہے۔ اس نے توحید کے ان پہلوؤں کو اتنا واضح کیا کہ کسی قسم کے اعتقادی یا عملی، جلی یا خفی، شرک کے لیے کوئی گنجائش نہیں چھوڑی۔ ہم قرآن مجید کی دعوت توحید کے سلسلہ کی چند آیات کو یہاں چند عنوانوں کے تحت ایک خاص ترتیب سے مرتب کر کے پیش کرتے ہیں:

توحید ذاتی اور توحید الوہیت

توحید کا ایک سادہ سا اجمالی اور جامع عنوان یہ ہے کہ الٰہ یعنی معبود بس ایک ہے، صرف وہی عبادت اور بندگی کے لائق ہے۔ قرآن مجید میں موقع بموقع اس کو بیسیوں جگہ دہرایا گیا ہے۔ چند آیتیں یہ ہیں:

وَاِلٰـهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ۝ (البقرۃ ۲: رکوع ۱۹)

ترجمہ: اور تمہارا معبود بس ایک معبود ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، وہ بڑی رحمت والا نہایت مہربان ہے۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ (سورۂ آل عمران ۳: رکوع ۶)

ترجمہ: اور اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور وہ اللہ ہر چیز پر قابو رکھنے والا اور حکمت والا ہے۔

ایک موقع پر فرمایا:

اِنَّ اِلٰـهَكُمْ لَوَاحِدٌ ۝ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا۔ (الصفت ۳۷: رکوع ۱)

ترجمہ: حق یہ ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی ہے، وہ آسمان و زمین اور ان کے درمیان کی ساری مخلوق کا پروردگار ہے۔

ایک جگہ فرمایا:

قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ۔ (سورۂ انعام ۶: رکوع ۲)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے اور اعلان کر دیجئے کہ معبود برحق بس ایک ہی معبود ہے اور میں تمہارے شرک سے بیزار ہوں۔

اسی طرح ایک اور موقع پر فرمایا:

فَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَلَهٗٓ اَسْلِمُوْا۔ (الحج ۲۲: رکوع ۵)

ترجمہ: پس تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، لہٰذا اسی کی فرمانبرداری کرو، اور اپنے کو اسی کے سامنے جھکا دو۔

توحید صفات وافعال

توحید الوہیت کے اس سادہ اجمالی بیان کے علاوہ قرآن مجید صفات وافعال میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو بھی جابجا تفصیل سے بیان کرتا ہے، وہ بتلاتا ہے کہ سب کا پیدا کرنے والا سب کی پرورش کرنے والا، سب کو روزی دینے والا، جِلانے والا اور مارنے والا بس اللہ ہی ہے، اس مضمون کی متعدد آیات صفات کے بیان میں آپ پڑھ چکے ہیں۔ چند آیتیں یہاں بھی پڑھ لیجئے۔ سورۂ روم میں فرمایا:

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ ثُمَّ رَزَقَكُمْ ثُمَّ یُمِیْتُكُمْ ثُمَّ یُحْیِیْكُمْ هَلْ مِنْ شُرَكَآئِكُمْ مَّنْ یَّفْعَلُ مِنْ ذٰلِكُمْ مِّنْ شَیْءٍ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰی عَمَّا یُشْرِكُوْنَ۝ (الروم ۳۰: رکوع ۴)

ترجمہ: اللہ ہی ہے جس نے تم کو پیدا کیا پھر اسی نے تم کو رزق دیا اور تمہاری زندگی کی ضرورتیں مہیا کیں، پھر وہی تم کو وقت آنے پر موت دے گا اور اس کے بعد وہی تم کو جلائے گا، بتاؤ جن (واقعی یا فرضی، ہستیوں) کو تم نے خدائی حقوق میں شریک ٹھہرا رکھا ہے کیا ان میں سے کوئی ان میں کا کوئی کام بھی کرتا ہے یا کر سکتا ہے؟ پاک ہے اللہ اور برتر ہے ان کے شرک سے اور شریکوں سے۔

اور سورۂ فاطر میں ارشاد ہے:

قُلْ اَرَءَیْتُمْ شُرَكَآءَكُمُ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَرُوْنِیْ مَاذَا خَلَقُوْا مِنَ الْاَرْضِ اَمْ لَهُمْ شِرْكٌ فِی السَّمٰوٰتِ۔ (سورۂ فاطر ۳۵: رکوع ۵)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! آپ ان مشرکوں سے کہئے، بتاؤ تو اللہ کے سوا جن شریکوں کو پکارتے ہو مجھے دکھاؤ کیا چیز پیدا کی ہے، انہوں نے زمین میں، یا ان کی کوئی شرکت ہے آسمانوں میں۔

اور اسی طرح سورۂ فاطر میں ایک اور جگہ فرمایا:

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللهِ يَرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاَنّٰى تُؤْفَكُوْنَ۝ (فاطر ۳۵: رکوع ۱)

ترجمہ: کیا اللہ کے سوا کوئی خالق ہے جو زمین و آسمان سے تمہاری روزی کا انتظام کرتا ہے، اس کے سوا کوئی بھی الٰہ معبود نہیں، پھر تم کہاں جا رہے ہو؟:

اور سورۂ عنکبوت میں ارشاد فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللهِ لَا يَمْلِكُوْنَ لَكُمْ رِزْقًا فَابْتَغُوْا عِنْدَ اللهِ الرِّزْقَ وَ اعْبُدُوْهُ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۝ (العنکبوت ۲۹: رکوع ۲)

ترجمہ: اللہ کے سوا جن ہستیوں کی تم عبادت کرتے ہو وہ تمہاری روزی کی مالک نہیں اور تم کو کچھ نہیں دے سکتیں، پس اللہ ہی سے رزق مانگو اور اسی کی عبادت کرو اور اسی کا شکر کرو تم اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

ساری کائنات پر صرف اللہ ہی کا حکم چلتا ہے اور سب کچھ صرف اسی کے اختیار میں ہے۔

قرآن مجید بتلاتا ہے کہ زمین و آسمان اور ساری کائنات صرف اللہ تعالیٰ کے زیر حکم ہے، جس طرح سب کا خالق و رازق اللہ ہے، اسی طرح سب پر حکم بھی صرف اسی کا چلتا ہے۔

لَهُ الْخَلْقُ وَ الْاَمْرُ۔ (اعراف ۷: رکوع ۶)

ترجمہ: تخلیق بھی اسی کی اور حکم و فرمان بھی اسی کا۔

سورۂ قصص میں ارشاد فرمایا:

لَهُ الْحُكْمُ وَ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ۔ (القصص ۲۸: رکوع ۶)

ترجمہ: بس صرف اسی کا حکم چلتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

وہی جو کچھ کرنا چاہتا ہے کرتا ہے، اس کے سوا کسی کے اختیار میں کچھ بھی نہیں، نہ کوئی کسی کو وجود دے سکتا ہے۔ نہ کسی سے کوئی وجود لے سکتا ہے، نہ موت وحیات پر کسی کا اختیار ہے، نہ کوئی کسی کے نفع یا نقصان کا مختار ہے، اور نادان اور گمراہ لوگ اپنی نادانی اور جہالت سے جن ہستیوں کے متعلق یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا کے نظام میں ان کا بھی کوئی دخل ہے اور یہ بھی جسے چاہیں نفع یا نقصان پہنچا سکتے ہیں، قرآن مجید جا بجا کہتا ہے کہ یہ بالکل غلط ہے، ان کے بس میں کچھ بھی نہیں، اگر وہ سب بھی جمع ہو جائیں تو اپنے اختیار سے کچھ نہیں کر سکتے حتّٰی کہ ایک مکھی اور ایک چیونٹی بھی نہیں بنا سکتے، کسی کی بگڑی کو نہیں بنا سکتے۔ کسی کی مدد اور حمایت نہیں کر سکتے۔

قرآن مجید کا یہ بیان ذرا اسی کے الفاظ میں سنئے:

اِنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِیٍّ وَّلَا نَصِیْرٍ۝ (سورۂ شوریٰ ۴۲: رکوع ۱)

تَرجَمہ: زمین و آسمان کی بادشاہت اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے، وہی زندگی اور موت دیتا ہے اور اللہ کے سوا کوئی تمہارا کارساز اور مددگار نہیں۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ لَهُ الْمُلْكُ وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ مَا یَمْلِكُوْنَ مِنْ قِطْمِیْرٍ۔
(سورۂ فاطر ۳۵: رکوع ۲)

تَرجَمہ: یہی اللہ تمہارا پروردگار اور مالک ہے، اسی کی بادشاہی ہے، اور اللہ کے سوا جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو وہ تو کھجور کی گٹھلی کے چھلکے (جیسی کسی بے قیمت اور حقیر چیز) کی بھی مالک نہیں)۔

سورۂ حج میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَنْ یَّخْلُقُوْا ذُبَابًا وَّلَوِ اجْتَمَعُوْا لَهٗ (سورۂ حج ۲۲: رکوع ۱۰)

تَرجَمہ: اللہ کے سوا جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو وہ تو ایک مکھی بھی نہیں بنا سکتے۔ اگر سب مل کر اس کے لیے کوشش بھی کریں۔

سورۂ سبا میں فرمایا:

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا یَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَلَا فِی الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِیْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِیْرٍ۝ (سبا ۳۴: رکوع ۳)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ آپ ﷺ ان سے کہیے کہ تم اللہ کے سوا جن کو اپنا کارساز اور حاجات روا سمجھتے ہو ان کو پکار کر تو دیکھو، زمین و آسمان میں ان کا ذرہ برابر بھی اختیار نہیں ہے اور نہ ان میں کسی قسم کی ان کی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے (مطلب یہ کہ نہ کوئی چیز ان کی ملکیت میں ہے نہ ان کا ساجھا ہے اور نہ اللہ کو ان سے اپنے کاموں میں مدد لینے کی ضرورت ہے۔

سورۂ زمر میں فرمایا:

قُلْ اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ اَرَادَنِيَ اللّٰهُ بِضُرٍّ هَلْ هُنَّ كٰشِفٰتُ ضُرِّهٖٓ اَوْ اَرَادَنِيْ بِرَحْمَةٍ هَلْ هُنَّ مُمْسِكٰتُ رَحْمَتِهٖ قُلْ حَسْبِيَ اللّٰهُ عَلَيْهِ يَتَوَكَّلُ الْمُتَوَكِّلُوْنَ۔
(سورۂ زمر ۳۹: رکوع ۴)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! آپ ﷺ ان سے کہیے کہ تم بتاؤ جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، اگر اللہ مجھے کوئی تکلیف دینا چاہے تو کیا وہ اس کو دور کر سکتے ہیں؟ یا اگر اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو کیا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کو مجھ سے روک سکتے ہیں؟ (ہرگز نہیں) آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ اللہ مجھے کافی ہے اور بھروسہ کرنے والے اسی پر بھروسہ کرتے ہیں۔

سورۂ شوریٰ میں فرمایا:

اَمِ اتَّخَذُوْا مِنْ دُوْنِهٖٓ اَوْلِيَآءَ فَاللّٰهُ هُوَ الْوَلِيُّ۔ (سورۂ شوریٰ ۴۲: رکوع ۱)

ترجمہ: کیا انہوں نے اللہ کے سوا کچھ کارساز بنائے ہیں؟ پس اللہ تعالیٰ ہی سب کا کارساز ہے۔

نظام عالم کو قائم رکھنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہے

قرآن کہتا ہے کہ زمین و آسمان کے اس نظام کو بلا شرکت غیرے صرف اللہ تعالیٰ ہی چلا رہا ہے، اور وہی اس کو تھامے ہوئے ہے۔ اگر وہ ایک لمحہ کے لیے اس کو چھوڑ دے تو کوئی دوسرا اس کو تھام نہیں سکتا۔ اور پھر ساری کائنات آن کی آن میں فنا کے گھاٹ اتر جائے۔

اِنَّ اللّٰهَ يُمْسِكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ اَنْ تَزُوْلَا وَلَئِنْ زَالَتَآ اِنْ اَمْسَكَهُمَا مِنْ اَحَدٍ مِّنْ بَعْدِهٖ۔ (سورۂ فاطر ۳۵: رکوع ۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی تھامے ہوئے ہے آسمانوں اور زمین کو کہ ٹل نہ جائیں، اور اگر وہ ٹل جائیں تو اس کے سوا کوئی ان کو تھام نہیں سکتا۔

صرف اللہ تعالیٰ ہی زندۂ جاوید ہے باقی سب فانی ہیں

قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ اصلی اور ذاتی زندگی جس کو کبھی فنا نہیں، صرف اللہ کی ہے اور اس کے سوا جو ہستیاں ہیں ان سب کی زندگی مستعار ہے، اور سب کو فنا کے گھاٹ سے گزرنا ہے۔ ارشاد ہے:

هُوَ الْحَيُّ لَا إِلٰهَ إِلَّا هُوَ۔ (سورۂ مومن ۴۰: رکوع ۷)

ترجمہ: صرف وہی زندۂ جاوید ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں۔

سورۂ قصص میں فرمایا:

كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ إِلَّا وَجْهَهُ۔ (القصص ۲۸: رکوع ۹)

ترجمہ: اس ذات کے سوا جو کچھ ہے سب فناء ہونے والا ہے۔

صرف اللہ تعالیٰ ہی عالم الغیب اور علیم کُل ہے

اسی طرح قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ یہ شان صرف اللہ ہی کی ہے کہ وہ ہر چیز کو جانتا ہے اور غیب و شہود سب یکساں طور پر اس کے سامنے ہے، کسی کی کوئی بات اس سے پوشیدہ نہیں۔ ارشاد ہے:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ۔
(البقرہ ۲: رکوع ۳۴)

ترجمہ: اللہ وہ سب کچھ جانتا ہے جو بندوں کے سامنے حاضر ہے اور اس سب کو بھی جانتا ہے جو ان کے پیچھے اور ان سے غائب ہے اور مخلوقات اور بندوں کا حال یہ ہے کہ وہ اس کے لیے نہایت علم میں سے ایک چیز کو بھی پوری طرح نہیں جان سکتے۔ الا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

لَهُ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ أَبْصِرْ بِهِ وَأَسْمِعْ۔ (سورۂ الکہف ۱۸: رکوع ۳)

ترجمہ: آسمان و زمین کے چھپے بھیدوں کا اسی کو علم ہے، کیسا عجیب دیکھنے والا اور

سننے والا ہے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (سورہ النمل ۲۷: رکوع ۵)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! آپ ﷺ ان لوگوں سے کہہ دیجئے اور بتا دیجئے کہ آسمان و زمین میں جو مخلوقات ہیں، وہ غیب کا علم نہیں رکھتے، بجز اللہ کے بس صرف وہی عالم الغیب ہے۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ۔ (سورۃ الانعام ۶: رکوع ۷)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں، اس کے سوا کوئی ان کی خبر نہیں رکھتا (مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی کے پاس کوئی ایسا آلہ اور ذریعہ نہیں جس سے غیب کے مخفی بھیدوں کا علم حاصل ہو سکے۔

توحید حقوق

ذات و صفات اور افعال و اختیارات میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور یکتائی بیان کرنے کے ساتھ قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ وہ حقوق میں بھی وحدہ، لاشریک ہے، بندوں پر جو حقوق اس کے ہیں، وہ اس کے سوا کسی کے نہیں۔

حمد و ستائش اسی کا حق ہے، وہی محبت اور خوف کے قابل ہے، وہی اس لائق ہے کہ اس پر توکل اور آسرا کیا جائے اور اس سے لو لگائی جائے۔ وہی اصلی آقا اور حاکم ہے کہ اس کا قانون مانا جائے یعنی بندوں کے لیے شریعت مقرر کرنا اسی کا حق ہے۔ وہی دعاؤں کا سننے والا اور قبول کرنے والا ہے، لہٰذا اسی سے دعائیں کی جائیں اور وہی الٰہ و معبود ہے۔ لہٰذا اس کی اور صرف اسی کی عبادت کی جائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

اس سلسلے میں سنئے قرآن کا بیان:

صرف اللہ ہی لائق حمد و ستائش ہے

وَهُوَ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ لَهُ الْحَمْدُ فِي الْاُولٰى وَالْاٰخِرَةِ۔ (القصص ۲۸: رکوع ۷)

ترجمہ: اور وہی اللہ ہے اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں اور دنیا و آخرت میں صرف وہی حمد و ستائش کا سزاوار ہے۔

ایک اور جگہ فرمایا:

فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ رَبِّ السَّمٰوٰتِ وَ رَبِّ الْاَرْضِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۞ وَ لَهُ الْكِبْرِیَآءُ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۞ (سورۃ الجاثیہ ۴۵: رکوع ۴)

ترجمہ: ساری حمد و ستائش اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے جو آسمان و زمین اور ساری کائنات کا پروردگار ہے، اور صرف اسی کے لیے عظمت و کبریائی اور بڑائی ہے آسمان و زمین میں، اور وہی ہے زبردست اور صاحبِ حکمت۔

اللہ ہی سب سے زیادہ محبّت اور خوف کے قابل ہے

یعنی اپنے بے انتہا احسانات اور کمالات کے لحاظ سے وہی اس کا مستحق ہے کہ بندے سب سے زیادہ محبّت اسی سے کریں اور سب سے زیادہ اسی کو چاہیں اور اپنے حاکمانہ جلال و جبروت کے لحاظ سے وہی اس کا مستحق ہے کہ اس کے بندے سب سے زیادہ اسی سے ڈریں۔

جن نادانوں اور گمراہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا کچھ ہستیاں ایسی بنا رکھی ہیں جن سے وہ بندگی اور نیازمندی کا تعلق رکھتے ہیں اور ان سے اللہ کے برابر محبّت کرتے ہیں ان کے متعلق قرآن مجید کا بیان ہے:

وَ مِنَ النَّاسِ مَنْ یَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا یُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ۔ (سورۂ بقرہ ۲: رکوع ۲۰)

ترجمہ: اور کچھ لوگ ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کو اس کا ہمسر اور مدمقابل بناتے ہیں اور وہ ان سے ایسی محبّت کرتے ہیں جیسی محبّت اللہ سے کرنی چاہیے۔

اور جو اہل ایمان ہیں وہ سب سے زیادہ محبّت اللہ ہی سے رکھتے ہیں۔

اور خوف کے متعلق ارشاد ہے:

فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشَوْهُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ۔ (سورۂ توبہ ۹: رکوع ۲)

ترجمہ: اگر تم مومن ہو تو اللہ تعالیٰ ہی اس کا سب سے زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو، اور اس کا خوف کرو۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ۔ (سورۂ مائدہ ۵: رکوع ۷)

ترجمہ: تم انسانوں سے خوف نہ کھاؤ بلکہ مجھ سے اور صرف مجھ سے ڈرو۔

وہی توکل اور آسرا لگانے کے قابل ہے

هُوَ مَوْلَانَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ (سورۂ توبہ ۹: رکوع ۷)

ترجمہ: وہ اللہ ہمارا کارساز ہے، آقا ہے، اور بس اسی اللہ پر ایمان والوں کو بھروسہ کرنا چاہیے۔

اور سورۂ حج میں فرمایا:

وَاعْتَصِمُوْا بِاللّٰهِ هُوَ مَوْلٰكُمْ فَنِعْمَ الْمَوْلٰى وَنِعْمَ النَّصِيْرُ۔ (سورۂ حج ۲۲: رکوع ۸)

ترجمہ: اور بس اللہ کا سہارا مضبوطی سے پکڑ لو، وہی تمہارا کارساز ہے اور جس کا کارساز اللہ ہو تو کیا ہی اچھا کارساز اور کیا ہی اچھا مددگار ہے۔

رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيْلًا۔ (سورۂ مزمل ۷۳: رکوع ۱)

ترجمہ: وہ مشرق و مغرب کا مالک ہے، وہی معبود برحق ہے، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں، لہٰذا اسی کو اپنا کارساز بنالو اور حاجت اور ضرورت میں اسی کی طرف رجوع کرو۔

وہی حاکم ہے اور اسی کا حکم واجب العمل ہے

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا۔ (انعام ۶: رکوع ۱۴)

ترجمہ: کیا میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور فیصلہ دینے والا حکم تلاش کروں، حالانکہ اس نے تمہاری طرف کتاب مفصّل نازل کر دی ہے۔

جو نادان اللہ تعالیٰ کے سوا بعض دوسری ہستیوں کی بتائی ہوئی باتوں کو شریعت بنالیتے ہیں اور ان کی پیروی ضروری سمجھتے ہیں، ان کے بارے میں قرآن کہتا ہے:

اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا شَرَعُوْا لَهُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا لَمْ يَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ ط (سورۂ شوریٰ ۴۲: رکوع ۳)

ترجمہ: کیا ان کے لیے اور شریک ہیں، جنہوں نے ان کے واسطے وہ دین اور وہ قانون مقرر کیا ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ نے نہیں دیا۔

توحید کے بارے میں قرآن مجید کا سب سے اہم مطالبہ

ہر مقصد کے لیے دعا اور مدد طلبی صرف اللہ تعالیٰ سے اور ہر عبادت صرف اسی کے لیے ہونی چاہیے

قرآن مجید نے توحید کے اس پہلو پر سب سے زیادہ زور دیا ہے اور یہ اس لیے کہ شرک میں مبتلا ہونے والی دنیا کی قومیں اور امتیں شرک فی الدعا اور شرک فی العبادہ ہی میں زیادہ تر مبتلا ہوئی ہیں اور ہمیشہ ناخدا شناس اور کم عقل انسانوں سے یہی شرک زیادہ ہوا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہستیوں کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ کر ان سے دعائیں کیں، اپنی حاجتیں اور مرادیں ان سے مانگیں، انہیں راضی اور خوش کرنے کے لیے طرح طرح ان کی عبادت اور پوجا کی، ان کے آگے سجدے کیے، ان کے نام کی خیر خیرات کی اور ان کے لیے نذریں اور منتیں مانیں، اور ہر آنکھ والا دیکھ سکتا ہے کہ بڑی مشرکانہ گمراہیوں میں آج بھی یہی گمراہی سب سے زیادہ عام ہے حتیٰ کہ مسلمان کہلانے والوں میں بھی ایک خاصی تعداد اس شرک میں مبتلا ہے۔

بہر حال شرک فی الدعا اور شرک فی العبادہ چونکہ سب سے بڑی مذہبی گمراہی ہے اور ناخدا شناس انسان زیادہ تر اسی میں مبتلا ہوتے ہیں، اس لیے قرآن مجید نے توحید کے سلسلے میں توحید فی الدعا اور توحید فی العبادۃ پر سب سے زیادہ زور دیا ہے۔ پہلے چند آیتیں توحید فی الدعاء کے سلسلے کی پڑھ لیجئے:

لَهٗ دَعْوَةُ الْحَقِّ ؕ وَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَجِیْبُوْنَ لَهُمْ بِشَیْءٍ (رعد ۱۳: رکوع ۲)

ترجمہ: حاجتوں اور ضرورتوں میں صرف اسی اللہ کو پکارنا سچا پکارنا ہے اور اس کے سوا جن ہستیوں کو وہ مشرک پکارتے ہیں اور جن سے دعائیں کرتے ہیں وہ ان کے کچھ بھی

کام نہیں آسکتیں۔

اللہ تعالیٰ کے سوادوسری ہستیوں سے دعائیں کرنے والوں اور اپنی حاجتیں مانگنے والوں سے

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَالَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖ لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ نَصْرَكُمْ وَلَاۤ اَنْفُسَهُمْ یَنْصُرُوْنَ۝

(سورۂ اعراف ۷: رکوع ۲۴)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو تم پکارتے ہو اور جن سے دعائیں کرتے ہو اور مدد مانگتے ہو، وہ تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے اور اپنی بھی مدد کرنے سے وہ عاجز اور بے بس ہیں (پس ان سے مدد مانگنا تمہاری کیسی حماقت ہے)۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا۝

(سورۂ بنی اسرائیل ۱۷: رکوع ۶)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! ان لوگوں سے کہہ دو کہ تم نے اپنے خیال میں اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں کو معبود و کارساز سمجھ رکھا ہے، انہیں اپنی حاجتوں اور مصیبتوں میں پکار دیکھو، نہ وہ تمہاری تکلیف دور کرنے کا اختیار رکھتے ہیں، نہ تمہاری حالت بدل سکتے ہیں۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَمَنْ یَّدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَا بُرْهَانَ لَهٗ بِهٖ فَاِنَّمَا حِسَابُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الْكٰفِرُوْنَ۝ (سورۂ مومنون ۲۳: رکوع ۶)

ترجمہ: اور جو کوئی اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے من گھڑت معبود کو پکارتا ہے، اس کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں ہے اور اس کا حساب اس کے پروردگار کے حضور ہونا ہے، یقیناً کفر کرنے والے کبھی فلاح نہیں پائیں گے۔

ایک جگہ ارشاد ہے:

فَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتَكُوْنَ مِنَ الْمُعَذَّبِیْنَ۝ (سورۂ شعراء ۲۶: رکوع ۱۱)

ترجمہ: مت پکارو اللہ تعالیٰ کے سوا کسی دوسرے فرضی اور من گھڑت معبود کو (اگر ایسا

کرو گے) تو تم ہو جاؤ گے عذاب پانے والوں میں سے۔

رسول اللہ ﷺ کو خطاب کر کے ایک جگہ ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّیْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا۔ (سورۂ جن ۷۲: رکوع ۲)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! کہہ دو کہ میں تو صرف اپنے پروردگار کو پکارتا ہوں، اسی سے دعا کرتا ہوں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتا۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

وَلَا تَدْعُ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ كُلُّ شَیْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ (القصص ۲۸: رکوع ۹)

ترجمہ: اور مت پکارو اللہ کے ساتھ کسی اور فرضی اور من گھڑت الٰہ کو صرف اللہ ہی الٰہ حق ہے اس کے سوا کوئی الٰہ نہیں، اس کی پاک ذات کے علاوہ جو کچھ اس عالم موجودات میں ہے، سب فانی ہے۔

اس آیت میں قرآن پاک نے غور و فکر کرنے والوں اور سمجھنے والوں کے لیے ایک بڑا عام فہم استدلالی ارشاد کیا ہے۔

قرآن کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا جو کچھ ہے سب فنا ہونے والا ہے۔ باقی رہنے والی اور کبھی نہ فنا ہونے والی ہستی صرف اللہ تعالیٰ کی ہے جو سب کا خالق اور پروردگار ہے اور اللہ کے سوا دوسری ہستیوں کو حاجت روا اور کارساز سمجھ کر ان سے دعائیں کرنے والے اور مرادیں مانگنے والے جاہل مشرکین بھی اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ سدا رہنے والی ذات صرف اللہ ہی کی ہے اور باقی سب فانی ہیں۔

پس قرآن کہتا ہے کہ جن ہستیوں کے متعلق تم خود جانتے ہو کہ وہ اپنے وجود اور اپنی حیات میں بھی مختار نہیں اور اپنے کو موت اور فنا سے بچا لینا بھی جن کے بس میں نہیں، سوچو کہ ان کو کارساز اور حاجت روا سمجھ کر ان سے مدد مانگنا اور ان کو پکارنا کتنی بڑی حماقت ہے۔

پس جو لوگ بتوں کو یا نیک اور مقدس روحوں کو یا گزرے ہوئے پیروں یا پیغمبروں کو اپنی مدد کے لیے پکارتے ہیں اور اپنی حاجتوں میں ان سے دعائیں کرتے ہیں (حالانکہ جانتے ہیں کہ یہ سب فانی ہستیاں ہیں) وہ خود سوچیں کہ وہ کیسی احمقانہ حرکت کرتے ہیں اور اپنے کو وہ کتنی گہری پستی میں گراتے ہیں۔

یہ چند آیتیں توحید فی الدعا کے سلسلے کی تھیں، اب توحید فی العبادۃ کے متعلق آیتیں پڑھ لیجیے:

وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ ۔ (بنی اسرائیل ۱۷: رکوع ۳)

ترجمہ: اور تمہارے پروردگار کا قطعی حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو۔

ایک جگہ حکم ہے:

اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا ۔ (النساء ۴: رکوع ۶)

ترجمہ: بس اللہ کی عبادت کرو اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔

چونکہ اللہ تعالیٰ کے سوا جن ہستیوں اور جن فرضی معبودوں کی عبادت کی جاتی ہے وہ اس غلط فہمی کی وجہ سے کی جاتی ہے کہ یہ ہستیاں بناؤ بگاڑ اور نفع و نقصان کا کچھ اختیار رکھتی ہیں، اس لیے قرآن مجید نے بہت سے مقامات پر اس صراحت کے ساتھ شرک فی العبادۃ سے روکا ہے کہ تم جن کی عبادت کرتے ہو وہ بالکل عاجز و بے بس ہیں، نہ تمہارا کچھ بگاڑ سکتے ہیں نہ بنا سکتے ہیں۔ چنانچہ ایک جگہ ارشاد ہے:

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا نَفْعًا وَ اللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ (سورۃ المائدہ ۵: رکوع ۱۰)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! ان لوگوں سے کہو، کیا تم اللہ تعالیٰ کے سوا ایسی ہستیوں کی عبادت کرتے ہو جن کے قبضہ میں تمہارا نفع نقصان بھی نہیں اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ (لہٰذا تمہیں اس کی پکڑ اور اس کے عذاب سے بے خوف نہیں رہنا چاہیے۔

ایک دوسری جگہ ان ہی مشرکین کے متعلق ارشاد ہے:

وَ يَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَهُمْ رِزْقًا مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ شَيْـًٔا وَّ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ۔ (سورۃ النحل ۱۶: رکوع ۱۰)

ترجمہ: اللہ کے سوا اُن ہستیوں کی یہ عبادت کرتے ہیں جنہیں آسمان و زمین میں سے رزق دینے کا کچھ بھی اختیار نہیں اور نہ ان کو کچھ قدرت ہے۔

قرآن مجید یہ بھی بیان کرتا ہے کہ جو قومیں اور امتیں شرک میں مبتلا ہوئیں اور انہوں

نے اللہ کے سوا کسی اور کو بھی اپنا معبود بنایا ان کے نبیوں اور ان میں آنے والے اللہ کے سچے ہادیوں نے ان کو ہرگز اس شرک کی تعلیم نہیں دی تھی، بلکہ خالص توحید ہی کی تلقین کی تھی، ارشاد ہے:

وَمَآ أُمِرُوٓا إِلَّا لِيَعْبُدُوٓا إِلَٰهًا وَاحِدًا لَآ إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ سُبْحَٰنَهُۥ عَمَّا يُشْرِكُونَ۔

(سورہ توبہ ۹: رکوع ۴)

ترجمہ: انہیں (اگلے پیغمبروں اور اگلی کتابوں کے ذریعے) جو حکم دیا گیا وہ اس کے سوا کچھ نہیں تھا کہ صرف ایک معبود حق کی عبادت اور بندگی کریں، اس کے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں۔ وہ پاک ہے ان کے شرک سے۔

اور ایک دوسری جگہ فرمایا:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ وَاجْتَنِبُوا الطَّاغُوتَ۔ (سورۃ النحل ۱۶: رکوع ۵)

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے ہر قوم میں اپنا پیغمبر (اسی دعوت اور اسی پیام کے ساتھ) کہ صرف اللہ کی عبادت کرو، جو سچا معبود ہے اور ہر جھوٹے خدا کی عبادت اور بندگی سے بچو۔

ایک اور جگہ فرمایا:

وَمَآ أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِىٓ إِلَيْهِ أَنَّهُۥ لَآ إِلَٰهَ إِلَّآ أَنَا۠ فَاعْبُدُونِ ۝

(سورۃ الانبیاء ۲۱: رکوع ۲)

ترجمہ: اور جو پیغمبر بھی ہم نے تم سے پہلے بھیجا اس کی طرف یہی وحی ہم نے کی اور اس کو یہی پیام دیا کہ میرے سوا کوئی عبادت اور بندگی کے لائق نہیں ہے، لہٰذا صرف میری ہی عبادت اور بندگی کرو۔

اس اجمالی بیان کے علاوہ جن انبیاء علیہم السلام کی دعوت و تعلیم کا قرآن مجید میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے قرآن نے ان کے متعلق صراحت اور وضاحت سے بیان کیا ہے کہ ان سب نے پہلی بات اپنی قوم سے یہی کہی کہ تمہاری عبادت اور بندگی کا مستحق صرف ایک اللہ ہے، بس اسی کی عبادت کرو اور اس کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کرو۔ أَلَّا تَعْبُدُوٓا إِلَّا اللَّهَ اور أَنِ

اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ۔ قرآن کا بیان ہے کہ یہی بات نوحؑ نے کہی۔ یہی ہودؑ اور صالحؑ نے کہی، یہی شعیبؑ نے کہی۔ یہی ابراہیمؑ نے، اور ان کے بعد آنے والے سب پیغمبروں نے کہی۔

عیسائیوں نے تثلیث کا عقیدہ گھڑا اور حضرت مسیحؑ اور روح القدس کو، اور بعض نے حضرت مسیحؑ اور ان کی والدہ مریم صدیقہ کو خدائی میں شریک کیا، اور اللہ کے اس پاک پیغمبر پر یہ تہمت دھری کہ اس نے ہمیں یہ تعلیم دی تھی۔ قرآن مجید نے جابجا اس کو رد کیا اور بتایا کہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے سب نبیوں رسولوں کی طرح ہمارے بندے اور پیغمبر مسیح علیہ السلام نے بھی توحید کی تعلیم دی تھی، اس نے اپنی قوم سے صاف کہا تھا:

وَقَالَ الْمَسِيحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔ (المائدہ۵: رکوع۱۰)

ترجمہ: اور مسیح نے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت اور بندگی کرو، جو میرا اور تمہارا سب کا پروردگار ہے، بلاشبہ جس کسی نے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا تو اس پر اللہ تعالیٰ نے جنّت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانہ دوزخ کی آگ ہے اور ایسے ظالموں کا کوئی حامی مددگار نہ ہوگا۔

اور دوسری جگہ سورۂ آل عمران میں بیان فرمایا گیا ہے کہ:

حضرت مسیح علیہ السلام نے جب اللہ کے رسول کی حیثیت سے اپنی قوم کے سامنے اپنے کو پیش کیا اور فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے کوڑھیوں اور اندھوں کو اچھا کر سکتا ہوں اور مردوں کو زندہ کر سکتا ہوں اور فلاں فلاں معجزے دکھا سکتا ہوں تو ساتھ ہی صاف صاف یہ بھی ان سے کہہ دیا کہ میں خدا نہیں ہوں بلکہ اسی اللہ کا بندہ ہوں جس کے تم بندے ہو۔ اور میرا رب اور پروردگار وہی ہے جو تمہارا رب اور پروردگار ہے اور تنہا وہی عبادت اور بندگی کا مستحق ہے، میں تم کو اسی کی عبادت اور بندگی کی دعوت دیتا ہوں، یہی راہ نجات ہے۔ قرآن مجید نے اس موقع پر حضرت مسیح کے جو الفاظ نقل کئے ہیں، وہ یہ ہیں:

اِنَّ اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوْهُ هٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ۔ (سورۂ آل عمران ۳: رکوع ۵)

ترجمہ: اس حقیقت میں کسی شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ ہی میرا رب ہے

اور وہی تمہارا رب ہے اور ہم سب اس کے بندے ہیں۔ پس تم کو اسی کی عبادت کرنی چاہیے۔ یہی صراط مستقیم ہے۔

بہر حال قرآن مجید نے توحید کے ہر پہلو پر پورا پورا زور دیا ہے اور کسی قسم کے شرک کے لیے قطعاً کوئی بھی گنجائش نہیں چھوڑی ہے اور خاص طور پر توحید فی الدعا اور توحید فی العبادۃ پر سب سے زیادہ زور دیا گیا ہے۔ اور جیسا کہ عرض کیا گیا کہ اس لیے کہ ہمیشہ سے مذہبی دنیا کی سب سے بڑی اور سب سے زیادہ عام گمراہی شرک فی الدعا اور شرک فی العبادت ہی رہی ہے۔ اور یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید کے بالکل شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کے چھوٹے چھوٹے تین جملوں کے بعد چوتھے جملے یعنی چوتھی آیۃ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ میں پہلا اقرار ہر قرآن پڑھنے والے سے یہ لیا جاتا ہے کہ وہ اللہ کے سوا کسی اور ہستی کی عبادت نہیں کرے گا اور کبھی کسی اور کو صاحب اختیار اور حاجت روا سمجھ کر اس سے مدد طلب نہیں کرے گا اور دعا نہیں مانگے گا۔

اور ایک جگہ تو اس توحید فی العبادۃ اور توحید فی الدعاء کی تعلیم کو قرآن مجید نے اس حیثیت سے پیش کیا ہے کہ گویا یہی قرآن اور قرآن لانے والے اللہ کے آخری پیغمبرؐ کی اصل دعوت ہے اور یہی گویا دینی دعوت کا اصل مقصد و مدعا اور مرکزی نقطہ ہے۔ پڑھیے سورۂ یونس کے آخری رکوع کی یہ آیتیں:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِيْ شَكٍّ مِّنْ دِيْنِيْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِيْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ وَاُمِرْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ وَاَنْ اَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝ وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ فَاِنْ فَعَلْتَ فَاِنَّكَ اِذًا مِّنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ وَاِنْ يُّرِدْكَ بِخَيْرٍ فَلَا رَآدَّ لِفَضْلِهٖ يُصِيْبُ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَهُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ (سورۂ یونس ۱۰: رکوع ۱۱)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! آپ ان لوگوں سے کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں میرے دین اور میرے طریقے کے بارے میں کوئی شک و شبہ ہے تو سن لو میں صاف صاف کہتا ہوں (کہ میرا دین اور میرا طریقہ یہ ہے کہ) اللہ کے سوا تم جن ہستیوں کی عبادت اور پرستش کرتے ہو میں ان کی عبادت نہیں کرتا، بلکہ میں صرف اللہ کی عبادت کرتا ہوں

جو تم پر موت طاری کرتا ہے، اور مجھے اسی اللہ کا حکم ہے کہ میں ایمان والوں کے زمرے میں ہو جاؤں اور یہ کہ سیدھا کرو اپنا رخ، اللہ تعالیٰ کی اطاعت اور عبادت کے لیے اور ہر گز نہ ہو مشرکوں میں سے۔ اور نہ پکارو اللہ کے سوا ان ہستیوں کو جو نہ تمہیں کوئی نفع پہنچا سکتی ہیں نہ کوئی تکلیف دے سکتی ہیں اور اگر تم نے ایسا کیا تو پھر تم ظالموں میں سے ہو جاؤ گے۔ اور یقین کرو کہ اگر اللہ تمہیں کوئی پہنچائے تو اللہ کے سوا کوئی اس کو دور کر سکنے والا نہیں، اور اگر وہ تمہارے لیے کسی بھلائی کا ارادہ کرے اور اپنی رحمت سے نوازنا چاہے تو اس کے فضل و کرم کو روک سکنے والا کوئی نہیں۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے نوازے اور نصیب فرمائے۔ وہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔

ان آیتوں میں قرآن کے لانے والے پیغمبر ﷺ سے اعلان کرایا گیا ہے کہ میرا دین اور میرا طریقہ جس کی طرف اے لوگو! میں تم سب کو بھی دعوت دیتا ہوں، اس کا بنیادی اصول اور خاص مرکزی نطقہ یہ ہے کہ صرف ایک اللہ کی عبادت کی جائے اور صرف اسی کو سب کے نفع و نقصان اور خیر و شر اور بناؤ بگاڑ کا مالک و مختار یقین کرتے ہوئے اپنی حاجتوں اور پریشانیوں میں صرف اسی کو پکارا جائے۔ اسی سے مدد مانگی جائے اور اسی سے دعا کی جائے اور اس معاملے میں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے۔

توحید کا آخری تکمیلی سبق

توحید کے متعلق قرآن مجید کی جو تعلیم یہاں تک پیش کی گئی ہے وہ بھی یقیناً قرآن مجید کا اور اسلام کا امتیاز ہے اور اس دنیا کے کسی دوسرے دینی صحیفہ اور کسی ہدایت نامہ میں، اور کسی ہادی اور پیشوا کی تعلیم میں توحید کا ایسا جامع اور مکمل درس جہاں تک ہمیں علم ہے موجود نہیں ہے۔ لیکن قرآن نے اس سب سے بھی آگے بڑھ کر تعلیم توحید کے سلسلے میں ایک اور ایسی بات کہی ہے جس کو توحید کا آخری تکمیلی سبق کہا جا سکتا ہے۔ سورۂ انعام کے آخری رکوع میں خود قرآن کے لانے والے رسول ﷺ کو مخاطب کر کے ارشاد فرمایا گیا ہے:

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ۝ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَبِذٰلِکَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ۝ (سورۂ انعام ٦: رکوع ٢٠)

ترجمہ: آپ ﷺ اعلان کیجئے کہ میری نماز اور میری ہر قسم کی عبادت اور قربانی اور میرا جینا اور مرنا سب کچھ اللہ رب العالمین کے لیے ہے، جس کا کوئی شریک نہیں، مجھے یہی حکم دیا گیا ہے، اور میں سب سے پہلے سر اطاعت خم کرنے والا ہوں۔

اس آیت میں رسول اللہ ﷺ سے اعلان کرایا گیا ہے کہ:

میری نماز اور میری ساری عبادات صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں اور اسی طرح میری پوری زندگی اور میری موت بھی اللہ تعالیٰ وحدہٗ لا شریک ہی کے لیے ہے، اور مجھے اسی کا حکم ہے کہ نماز و عبادت کی طرح میری ساری زندگی بلکہ میری موت بھی اللہ تعالیٰ کے لیے ہو، میں جو کچھ کروں اسی کے لیے کروں، اور اسی کے حکم کے مطابق کروں، اور اسی کی فرمانبرداری میں جیوں اور مروں۔ اور اپنے مالک کے اس حکم پر میں سب سے پہلے سر اطاعت جھکاتا ہوں اور زندگی کا ہر لمحہ اس کی رضاجوئی اور اسی کی عبدیت و بندگی میں گزارنے کا فیصلہ کرتا ہوں۔

بلاشبہ توحید کا اعلیٰ درجہ یہی ہے کہ بندہ اپنے آپ کو کلی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبدیت میں دے دے، وہ طے کر لے کہ میں اور میری موت وحیات اور میرا سب کچھ بس اللہ کے لیے ہے، اسی کے واسطے اور اسی کے حکم پر مجھے جینا اور مرنا ہے۔

قرآن مجید میں توحید کے اس آخری اور تکمیلی سبق کے لیے جو یہ پیرایہ اختیار کیا گیا کہ رسول اللہ ﷺ! کو اپنے متعلق یہ اعلان کرنے کا حکم دیا گیا تو اس میں ایک خاص حکمت اور مصلحت غالباً یہ بھی ہے کہ جب کوئی پیغمبر خود اپنی ہی زبان سے دنیا کو اپنے متعلق یہ بتائے کہ میری ساری نیاز مندیاں اور عبادت گزاریاں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور میرا جینا مرنا بھی اسی کے واسطے ہے، اور میں سب سے پہلے اس کے ہر حکم پر سر اطاعت خم کرنے والا ہوں، یعنی بندگی اور سر افگندگی کے وصف میں بھی سب سے آگے اور سب کا پیشرو ہوں۔ تو پھر کسی کے لیے اس کی بالکل گنجائش نہیں رہتی کہ وہ اس پیغمبر کو خدا یا خدائی میں شریک سمجھے۔

یہ واقعہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کو خاتم الانبیاء اور سید الرسل ماننے والی امت کے لیے توحید کے باب میں سب سے بڑا خطرہ یہی تھا کہ آپ ﷺ کے غیر معمولی کمالات اور معجزات سے مبہوت ہو کر عیسیٰ علیہ السلام کی طرح آپ ﷺ کو بھی خدا یا شریک خدا سمجھ لیا جاتا، اسی لیے قرآن مجید میں آپ ﷺ کی عبدیت و بشریت اور اللہ تعالیٰ کے حضور میں آپ ﷺ کی نیاز مندی اور

سرافگندگی کو جابجا اجاگر کیا گیا ہے اور اس کے لیے اکثر مقامات پر یہ پیرایۂ بیان اختیار کیا گیا ہے کہ خود آپ ﷺ کی زبان سے اس کا اعلان و اظہار کرایا گیا ہے۔ کہیں ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُوْحٰٓى اِلَيَّ اَنَّمَآ اِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ فَاسْتَقِيْمُوْٓا اِلَيْهِ وَاسْتَغْفِرُوْهُ وَوَيْلٌ لِّلْمُشْرِكِيْنَ ۝ (حٰم سجدہ ۴۱: رکوع ۱)

ترجمہ: اے رسول ﷺ! آپ ﷺ اعلان فرما دیجئے کہ میں بھی بس تم جیسا ایک انسان ہوں، میری طرف اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ وحی کی جاتی ہے کہ تمہارا معبود ایک ہی معبود ہے، بس تم اسی کی طرف سیدھ باندھ لو اور اس سے بخشش طلب کرو، اور مشرکوں کے لیے بڑی خرابی ہے۔

کہیں ارشاد ہے:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل ۱۷: رکوع ۱۰)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! آپ ﷺ ان کو کہئے کہ پاک ہے میرا پروردگار (اسے سب کچھ قدرت ہے اور میں تو بس ایک آدمی ہوں اللہ کا پیغام لانے والا۔

کہیں ارشاد فرمایا گیا:

قُلْ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّيْ لَنْ يُّجِيْرَنِيْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ وَّلَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ (سورۂ جن ۷۲: رکوع ۲)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! آپ ﷺ اعلان کر دیجئے کہ میں اختیار نہیں رکھتا تمہیں کوئی نقصان پہنچانے کا اور نہ کسی بھلائی سے ہمکنار کرنے کا (اور) اعلان کر دیجئے کہ (اللہ اگر مجھے پکڑنا چاہے تو) ہرگز نہیں بچا سکتا کوئی مجھے اللہ تعالیٰ کی گرفت سے اور نہ ہرگز میں اس کے دامن رحمت کے سوا کہیں پناہ پا سکتا ہوں۔

اور ایک جگہ حکم فرمایا گیا:

قُلْ لَّآ اَمْلِكُ لِنَفْسِيْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ۚ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ ۚ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ ۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ وَّبَشِيْرٌ ۔ (سورہ اعراف ۷: رکوع ۲۳)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! اعلان کر دیجئے کہ میں تو خود اپنی جان کے نفع اور نقصان کا بھی اختیار نہیں رکھتا مگر جو خدا چاہے، اور اگر میں غیب دان ہوتا تو بہت سے منافع

سمیٹ لیا کرتا اور مجھے کوئی گزند زندگی نہ چھوتا، میں تو بس عذاب کے خطرہ سے خبردار کرنے والا اور بشارت سنانے والا ہوں۔

امت محمدی کو شرک کے اس خطرے سے بچانے کے لیے قرآن کریم میں ایک خاص اہتمام یہ بھی کیا گیا ہے کہ جن جن مقامات پر رسول اللہ ﷺ کے غیر معمولی کمالات اور خاص الخاص بلندیوں کا ذکر آیا ہے، وہاں خصوصیت سے آپؐ کے لیے عبد (بندہ) کا لفظ بولا گیا ہے۔ چنانچہ معراج میں جو انتہائی ترقی اور بلندی آپ ﷺ کو حاصل ہوئی (جو آپ ﷺ کے سوا کسی نبی اور کسی فرشتے کو بھی حاصل نہیں ہوئی) اس کو قرآن مجید نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا۔ (بنی اسرائیل ۱۷: رکوع ۱)

ترجمہ: پاک ذات ہے وہ جو رات میں لے گیا اپنے بندے کو۔

اور اسی سفر معراج کے سلسلے میں جہاں سورۂ النجم میں مقام قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی تک رسول اللہ ﷺ کا پہنچنا ذکر کیا گیا ہے وہاں بھی فَاَوْحٰٓی اِلٰی عَبْدِهٖ مَآ اَوْحٰی فرما کر آپ ﷺ کے مقام عبدیت کو یاد دلایا گیا ہے۔

اس موقع پر یہ بات بھی ذکر کرنے کے لائق ہے کہ شہادت کے جس کلمہ کو اسلام کی بنیاد قرار دیا گیا ہے یعنی اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ اس میں جس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی شہادت اور اس کا اعلان واقرار ہے، اسی طرح اس حقیقت کا بھی اعلان واقرار ہے کہ محمد ﷺ کی رسالت کی شہادت کے ساتھ آپ ﷺ کی عبدیت اور بندگی کی شہادت بھی جزوِ ایمان قرار دی گئی ہے جس کے بغیر کوئی آدمی مسلمان ہی نہیں ہو سکتا۔

ان اوراق میں اگرچہ صرف قرآنی دعوت و تعلیم پیش کرنے کا ارادہ کیا گیا ہے لیکن اس موقع پر رسول اللہ ﷺ کے بعض وہ ارشادات بھی نقل کر دینے کو بے اختیار جی چاہتا ہے جن میں آپ ﷺ نے اپنی عبدیت کا بے لاگ اظہار فرمایا ہے اور امت کو اس گمراہی سے بچانے کی امکانی کوشش فرمائی ہے جس میں آپ ﷺ سے پہلے پیغمبر حضرت مسیح علیہ السلام کی امت اور بعض دوسری امتیں مبتلا ہوئیں۔ آپ ﷺ کا مشہور ارشاد ہے:

لَا تُطْرُوْنِیْ كَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَآ اَنَا عَبْدُهٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ۔ (رواہ البخاری ومسلم عن عمرؓ)۔ (مشکوٰۃ شریف کتاب الادب)۔

ترجمہ: عیسائیوں نے جس طرح عیسیٰ ابن مریم کو حد سے بڑھایا، خبردار تم میرے ساتھ ایسا نہ کرنا، میں بس اللہ کا بندہ ہوں، اس لیے (مجھے بندگی اور پیغمبری ہی کے مقام پر رکھنا اور) اللہ کا بندہ اور رسول ہی کہنا۔

ایک دوسری حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک موقع پر اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو تاکید فرمائی:

لَا تَرْفَعُوْنِیْ فَوْقَ حَقِّیْ فَاِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی قَدِ اتَّخَذَنِیْ عَبْدًا قَبْلَ اَنْ یَّتَّخِذَنِیْ رَسُوْلًا۔

(رواہ الطبرانی فی الکبیر والحاکم فی المستدرک) کنزل العمال ج ۱ ص ۲۲

ترجمہ: تم مجھ کو میرے اصل مرتبے سے مت بڑھاؤ، اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا رسول قرار دینے سے پہلے اپنا بندہ بنایا ہے (پس میں رسول ہونے سے بھی پہلے بندہ ہوں۔

ایک موقع پر بعض صحابہ سے اظہار عظمت و عقیدت میں کچھ بے اعتدالی اور لغزش ہو گئی تو آپ ﷺ نے سخت تنبیہ فرمائی اور ارشاد فرمایا:

لَا یَسْتَھْوِیَنَّکُمُ الشَّیْطَانُ اَنَا مُحَمَّدُ بْنُ عَبْدِاللّٰہِ عَبْدُاللّٰہِ وَ رَسُوْلُہٗ مَا اُحِبُّ اَنْ تَرْفَعُوْنِیْ فَوْقَ مَنْزِلَتِیَ الَّتِیْ اَنْزَلَنِیَ اللّٰہُ۔

(رواہ احمد و عبد بن حمید و سعید بن منصور والبیہقی فی شعب الایمان) کنزل العمال ج ۲ ص ۳۲

ترجمہ: لوگو تمہیں شیطان گمراہ نہ کر دے، میں عبد اللہ کا بیٹا ہوں، اللہ کا بندہ ہوں اور اس کا رسول، مجھے یہ بات اچھی نہیں لگتی کہ تم مجھے میرے اس مرتبے سے اوپر اٹھاؤ، جہاں اللہ تعالیٰ نے مجھے رکھا ہے۔

ایک دفعہ کسی صحابی کی زبان سے سلسلہ کلام میں نکل گیا: مَاشَآءَ اللّٰہُ وَشِئْتَ (یعنی وہ ہوگا جو اللہ چاہے، اور جو آپ ﷺ چاہیں، آپ ﷺ اس پر سخت برہم ہوئے، اور فرمایا:

جَعَلْتَنِیْ لِلّٰہِ نِدًّا اَبَلْ مَا شَآءَ اللّٰہُ وَحْدَہٗ۔ (رواہ الطبرانی فی الکبیر۔ کنزالعمال ج ۲ ص ۱۳۳)

تم نے مجھ کو خدا کے برابر کر دیا، یوں نہیں، بلکہ یوں کہو کہ جو تنہا خدا چاہے وہ ہوگا۔

آپ ﷺ کے سامنے بعض اگلی امتوں کا یہ تجربہ تھا کہ اللہ تعالیٰ کے جن نبیوں نے زندگی بھر توحید کی راہ میں جدوجہد کی اور شرک کی بیخ کنی میں اپنی عمر صرف کر دی، ان ہی کے امتیوں نے ان پیغمبروں کی وفات کے بعد ان کی قبروں کو سجدہ گاہ اور اپنا معبود بنالیا۔ اس لیے آپ ﷺ نے پہلے

سے آگاہی دی اور پیش بندی فرمائی:

اِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِھِمْ مَسَاجِدَ فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّیْ اَنْھَاکُمْ عَنْ ذَالِكَ۔ (رواہ مسلم عن جندب بن عبداللہ)

ترجمہ: تم سے پہلی بعض امتوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا تھا، دیکھو تم قبروں کو سجدہ گاہ نہ بنالینا، میں تم کو صاف صاف اس سے منع کرتا ہوں۔

اور وفات سے کچھ ہی پہلے اپنے آخری مرض میں اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائی:

اَللّٰھُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِیْ وَثَنًا یُّعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی قَوْمٍ اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِھِمْ مَسَاجِدَ۔ (موطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ)

ترجمہ: اے میرے اللہ! ایسا نہ ہو کہ میری قبر بت کے مانند ہو جائے جس کی لوگ پرستش اور پوجا کریں، اللہ کا سخت غضب ان لوگوں پر ہوا ہے جنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنایا۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے قرآن لانے والے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ سارے ارشادات اور لغی پرستش کے امکانات کو قطعی طور سے ختم کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ صریح تنبیہات اور تاکیدات دراصل قرآن مجید ہی کی تعلیم و توحید کی تشریح و تفسیر ہیں۔

اللہ تعالیٰ اپنے اس پاک پیغمبر پر اپنی بے انتہا رحمتیں نازل فرمائے جس نے توحید کی تعلیم کو اس قدر صاف اور اجلا کر کے دنیا کے سامنے پیش کیا اور شرک کے ہر امکانی راستے کو بند کیا۔

شرک اور مشرکین کی سخت مذمت اور ان سے اعلان بیزاری

قرآن مجید نے دعوتِ توحید کے سلسلے میں بہت سے مقامات پر یہ پیرایہ بھی اختیار کیا ہے کہ توحید کی تعلیم سے بغاوت کرنے والے مشرکین اور ان کے شرک کے نہایت برے انجام سے لوگوں کو ڈرایا ہے اور ان سے اللہ تعالیٰ کی انتہائی ناراضی اور بیزاری کا اعلان فرمایا ہے، اس سلسلے کی بھی چند آیتیں پڑھ لیجئے۔ سورۂ نساء میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔ (النساء ۴: رکوع ۱۸)

ترجمہ: اللہ معاف نہیں کرے گا اور نہیں بخشے گا اس گناہ کو کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک کیا جائے۔ اور معاف کر دے گا اس کے سوا دوسرے گناہ جس کو چاہے۔

پھر سورۂ مائدہ میں فرمایا:

اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ وَ مَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ۔ (سورۂ مائدہ ۵: رکوع ۱۰)

ترجمہ: یہ بات یقینی ہے کہ جو کوئی اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شرک کرے اللہ تعالیٰ نے اس پر جنّت حرام کر دی ہے اور اس کا مستقل ٹھکانہ دوزخ ہی ہے اور ان ظالموں کا کوئی حمایتی اور مدد گار نہیں۔ (جو ان کو عذاب سے چھڑا سکے)۔

اور اسی واسطے کہ شرک قطعاً ناقابلِ معافی جرم ہے اور ہر مشرک کے لیے جہنم میں جھونکے جانے کا قطعی فیصلہ ہو چکا ہے، خود رسول اللہ ﷺ کو، اور سب ایمان والوں کو یہ حکم سنایا گیا کہ خبردار کسی مشرک کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت اور بخشش کی دعا بھی نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ ان ظالموں ناپاکوں کے حق میں بخشش کی دعا بھی نہیں سننا چاہتا۔ فرمایا گیا:

مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْٓا اُولِيْ قُرْبٰى۔
(التوبہ ۹: رکوع ۱۴)

ترجمہ: پیغمبر کو اور ایمان والوں کو نہیں چاہیے کہ وہ مشرکوں کے حق میں مغفرت اور بخشش کی دعا کریں، اگرچہ وہ ان کے عزیز قریب ہی کیوں نہ ہوں۔

اور اسی سورۂ توبہ میں دوسری جگہ فرمایا گیا:

اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ۔ (التوبہ ۹: رکوع ۴)

ترجمہ: اللہ کے ساتھ شرک کرنے والے ناپاک اور پلید ہیں۔

اور اسی سورۂ میں اعلان فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ بَرِيْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَ رَسُوْلُهٗ۔ (التوبہ ۹: رکوع ۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ بری اور بیزار ہے سارے مشرکوں سے اور اس کا رسول بھی بیزار ہے۔

قرآن مجید کی دعوت توحید کے سلسلے میں اگرچہ ہم نے زیادہ اختصار سے کام نہیں لیا ہے لیکن اس کے باوجود یہ حقیقت ہے کہ جو کچھ ان اوراق میں توحید کے سلسلے میں لکھا گیا اور جو کچھ ناظرین نے اس سے سمجھا، اس کو قرآن کے بیان توحید کا مشتے نمونہ از خروارے کہنا بھی

مشکل ہے۔

اللہ نے جس کو قرآن فہمی کی دولت نصیب فرمائی ہے وہ براہ راست قرآن مجید میں تدبر کر کے ہی اس کی دعوت توحید کے زور و قوت اور اس کی وسعتوں اور لطافتوں کو سمجھ سکتا ہے بلکہ وہ بھی جب تک اور جہاں تک غور کرتا رہے گا، اس کو یہی محسوس ہوتا رہے گا کہ اب تک میں نے جو کچھ سمجھا قرآن میں اس سے بہت زیادہ ہے۔

نہ حسنش غایتے دارد نہ سعدی راسخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی و دریا ہمچناں باقی!

☆☆☆

آخرت

قرآن مجید جن حقیقتوں کو ماننے، قبول کرنے اور ان پر ایمان لانے کی پورے زور سے دعوت دیتا ہے اور ان کی زندگی کی بنیاد بنانے پر پوری شدت کے ساتھ اصرار کرتا ہے ان میں اللہ تعالیٰ کی ہستی اور اس کی صفات اور توحید کے بعد آخرت کا مسئلہ ہے۔

یعنی قرآن مجید کہتا ہے کہ جس طرح اپنے سر کی آنکھوں سے خدا کو نہ دیکھنے اور اپنے کانوں سے اس کی آواز نہ سننے کے باوجود تمہارے نزدیک خدا کی ہستی ہے اور اس کا ہونا ایک ایسی حقیقت ہے جس سے کسی کی سلیم فطرت انکار نہیں کر سکتی۔ اسی طرح یہ بھی ایک حقیقت ہے جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اس دنیوی زندگی کے بعد ایک اور زندگی ہے اور وہ زندگی اس دنیوی زندگی کی طرح عارضی اور چند روزہ نہیں ہے بلکہ دوامی ہے، اور ہر حیثیت سے اس زندگی کے مقابلے میں ہزاروں لاکھوں گنا بڑھی چڑھی ہے اور اس زندگی میں ہماری اس دنیوی زندگی کی نیکیوں اور بداعمالیوں کی جزا اور سزا ملے گی۔

اللہ کی ہستی اور اس کی صفات کی طرح آخرت کا مسئلہ بھی چونکہ دین و مذہب کے لیے بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے، اس لیے اللہ کے سارے پیغمبروں اور اس کی نازل کی ہوئی سب کتابوں نے آخرت کو ماننے اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی اور قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اس لیے اس میں تو آخرت کے مسئلے پر اتنا زور دیا گیا اور مختلف پہلوؤں سے اس پر اتنی روشنی ڈالی کہ بلا مبالغہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا بہت زیادہ حصہ آخرت ہی کے بیان سے متعلق ہے۔

قرآن مجید آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دینے کے ساتھ غور و فکر کرنے والے انسانوں کے یہ بھی بتلاتا ہے کہ آخرت کیوں ضروری ہے اور اس کا انکار کتنی سنگین گمراہی ہے اور اس کے کیا نتائج ہیں اور اس کے بارے میں جو شبہات جاہلوں اور ناخدا شناسوں کو ہوتے ہیں وہ کس قدر سفیہانہ اور احمقانہ ہیں۔

پھر قرآن مجید کسی قدر تفصیل سے یہ بھی بتلاتا ہے کہ آخرت میں کیا کیا سامنے آنے والا

ہے ؟ نیکو کاروں اور اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں کو کیا کیا انعامات ملنے والے ہیں اور ان کے لیے خوشی عیش اور لذت اندوزی کے وہاں کیا کیا سامان ہیں ؟ اور بدکاروں اور اللہ کے نافرمانوں کے لیے وہاں کیسے کیسے لرزہ خیز عذاب ہیں، جنّت میں کیسی کیسی لذتیں اور بہاریں ہیں اور دوزخ میں کیسی کیسی ہوشربا تکلیفیں اور دردناک سزائیں ہیں۔

آخرت کیوں ضروری ہے ؟

سب سے پہلے آخرت کے ضروری اور یقینی ہونے کے متعلق قرآن مجید کا بیان سنئے:

قرآن کہتا ہے کہ اگر زندگی اسی دنیا پر ختم ہو جائے اور اس کے بعد کوئی اور زندگی نہ ہو تو پھر یہ سارا کارخانہ عالم بالکل بے مقصد ہنگامہ اور بے معنی تماشا اور اپنے پیدا کرنے والے کا ایک عبث فعل ٹھہرتا ہے اور پھر اس کی تخلیق کی کوئی ایسی توجیہ نہیں کی جا سکتی جو اس علیم و حکیم خالق کے شایانِ شان ہو۔

اس کو ذرا تفصیل سے یوں سمجھئے کہ ذرا سا غور و فکر کرنے سے صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ اس پورے کارخانۂ عالم میں بنی نوع انسان کی حیثیت اور اس کا درجہ وہی ہے جو ایک گھر میں گھر والے آدمی کا ہوتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جس طرح گھر میں گھر کے آدمیوں کے علاوہ بہت سی چیزیں ہوتی ہیں مثلاً کھانے پینے کی چیزیں، پہننے کے کپڑے فرش فروش، تخت، قالین، پلنگ، بسترے، الماریاں، میز، کرسی، آئینہ اور دوسرے زینت و آرائش کے سامان، اسی طرح کھانے پینے کے برتن، روشنی کے لیے بجلی کے قمقمے یا لیمپ وغیرہ، سواری کے لیے سائیکل، موٹر، یا سواری کے جانور، جی بہلانے کے لیے طوطا، مینا، کبوتر جیسے پرندے یا بلی کتے، علیٰ ہذا بچوں کے قسم قسم کے کھیل کھلونے۔ لیکن ان میں سے کوئی چیز بھی خود مقصود نہیں بلکہ ہر چیز گھر میں اس لیے رکھی جاتی ہے کہ انسان اس سے کام لے خواہ وہ جی بہلانے کا یا گھر کی زینت و آرائش کا یا بچوں کے کھیلنے ہی کا کام کیوں نہ ہو۔

پس اسی طرح اس پورے کارخانۂ عالم میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے سوا یہاں جو کچھ بھی ہے، زمین، پہاڑ، ہوا، پانی، دریا، نہریں، چاند، سورج، چرند، پرند، نباتات، معدنیات، سب کی سب انسان کے لیے ہیں۔ گویا اس پوری کائنات میں اصل مقصود صرف انسان ہے اور زمین و آسمان کا یہ سارا کارخانہ صرف انسان کے لیے وجود میں لایا گیا ہے۔ اور یہ ایک

بالکل کھلی ہوئی حقیقت ہے کہ انسان کی اس دنیا کی یہ چند روزہ زندگی خواب و خیال سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی اور پھر فی صدی ایک دو بھی تو ایسے نہیں ہیں جو اپنی اس زندگی سے خوش اور مطمئن ہوں بلکہ اس ناچیز راقم سطور کا خیال ہے کہ اگر آخرت کی وہ زندگی نہ ہوتی جس کی اطلاع انبیاء علیہ السلام نے دی ہے اور قرآن مجید نے جس کو پوری تفصیل سے بیان کیا ہے تو پھر انسانوں کے لیے اس دنیا میں پیدا ہونے سے ہزاروں درجہ بہتر یہ تھا کہ وہ سرے سے پیدا ہی نہ کئے جاتے۔ بلکہ اس سے بھی ایک قدم اور آگے بڑھ کر کہتا ہوں کہ اگر آخرت کی زندگی پر ایمان نہ ہوتا تو میں اپنے پیدا کئے جانے پر احتجاج کرتا اور یہاں کی ہزاروں فکروں اور پریشانیوں والی اس چند روزہ زندگی کے مقابلے میں صرف اپنے ہی لیے نہیں بلکہ سب انسانوں کے لیے میں کسی ایسے طریقے سے خودکشی کو جائز، بلکہ بہتر سمجھتا جس میں زیادہ تکلیف نہ ہوتی۔ بہر حال اس دنیا میں پیدائش سے لے کر موت تک انسانوں کو جو چند سالوں کی زندگی ملتی ہے جس کا ابتدائی کافی حصہ بچپن کی کمزوریوں اور بے لطفیوں میں گزر جاتا ہے۔ اس کے بعد جوانی آتی ہے، جو طاقتوں اور توانائیوں کے ساتھ ہزاروں قسم کی فکروں کو اور ان خواہشوں اور امنگوں کو ساتھ لاتی ہے جن کو پورا کرنے کا ہر آدمی سامان نہیں پاتا۔ پھر جوانی کا ڈھلاؤ اور قوتوں میں اضمحلال آنا شروع ہوتا ہے، اور کچھ دنوں کے بعد بڑھاپا اپنی ساری مجبوریوں اور آزادیوں، دکھوں اور بیماریوں کے ساتھ آجاتا ہے اور بالآخر ان ہی منزلوں سے گزر کر آدمی موت کے راستے اس دنیا سے چلا جاتا ہے۔ بس یہی ہے ہر انسان کی دنیوی زندگی، بشرطیکہ اس کو پوری طبعی عمر بھی مل جائے۔ سوچئے کیا کسی کی عقل سلیم یہ مان سکتی ہے کہ انسان کی یہ زندگی کوئی ایسی بڑی چیز ہے جس کے لیے عالم ہست و بود کا یہ سارا ہنگامہ برپا کرنا درست اور قرین حکمت ہو۔

بہر حال بے چارے انسانوں کی اس چند روزہ اور بے لطف زندگی کے لیے زمین و آسمان کے اس پورے نظام کی تخلیق بلکہ خود انسان کی پیدائش بھی یقیناً ایک قابلِ اعتراض تماشا اور بے مقصد کھیل ہے۔ اگر اس دنیوی زندگی کے بعد آخرت کی وہ زندگی نہ ہو جس کی اطلاع انبیاء نے اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں نے ہم کو دی ہے۔ قرآن مجید نے اس پورے مضمون کو اپنے بلیغ معجزانہ اور نہایت مختصر الفاظ میں اس طرح ادا کیا ہے:

أَفَحَسِبْتُمْ أَنَّمَا خَلَقْنَاكُمْ عَبَثًا وَأَنَّكُمْ إِلَيْنَا لَا تُرْجَعُونَ ۞ فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا

اِلٰهَ اِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيْمِ ۝ (المومنون ۲۳: رکوع ۶)

ترجمہ: کیا تمہارا خیال ہے کہ ہم نے تم کو یوں ہی فضول اور عبث پیدا کیا ہے اور اپنی دنیوی زندگی ختم کرنے کے بعد ہماری طرف تمہاری واپسی نہیں ہوگی، سو برتر ہے اللہ تعالیٰ کی ذات جو بادشاہ حقیقی ہے ہے تنہا معبود ہے جس کے سوا کوئی قابل عبادت نہیں، وہ عرش عظیم کا مالک ہے۔

حاصل یہ ہے کہ حق تعالیٰ شانہ، جو بادشاہ حقیقی، لاشریک معبود اور رب العرش ہے اس کے بارے میں اس خیال اور گمان کی قطعاً گنجائش نہیں ہے کہ اس نے انسانوں کو یوں ہی بے مقصد اور فضول و عبث پیدا کیا ہو، بلکہ اس نے انسان کو ایک اہم مقصد کے لیے پیدا کیا ہے اور وہ مقصد یہ ہے کہ اس دنیا میں رہ کر وہ اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضری اور آخرت کی زندگی میں اللہ تعالیٰ کا خاص فضل وانعام حاصل کرنے کی تیاری کرے جو اس کی آخری اور اعلیٰ منزل ہے۔

پس انسان کی یہ دنیوی چند روزہ زندگی ہی اس کی نشانی اور دلیل ہے کہ اس کے بعد آخرت کی وہ پائیدار اور ترقی یافتہ زندگی بھی ہونی چاہیے جس کی خبر انبیاء علیہم السلام نے اور اللہ تعالیٰ کی کتابوں نے دی ہے، ورنہ اس دنیا میں انسان کا آنا ایک بے مقصد کھیل اور لاحاصل تماشا ہوگا۔ اور اللہ تعالیٰ کی ذات اس سے پاک اور برتر ہے۔ اسی حقیقت کو دوسری جلگہ ان الفاظ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا لٰعِبِيْنَ ۝ (سورۂ دخان ۴۴: رکوع ۲)

ترجمہ: اور ہم نے آسمانوں کو زمین کو اور جو کچھ کہ ان کے درمیان ہے کھیل تماشے کے طور پر عبث اور بے مقصد نہیں بنایا ہے۔

اور سورۂ قیامہ میں ارشاد ہے:

اَيَحْسَبُ الْاِنْسَانُ اَنْ يُّتْرَكَ سُدًى ۝ (سورۂ قیامۃ ۷۵: رکوع ۲)

ترجمہ: کیا انسان خیال کرتا ہے کہ یوں ہی مہمل چھوڑ دیا جائے گا (اپنے کیے کی جزا اور سزا نہ پائے گا۔

دراصل انسان کی دنیوی زندگی میں اور یہاں اس کی تخلیق میں معنویت جب ہی ہے جبکہ جزا اور سزا پر ایمان لایا جائے اور اس حقیقت کو مانا جائے کہ یہاں کی زندگی اگلے عالم کی، یعنی آخرت

کی اعلیٰ اور ترقی یافتہ دوامی زندگی حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ اگر اس کو نہ مانا جائے اور آخرت کا انکار کیا جائے تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ انسان کی تخلیق جیسے اللہ تعالیٰ کے باعظمت فعل کو فضول و عبث اور بے مقصد قرار دیا جائے۔ تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا

آخرت کے ضروری ہونے پر قرآن مجید کی ایک دوسری دلیل

قرآن پاک نے آخرت کے ضروری ہونے پر ایک اور پہلو سے بھی روشنی ڈالی ہے۔ اپنے خاص انداز میں قرآن پاک انسانوں کی سلیم فطرت اور عقل سلیم کو مخاطب کر کے کہتا ہے کہ تم دیکھتے ہو کہ اس دنیا میں برائی اور بھلائی موجود ہے، لیکن اس کی سزا اور جزا جو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل کا تقاضا ہے یہاں نہیں ملتی، اس لیے یہ ضروری ہے کہ اس دنیوی زندگی کے بعد کوئی اور زندگی ہو جس میں نیک بختوں کو ان کی نیکو کاریوں کی جزا اور مجرموں کو ان کی بدکاریوں کی سزا ملے۔ اگر ایسا نہ ہو تو اس دنیا کے خالق اور پروردگار پر اس سے بڑا الزام آئے گا۔

اس کو ذرا تفصیل سے یوں سمجھئے کہ اس دنیا میں سب دیکھتے ہیں کہ بہت سے پیشہ ور ظالم بدمعاش عُمر بھر بڑے بڑے پاپ کرتے ہیں، لوگوں کے جان و مال پر ڈاکے ڈالتے ہیں، کمزوروں پر ظلم کرتے ہیں، بندگانِ خدا کے حق مارتے ہیں، غریبوں کو ستاتے ہیں رشوتیں لیتے اور خیانتیں کرتے ہیں اور عُمر بھر عیش کرتے ہوئے اولاد کے لیے بھی بہت کچھ سامانِ عیش چھوڑ کر اس دنیا سے چلے جاتے ہیں اور اس کے برعکس اللہ تعالیٰ کے بہت سے بندوں کو اس حال میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ وہ بے چارے بڑی نیکی اور پارسائی کی زندگی گزارتے ہیں، کسی پر ظلم نہیں کرتے، کسی کے ساتھ دغا اور دھوکہ نہیں کرتے، کسی کا حق نہیں مارتے، اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی کرتے ہیں، اس کی مخلوق کی خدمت بھی کرتے ہیں۔ اس کے باوجود ان کی زندگی تنگی اور تکلیف سے گزرتی ہے، کبھی کوئی بیماری آزاری ہے، کبھی کوئی تکلیف اور پریشانی ہے اور بے چارے اسی حال میں دنیا سے چلے بھی جاتے ہیں، اور نہیں دیکھا جاتا کہ ان کی اس نیکی اور پارسائی کا کوئی بھی صلہ ان کو اس دنیا میں ملا ہو۔

پس اگر اس دنیوی زندگی کے بعد بھی کوئی اور ایسی زندگی نہ ہو جہاں ان بدکاروں اور نیکوکاروں کو اپنے کیے کی جزا و سزا ملے تو یقیناً خدا پر الزام آئے گا کہ اس کے یہاں دنیا کی بے انصاف حکومتوں سے بھی زیادہ اندھیر ہے، نہ نیکوکاروں کی نیکی کچھ قدر ہے اور نہ ظالموں

بد کاروں کی اور بد معاشی کی کوئی سزا ہے، بلکہ سارے پارساؤں، پرہیز گاروں اور چوروں وڈاکوؤں کے ساتھ اندھیر نگری والا ایک ہی برتاؤ ہے اور ظاہر ہے کہ کوئی سلیم عقل اس کو قبول نہیں جبکہ وہ شریفوں اور شریروں اور پرہیزگاروں اور پیشہ ور بد معاشوں کے ساتھ یکساں برتاؤ کرے۔ قرآن مجید اسی بات کو اپنے نہایت مختصر اور بلیغ و معجزانہ الفاظ میں اس طرح کہتا ہے:

اَفَنَجۡعَلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ کَالۡمُجۡرِمِیۡنَ ۝ (القلم ۶۸: رکوع ۲)

ترجمہ: کیا ہم فرمانبرداروں کو مجرموں نافرمانوں کے برابر کردیں گے؟ (یعنی ایسا ہرگز نہیں ہوگا)۔

ایک دوسری جگہ ارشاد ہے:

اَمۡ نَجۡعَلُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ کَالۡمُفۡسِدِیۡنَ فِی الۡاَرۡضِ ۫ اَمۡ نَجۡعَلُ الۡمُتَّقِیۡنَ کَالۡفُجَّارِ ۝ (سورۂ ص ۳۸: رکوع ۳)

ترجمہ: کیا ہم ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور جنہوں نے نیک اعمال کئے ان لوگوں کے برابر کردیں گے جو دنیا میں فساد برپا کرتے پھرتے ہیں، کیا ہم پرہیزگاروں اور بدکاروں کے ساتھ یکساں برتاؤ کریں گے (ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا)۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

اَمۡ حَسِبَ الَّذِیۡنَ اجۡتَرَحُوا السَّیِّاٰتِ اَنۡ نَّجۡعَلَہُمۡ کَالَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ سَوَآءً مَّحۡیَاہُمۡ وَ مَمَاتُہُمۡ ؕ سَآءَ مَا یَحۡکُمُوۡنَ ۝ (سورۂ جاثیہ ۴۵: رکوع ۲)

ترجمہ: یہ لوگ جنہوں نے جرائم اور بدکاریوں کو اختیار کرلیا ہے کیا ان کا خیال ہے کہ ہم ان مجرموں کو اپنے مومن و صالح بندوں کے ساتھ رکھیں گے کہ ان کی زندگی اور ان کی موت یکساں ہو، بُرا ہے ان کا یہ فیصلہ اور بالکل غلط ہے ان کا یہ خیال۔

قرآن مجید کی اس دوسری دلیل کو دوسرے الفاظ میں یوں بھی ادا کیا جاسکتا ہے کہ اس دنیا میں ہم دیکھتے ہیں کہ ہر مادی چیز کے بھی کچھ خواص اور آثار ہیں۔ مثلاً آگ میں گرمی اور جلانے کی خاصیت ہے۔ پانی میں ٹھنڈک اور بجھانے کی خاصیت ہے، زمین سے اگنے والی ہر جڑی بوٹی میں کوئی نہ کوئی خاصیت ہے حتیٰ کہ زمین کے کیڑے مکوڑوں میں بھی کچھ خواص ہیں، اور اسی طرح انسان کے ہر مادی عمل اور ہر حیوانی فعل کے بھی آثار اور نتائج ہوتے ہیں۔ مثلاً کھانا کھانے

سے پیٹ بھرتا ہے اور بھوک مٹ جاتی ہے۔ پانی پینے سے سیرابی حاصل ہوتی ہے اور پیاس دفع ہوتی ہے۔ دوڑنے بھاگنے سے آدمی تھکتا ہے اور جسم سے پسینہ نکلتا ہے۔ سخت چیز کھانے سے پیٹ میں درد ہوتا ہے، دست آور چیز کھانے سے دست آجاتے ہیں۔

پس ضروری ہے کہ انسان کے اچھے یا بُرے اخلاقی اعمال (جو مادی اعمال و افعال سے یقیناً زیادہ اہم اور دوررس ہیں) ان کے بھی کچھ آثار اور نتائج ہوں۔ مثلاً ایک شخص ہے جو خود بھوکا رہ کر دوسرے بھوکوں کو کھانا کھلاتا ہے۔ مشقت اٹھا کے اور دور دراز سے پانی لا کر پیاسوں کو پانی پلاتا ہے، غریبوں، کمزوروں کی خدمت کرتا ہے۔ مریضوں کی تیمارداری کرتا ہے اور اس دنیا میں اپنی اس نیک کرداری اور مخلصانہ خدمت سے کوئی نفع نہیں اٹھاتا تو ہماری عقل کا تقاضا ہے کہ اس کی یہ بلند ترین اخلاقی نیکیاں بے اثر اور بے نتیجہ نہ رہیں اور ان کا جو نتیجہ یا اثر ہونا چاہیے وہ کبھی نہ کبھی ظہور میں آئے۔ اسی طرح جو شخص مثلاً جیب تراشی اور چوری کو اپنا پیشہ بنا لیتا ہے یا جو جلاد دوسروں پر ظلم کرتا ہے، ان کے حقوق غصب کرتا ہے، رشوتیں لیتا ہے، کمزور پڑوسیوں کو ستاتا ہے یا اسی قسم کی دوسری اخلاقی بداعمالیاں کرتا ہے اور اس دنیا میں اس کی ان بدکاریوں کا کوئی اثر اور نتیجہ ظاہر نہیں ہوتا تو اس شخص کے بارے میں بھی ہماری عقل پورے یقین کے ساتھ فیصلہ کرتی ہے کہ اس کی ان بدمعاشیوں اور بداعمالیوں کا نتیجہ کبھی نہ کبھی ضرور ظاہر ہونا چاہیے اور اس کو ان کا خمیازہ بھگتنا چاہیے۔ عقلِ سلیم اس کو کسی طرح نہیں قبول کر سکتی کہ اشرف المخلوقات انسان جو اس کائنات میں سب سے زیادہ ذمہ دار مخلوق ہے (بلکہ وہی اصل مقصود ہے اور باقی جو کچھ ہے یہ سب اس کے لیے ہے) اس کے ایسے ایسے اہم اور دوررس اچھے یا برے اعمال کا کوئی بھی اثر اور کوئی بھی نتیجہ نہ ہو۔ اگر ایسا ہو تو یہ اس عالم کی فطرت اور اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کے بالکل خلاف ہوگا جس پر اللہ تعالیٰ نے اس عالم کو پیدا کیا ہے۔ سورۂ جاثیہ کی جو آیت ابھی اوپر تلاوت کی گئی ہے اس سے بالکل متصل آیت ہے:

وَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ بِالْحَقِّ وَ لِتُجْزٰى كُلُّ نَفْسٍۭ بِمَا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ۝ (سورۂ جاثیہ ۴۵: رکوع ۳)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو اور زمین کو (اور یہاں کی ہر چیز کو) صحیح اور حکیمانہ اصول پر پیدا کیا ہے اور تاکہ ہر شخص کو اس کے کیے کا پورا پورا بدلہ دیا جائے اور ان پر

ذرا ظلم نہ کیا جائے گا۔

آخرت کے بارے میں جاہلانہ واحمقانہ شبہات اور شیطانی وساوس

قرآن مجید نے ایک طرف تو آخرت کے ضروری اور یقینی ہونے پر روشنی ڈالی اور اس پر ایمان لانے کی دعوت دی اور دوسری طرف ان جاہلانہ اور احمقانہ شبہات و وساوس کو صاف کیا جو کم غور و فکر کرنے والے عام ذہنوں میں آخرت کے بارے میں پیدا ہوتے ہیں یا ایمان اور حق کی راہ سے لوگوں کو روکنے والے شیاطین ان کو پھیلاتے ہیں اور ان کا پروپگنڈہ کرتے ہیں۔

قرآن پاک نے جابجا منکرین کے ان شبہات و وساوس کو نقل بھی کیا ہے اور پھر اپنے خاص اطمینان آفرین انداز میں ان کے ایسے جوابات دیئے ہیں، اور آخرت کو سمجھانے کے لیے ایسے شواہد و نظائر پیش کئے ہیں کہ دل بالکل مطمئن ہو جاتا ہے اور کسی بھی صاحبِ عقل کے لیے انکار یا استبعاد کی گنجائش نہیں رہتی آخرت کے بارے میں سب سے زیادہ مشہور اور پرانا شبہ وہی استبعاد کا (یعنی سمجھ میں نہ آنے کا) اور کسی مردے کو اس دنیا میں زندہ ہوتے ہوئے نہ دیکھنے کا شبہ ہے جس کو زمانۂ نزولِ قرآن میں عرب کے منکرین آخرت بھی بار بار دہراتے تھے اور ان سے پہلے اور ان کے بعد کے منکرین بھی زیادہ تر اسی کو پیش کرتے رہے ہیں۔ قرآن مجید اپنے زمانے کے منکرین کے متعلق کہتا ہے:

بَلْ قَالُوْا مِثْلَ مَا قَالَ الْاَوَّلُوْنَ۝ قَالُوْٓا ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا وَّ عِظَامًا ءَاِنَّا لَمَبْعُوْثُوْنَ۝ (سورۂ المومنون ۲۳: رکوع ۵)

ترجمہ: بلکہ انہوں نے بالکل ویسی ہی اور وہی بات کہی جو ان سے اگلے منکرین نے کہی تھی، انہوں نے کہا: کیا جب ہم مر جائیں گے اور (زمین میں دفن ہونے کے بعد) ہم مٹی اور ہڈیوں کا ڈھیر ہو جائیں گے تو کیا ہم اس کے بعد پھر زندہ کئے جائیں گے (یعنی یہ بات تو کسی طرح سمجھ میں آنے والی نہیں ہے، نہ دنیا میں کبھی ایسا ہوا ہے)۔

ایک دوسرے موقع پر قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّ اٰبَآؤُنَآ اَئِنَّا لَمُخْرَجُوْنَ۝ (سورۂ نمل ۲۷: رکوع ۶)

ترجمہ: اور منکروں نے کہا کہ کیا جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے اور ہمارے آباؤ اجداد (جو پہلے مر کر مٹی ہو چکے ہیں) تو کیا ہم سب پھر سے پیدا کئے جائیں گے۔

ایک اور موقع پر ان ہی کا قول نقل کیا گیا ہے:

ءَاِذَا مِتْنَا وَ كُنَّا تُرَابًا ۚ ذٰلِكَ رَجْعٌۢ بَعِيْدٌ ۝ (سورہ ق ۵۰: رکوع ۱)

ترجمہ: کیا جب ہم مرجائیں گے اور خاک ہو جائیں گے (تو اس کے بعد ہم کو دوبارہ زندگی دی جائے گی) یہ واپسی یعنی دوبارہ زندگی تو بہت بعید ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ آخرت کا انکار کرنے والوں کے پاس اس انکار کی کوئی دلیل نہیں ہے یعنی کسی دلیل اور برہان سے وہ یہ ثابت نہیں کر سکتے کہ آخرت (جس کی اطلاع اللہ کے پیغمبروں نے اور اس کی کتابوں نے دی ہے) وہ ناممکن اور محال ہے۔ وہ جو کچھ کہتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں، وہ بس یہی ہے کہ مرنے اور مٹی ہو جانے کے بعد دوبارہ زندہ کیا جانا بہت مستبعد ہے اور ہماری سمجھ سے باہر ہے۔ اور ہم نے کبھی ایسا ہوتے نہیں دیکھا۔ لیکن جس شخص نے اللہ تعالیٰ کو اور اس کی صفات اور خاص کر اس کی وسیع قدرت کو کچھ جان لیا ہو اور اس کارخانۂ ہستی میں کچھ غور و فکر کیا ہو، اس کے نزدیک یہ بات سراسر جاہلانہ اور احمقانہ ہے۔

قرآن مجید نے بھی ان منکرین کو سمجھانے کے لیے یہی آسان طریقہ اختیار کیا ہے کہ ان کو بتلایا کہ تم مرنے کے بعد زندہ کئے جانے کو بہت بڑی اور بہت مشکل بات سمجھتے ہو اور صرف اسی لیے تم اس سے انکار کرتے ہو بیشک وہ بہت بڑی بات ہے لیکن جس علیم و حکیم اور قدیر و خبیر اللہ تعالیٰ نے یہ سارا عالم پیدا کیا ہے اور جو اس کو چلا رہا ہے اس کی عالیشان اور اس کی بے انتہا قدرت کے سامنے نہ یہ مشکل ہے نہ کوئی بڑی بات ہے۔ پھر اس دنیوی زندگی میں حیات بعد الموت کے جو خاص نظائر اور شواہد ہیں قرآن مجید ان کی طرف بھی ان منکرین کی رہنمائی کرتا ہے اور کہتا ہے کہ تم ان میں غور کرو۔ مثلاً اس دنیا میں خود تم جو پیدا کئے گئے ہو، اس اپنی پیدائش ہی پر غور کرو اور جنگل کی سوکھی بے جان زمین پر رحمت کا پانی برسا کر اللہ تعالیٰ جس طرح اس میں جان ڈال دیتا ہے اور اس کے نتیجہ میں چٹیل میدان جس طرح سبزہ زاروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں، ان میں غور و فکر کرو تو حیات بعد الموت کے مسئلے کو بڑی آسانی سے سمجھ لوگے اور پھر اس میں تمہارے لیے کوئی استبعاد اور استعجاب نہیں رہے گا۔

منکرین آخرت کے بے بنیاد شبہات کا جواب

قرآن مجید نے اس مسئلے پر بلا مبالغہ سینکڑوں جگہ روشنی ڈالی ہے اور منکرین آخرت کے

ان بے بنیاد استبعادات اور بے دلیل وہمی اشکالات کو جابجا رفع کیا ہے۔ چند آیتیں اس سلسلے کی یہاں بھی پڑھ لیجیے:

سورۂ یٰسین کے بالکل آخر میں آخرت کے متعلق ان ہی وہمی شبہات و وساوس کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا حوالہ دے کر منکرین کی عقلوں کو مخاطب کرکے ارشاد فرمایا گیا ہے:

اَوَلَيْسَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِقٰدِرٍ عَلٰٓی اَنْ يَّخْلُقَ مِثْلَهُمْ ؕ بَلٰی ۚ وَهُوَ الْخَلّٰقُ الْعَلِيْمُ ۞ اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْئًا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۞ (یٰسین ۳۶: رکوع ۵)

ترجمہ: کیا وہ قادر مطلق جس نے آسمان و زمین (اور ان کے درمیان کی ساری مخلوقات) کو پیدا کیا ہے اس پر قادر نہیں ہے کہ ان جیسے پھر پیدا کرے، بلاشبہ وہ ضرور اس کی قدرت رکھتا ہے اور وہ تو بہت مخلوق پیدا کرنے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے، اس کی شان تو یہ ہے کہ جب وہ کسی چیز کو بنانا چاہتا ہے تو اس کو کہتا ہے کہ ہو جا، تو اتنے ہی سے وہ ہو جاتی ہے۔

یعنی کسی چیز کو وجود بخشنے اور پیدا کرنے کے لیے صرف اس کا ارادہ اور اس کی مشیت کا اشارہ کافی ہے تو اس کے لیے اپنی کسی مخلوق کو ایک دفعہ موت دے کر پھر سے زندہ کر دینا کیا مشکل ہے۔

اور سورۂ روم میں فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ وَهُوَ اَهْوَنُ عَلَيْهِ ؕ وَلَهُ الْمَثَلُ الْاَعْلٰی فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ۔ (سورۂ روم ۳۰: رکوع ۳)

ترجمہ: وہی ہے جو مخلوق کو پہلی بار پیدا کرتا ہے، پھر وہی دوبارہ اس کو پیدا کرے گا، اور (ظاہر ہے کہ ایک دفعہ پیدا کرنے کے بعد پھر دوبارہ پیدا کرنا اس کے لیے بہت زیادہ آسان ہے اور آسمان و زمین میں اس کی شان سب سے اعلیٰ ہے اور وہ زبردست (قادر مطلق) اور حکمت والا ہے۔

اور سورۂ حج میں ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ رَيْبٍ مِّنَ الْبَعْثِ فَاِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ

مِنْ عَلَقَةٍ ثُمَّ مِنْ مُّضْغَةٍ مُّخَلَّقَةٍ وَّ غَيْرِ مُخَلَّقَةٍ لِّنُبَيِّنَ لَكُمْ وَ نُقِرُّ فِي الْأَرْحَامِ مَا نَشَاءُ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى ثُمَّ نُخْرِجُكُمْ طِفْلًا ثُمَّ لِتَبْلُغُوا أَشُدَّكُمْ وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّتَوَفّٰى وَ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرَدُّ إِلَىٰ أَرْذَلِ الْعُمُرِ لِكَيْلَا يَعْلَمَ مِنْ بَعْدِ عِلْمٍ شَيْئًا وَ تَرَى الْأَرْضَ هَامِدَةً فَإِذَا أَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَاءَ اهْتَزَّتْ وَ رَبَتْ وَ أَنْبَتَتْ مِنْ كُلِّ زَوْجٍ بَهِيجٍ ۞ ذٰلِكَ بِأَنَّ اللّٰهَ هُوَ الْحَقُّ وَ أَنَّهُ يُحْيِي الْمَوْتٰى وَ أَنَّهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۞ وَّ أَنَّ السَّاعَةَ آتِيَةٌ لَّا رَيْبَ فِيهَا وَ أَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِي الْقُبُورِ ۞ (سورۂ حج ۲۲: رکوع ۱)

ترجمہ: اے لوگو! اگر تم کو قیامت اور بعث بعد الموت کے بارے میں کوئی شک ہے تو (غور کرو کہ) ہم نے تم کو بنایا ہے مٹی سے، پھر نطفہ سے، پھر بندھے ہوئے خون سے، پھر گوشت کے مشکل یا غیر مشکل ٹکڑے سے تاکہ ہم اپنی قدرت تمہارے لیے ظاہر کریں، اور ہم ٹھہرا دیتے ہیں جس نطفہ کو چاہیں رحم میں ایک مقررہ مدت تک، پھر باہر لاتے ہیں تم کو بچہ بنا کر، تاکہ پھر تم پہنچو اپنی پوری جوانی کو، اور بعض تم میں وہ ہوتے ہیں جو اٹھا لیے جاتے ہیں (جوانی ہی میں) اور بعض وہ ہوتے ہیں جو پہنچائے جاتے ہیں (بڑھاپے والی) نکمی عمر تک (جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ) علم و فہم حاصل کرنے کے بعد وہ پھر (سٹھیا کر) علم سے کورے ہو کر رہ جاتے ہیں اور دوسری ایک دلیل اور نشانی بعد الموت کی یہ ہے کہ) تم دیکھتے ہو زمین کو خشک، پھر جب ہم نازل کرتے ہیں اس پر بارش تو وہ ترو تازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی پھلتی ہے اور طرح طرح کے خوش رنگ سبزے اگاتی ہے، یہ سب اسی لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ہستی ہی حق ہے اور (تم اپنے ان مشاہدوں سے سمجھ سکتے ہو کہ) وہ جلانے والا ہے مردوں کو اور وہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے، اور یہ کہ قیامت یقیناً آنے والی ہے، اس میں کوئی شک نہیں، اور یقیناً اللہ تعالیٰ دوبارہ زندہ کر کے اٹھائے گا قبروں کے دفن شدہ مردوں کو۔

قرآن مجید کی ان آیات کا حاصل یہی ہے کہ بعث بعد الموت کے مسئلہ میں شک کرنے والا، مگر اس کو سمجھنے کا ارادہ رکھنے والا انسان اگر خود اپنی آفرینش اور پیدائش میں اور بچپن سے لے کر بڑھاپے تک کی اپنی اس زندگی کی ان مسلسل تبدیلیوں میں غور کرے جن میں اس کا کوئی اختیار

نہیں چلتا اور جو صرف اللہ تعالیٰ ہی کے حکم سے ہوتی ہیں۔ اور اسی طرح اگر وہ زمین کی حالت کے اس تغیّر و تبدل میں غور کرے کہ ایک موسم میں وہ بالکل خشک و بے جان اور مردہ پڑی ہوتی ہے اور اس میں زندگی کی کوئی رمق اور کوئی لہر نہیں دیکھی جاتی پھر جب اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کا پانی اس پر برساتا دیتا ہے تو اسی مردہ زمین میں سے زندگی اور شادابی سبزہ کی شکل میں ابل پڑتی ہے۔

الغرض انسان اگر خود اپنی ہستی اور اپنے پاؤں کے نیچے والی زمین کے ان انقلابات پر ایک طالب صادق کی طرح غور کرے، تو بعث بعد الموت اور قیامت کے بارے میں اسے کوئی اشتباہ اور استبعاد نہیں رہ سکتا۔

اور سورۂ روم میں ایک جگہ فرمایا:

يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ يُحْيِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ۔ (سورۂ روم ۳۰: رکوع ۲)

ترجمہ: اللہ نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور زندگی بخشتا ہے زمین کو مردگی کے بعد (پس جس طرح دنیا میں اللہ کی قدرت سے نیستی کے بعد ہستی اور موت کے بعد زندگی کا یہ سلسلہ جاری ہے) اسی طرح تم مرنے کے بعد قیامت میں زندہ کر کے اٹھائے جاؤ گے۔

اور اسی سورۂ روم میں دوسری جگہ ارشاد فرمایا:

فَانْظُرْ اِلٰٓى اٰثٰرِ رَحْمَتِ اللّٰهِ كَيْفَ يُحْيِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا اِنَّ ذٰلِكَ لَمُحْيِ الْمَوْتٰى وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿﴾ (سورۂ روم ۳۰: رکوع ۵)

ترجمہ: اللہ کی رحمت کے آثار تو دیکھو وہ کیسے حیات تازہ بخش دیتا ہے، زمین کو اس کے خشک و بے جان اور بالکل مردہ ہو جانے کے بعد، ہاں ہاں بلاشبہ یہی اللہ دوبارہ زندہ کرنے والا ہے مردوں کو اور اس کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے۔

اور سورۂ فصلت میں فرمایا:

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنَّكَ تَرَى الْاَرْضَ خَاشِعَةً فَاِذَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْهَا الْمَآءَ اهْتَزَّتْ وَرَبَتْ اِنَّ الَّذِيْٓ اَحْيَاهَا لَمُحْيِ الْمَوْتٰى اِنَّهٗ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿﴾ (فصلت ۴۱: رکوع ۵)

ترجمہ: اور اس کی نشانیوں میں سے یہ ہے کہ تم دیکھتے ہو زمین کو خشک پڑی ہوئی آثار حیات سے خالی، پھر جب ہم برسا دیتے ہیں، اس پر پانی، تو وہ تر و تازہ ہو جاتی ہے اور پھولتی پھلتی ہے۔ یقیناً وہی قادر مطلق جس نے مردہ زمین کو یہ زندگی بخشی وہی دوبارہ زندہ کرنے والا ہے مردوں کو، بے شک وہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اور سورۂ زخرف میں فرمایا:

وَالَّذِیْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءًۢ بِقَدَرٍ فَاَنْشَرْنَا بِهٖ بَلْدَةً مَّيْتًا كَذٰلِكَ تُخْرَجُوْنَ ۝

(سورۂ زخرف ۴۳: رکوع ۱)

ترجمہ: اور وہ اللہ جس نے پانی برسایا آسمان سے ایک خاص مقدار میں پھر اس کے ذریعے زندگی بخشی کسی مردہ علاقے کو (تو جس طرح بارش برسا کر وہ مردہ علاقوں کو نئی زندگی بخشا ہے) اسی طرح (اس کے حکم سے) تم مرنے کے بعد پھر زندہ کئے جاؤ گے۔

واقعہ یہ ہے کہ قرآن مجید نے ان آیات اور ان جیسی اپنی اور سینکڑوں آیات میں حیات بعد الموت اور حشر نشر کے اس مسئلہ کو ایسا آسان کر کے سمجھایا ہے اور کم عقلوں اور احمقانہ شبہات اور وہمی استبعادات کو دفع کرنے کے لیے ایسے عام فہم اور دلنشین دلائل پیش کئے ہیں جن کے بعد کسی استبعاد و اشکال اور کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی اور مسئلہ ایسا روشن اور بدیہی ہو جاتا ہے کہ بجائے اس کہ اس پر کسی کو تعجّب ہو، اس کے انکار اور اس کے بارے میں شک و شبہ کے اظہار پر لوگوں کو تعجّب ہونا چاہیے۔ یہی بات قرآن مجید میں کیسے بلیغ انداز میں فرمائی گئی ہے:

وَاِنْ تَعْجَبْ فَعَجَبٌ قَوْلُهُمْ ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا ءَاِنَّا لَفِیْ خَلْقٍ جَدِیْدٍ۔ (رعد ۱۳: رکوع ۱)

ترجمہ: جب ہم مر کر مٹی ہو جائیں گے تو کیا ہم کو پھر ایک نئی پیدائش اور نئی زندگی ملے گی۔

گویا کہ حیات بعد الموت اور حشر و نشر کے مسئلے پر قرآن مجید نے جو روشن دلائل پیش کئے ہیں ان کے سامنے آجانے کے بعد کسی منکر کا یہ کہنا کہ:

مر کر ہمارے جسموں کے مٹی ہونے کے بعد ہم دوبارہ نئے سرے سے کیسے پیدا کئے جائیں گے۔

ایسی قابل تعجّب حماقت اور سفاہت ہے جس پہ جس قدر بھی تعجّب کیا جائے کم ہے۔

آخرت میں کیا کیا ہونے والا ہے؟

قرآن مجید اپنے اصل مقصد و موضوع کے لحاظ سے چونکہ انذار و تبشیر، ترغیب و تحذیر اور رہدایت و نصیحت کا صحیفہ ہے۔ فلسفہ یا علم کلام کی کتاب نہیں ہے، اس لیے آخرت کے متعلق استدلالی بحث سے بہت زیادہ اس میں آخرت میں پیش آنے والے ان واقعات کا ذکر کیا گیا ہے، جن کے تذکرہ سے ایک سلیم الفطرت آدمی میں آخرت کی فکر اور خدا کا خوف پیدا ہو سکتا ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا بہت بڑا حصہ اسی مضمون سے تعلق رکھتا ہے۔

آخرت کی منزلیں

موت دراصل اس دنیا سے عالم آخرت کی طرف انتقال کا نام ہے اور اس لحاظ سے آخرت کا سفر گویا موت ہی سے شروع ہو جاتا ہے۔ لیکن مرنے کے دن سے لے کر قیامت تک کا جو زمانہ ہے جس کو برزخ کہا جاتا ہے، اس کی نسبت عالم آخرت کے لحاظ سے قریب قریب وہی ہے جو نسبت زمانہ حمل کو اس دنیوی زندگی سے ہے۔ گویا آخرت کی اصل زندگی اگرچہ قیامت سے شروع ہوگی اور جزا و سزا کا اصل ظہور قیامت کے بعد ہی ہوگا لیکن موت سے لے کر قیامت تک کا دور اس کی اسی طرح کی تمہیدی اور برزخی منزل ہے جیسے کہ اس دنیا میں آنے کے لیے ہر آدمی کو کچھ مدت ماں کے پیٹ میں ٹھہرنا پڑتا ہے۔ اسی واسطے قرآن مجید میں وقتِ موت سے قیامت تک کے اس برزخی دور کا ذکر بہت کم اور صرف مجملاً کیا گیا۔ البتہ قیامت، حشر نشر، حساب کتاب اور جنّت و دوزخ کے ثواب عذاب کا ذکر بلا مبالغہ سینکڑوں جگہ اور ایسے تفصیلی انداز میں کیا گیا ہے جو انسانوں کے دلوں میں آخرت کی فکر اور خدا کا خوف پیدا کرنے کے لیے بالکل کافی بلکہ کافی سے بھی بہت زیادہ ہے۔ اور بلاشبہ اس خصوصیت میں وہ آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ چند آیتیں اس سلسلے کی یہاں بھی پڑھ لیجئے:

حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ ۝ لَعَلِّیْٓ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا ؕ اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآىِٕلُهَا ؕ وَ مِنْ وَّرَآىِٕهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ ۝ فَاِذَا نُفِخَ فِی

الصُّورِ فَلَآ اَنۡسَابَ بَيۡنَهُمۡ يَوۡمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوۡنَ ۝ فَمَنۡ ثَقُلَتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ۝ وَمَنۡ خَفَّتۡ مَوَازِيۡنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ فِىۡ جَهَنَّمَ خٰلِدُوۡنَ ۝ تَلۡفَحُ وُجُوۡهَهُمُ النَّارُ وَهُمۡ فِيۡهَا كٰلِحُوۡنَ ۝ (سورۃ المومنون: ۶)

ترجمہ: یہاں تک کہ جب آتی ہے ان مجرموں میں سے کسی کو موت تو اس وقت وہ کہتا ہے کہ اے پروردگار! مجھے پھر دنیا میں واپس لوٹا دے تاکہ جو کچھ میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک عمل کروں اور زندگی میں جو کوتاہیاں کی ہیں جا کر ان کی تلافی کروں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہرگز نہیں، یہ محض ایک کہنے کی بات ہے جو یہ کہہ رہا ہے (موت کے بعد باوجود تمنا اور التجا کے) وہ دنیا میں واپس نہیں بھیجے جائیں گے بلکہ قیامت کے دن تک ایک بندش میں (اور گویا ایک قسم کی حوالات میں رہیں گے) پھر جب صور پھونکا جائے گا اور قیامت قائم ہوگی تو اس دن ان کے سارے باہمی رشتے ناطے ٹوٹ جائیں گے اور ان میں سے کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہ ہوگا (اور اس دن ہر ایک کا فیصلہ اس کے اعمال پر ہوگا) پس جن لوگوں کے نیک اعمال کا پلہ بھاری ہوگا وہی اس دن کامیاب اور بامراد ہوں گے اور جن کا پلہ ہلکا ہوگا تو وہی وہ ہوں گے جنہوں نے اپنے کو تباہ کر ڈالا، وہ جہنم ہی میں پڑے رہیں گے، آگ جھلستی ہوگی ان کے چہروں کو اور اس میں ان کے منہ بگڑے ہوئے ہوں گے۔

سورۃ قٓ میں موت اور پھر قیامت کا ذکر ایک جگہ اس طرح فرمایا گیا ہے:

وَجَآءَتۡ سَكۡرَةُ الۡمَوۡتِ بِالۡحَقِّ ذٰلِكَ مَا كُنۡتَ مِنۡهُ تَحِيۡدُ ۝ وَنُفِخَ فِى الصُّوۡرِ ذٰلِكَ يَوۡمُ الۡوَعِيۡدِ ۝ وَجَآءَتۡ كُلُّ نَفۡسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّشَهِيۡدٌ ۝ لَقَدۡ كُنۡتَ فِىۡ غَفۡلَةٍ مِّنۡ هٰذَا فَكَشَفۡنَا عَنۡكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الۡيَوۡمَ حَدِيۡدٌ ۝ (سورۃ قٓ ۵۰: رکوع ۲)

ترجمہ: (ہر شخص ہوشیار ہو جائے) سکرات موت کا وقت اللہ تعالیٰ کے ٹھیک فیصلے کے مطابق قریب آ چکا ہے، یہ موت وہ چیز ہے جس سے اے انسان تو بدکتا اور بھاگتا تھا (اور نہ سمجھو کہ موت پر قصہ ختم ہے بلکہ قیامت جس کی تم کو خبر سنائی جا رہی ہے وہ یقیناً اپنے وقت پر آئے گی اور سب لوگوں کو دوبارہ زندہ کرنے کے لیے) صور پھونکا جائے گا، وہی وعید کا دن ہوگا اس دن ہر شخص آخرت کی عدالت گاہ کی طرف اس

طرح آئے گا کہ اس کے ساتھ ایک فرشتہ اس کو ساتھ لانے والا ہوگا اور ایک سرکاری گواہ کی حیثیت سے ہوگا (ان میں جو منکر اور آخرت فراموش ہوں گے ان سے کہا جائے گا) تو عدالت اور انصاف کے اس دن سے بے خبر اور غافل تھا، ہم نے تیری آنکھوں سے اب پردہ ہٹا دیا ہے۔ پس اب تیری نگاہ خوب تیز ہے (اور جن حقیقتوں کا تو منکر تھا، اب وہ تیری آنکھوں کے سامنے ہیں۔

اور سورۂ نمل میں قیامت اور اس کی ہولناکیوں کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

وَيَوْمَ يُنْفَخُ فِي الصُّوْرِ فَفَزِعَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ وَكُلٌّ اَتَوْهُ دٰخِرِيْنَ ۞ وَتَرَى الْجِبَالَ تَحْسَبُهَا جَامِدَةً وَّهِيَ تَمُرُّ مَرَّ السَّحَابِ ۞

(سورۂ النحل ۲۷: ۷)

ترجمہ: اور جس دن کہ (دنیا کے اس نظام کو درہم برہم اور فنا کرنے کے لیے اللہ کے حکم سے) صور پھونک دیا جائے گا، تو زمین و آسمان کی ساری مخلوق (آدمی اور فرشتے وغیرہ اس کی ہیبت اور دہشت سے) سخت گھبرا جائیں گے (اور بے ہوشی سے) سوائے ان چند ہستیوں کے جن کو اللہ تعالیٰ (اس گھبراہٹ اور بے ہوشی سے) اس وقت محفوظ رکھنا چاہے گا اور سب عاجزی اور بے چارگی کی کیفیت کے ساتھ اس کے سامنے حاضر ہو جائیں گے، اور تم دیکھتے ہو پہاڑوں کو (اور ان کے ظاہری حال سے) تم سمجھتے ہو کہ یہ (ہمیشہ) جامد و ساکن رہنے والے ہیں (اور اپنی جگہ سے ہلنے والے نہیں ہیں، مگر جب قیامت کا صور پھونکا جائے گا) تو یہ پہاڑ اس وقت ایسے اڑتے اڑتے پھرتے ہوں گے جیسے فضاء میں بدلیاں پھرتی ہیں۔

اور سورۂ حج میں قیامت کے ہوشربا شدائد کا نقشہ اس طرح کھینچا گیا ہے:

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۞ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّاۤ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۞ (الحج ۲۲: رکوع ۱)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے پروردگار کے قہر و جلال سے ڈرو، یقین کرو قیامت کا بھونچال بڑا ہی خوفناک ہوگا، جب (وہ قیامت آئے گی اور) تم اس کو دیکھو گے (تو یہ حالت

ہو گی کہ کسی کو کسی کا ہوش نہیں رہے گا (یہاں تک کہ) دودھ پلانے والی مائیں اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی اور حمل والیوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے، اور اس وقت لوگوں کو تم دیکھو گے نشہ کی سی حالت میں (بے حس و حرکت) اور اس وقت در حقیقت وہ نشہ کی حالت میں نہیں ہوں گے لیکن (اللہ تعالیٰ کے قہر و عذاب کی دہشت سے ان کی یہ حالت ہو گی) اللہ کا عذاب بڑی ہی سخت چیز ہے۔

اور سورۂ کہف میں قیامت اور حشر کے بیان کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے حضور میں پیشی اور مجرمین کی اس وقت کی حالت کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

وَيَوْمَ نُسَيِّرُ الْجِبَالَ وَتَرَى الْأَرْضَ بَارِزَةً وَّحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ أَحَدًا ۝ وَعُرِضُوْا عَلٰى رَبِّكَ صَفًّا لَقَدْ جِئْتُمُوْنَا كَمَا خَلَقْنٰكُمْ أَوَّلَ مَرَّةٍ بَلْ زَعَمْتُمْ أَلَّنْ نَّجْعَلَ لَكُمْ مَّوْعِدًا ۝ وَوُضِعَ الْكِتٰبُ فَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ مُشْفِقِيْنَ مِمَّا فِيْهِ وَيَقُوْلُوْنَ يٰوَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتٰبِ لَا يُغَادِرُ صَغِيْرَةً وَّلَا كَبِيْرَةً إِلَّا أَحْصٰىهَا وَوَجَدُوْا مَا عَمِلُوْا حَاضِرًا وَلَا يَظْلِمُ رَبُّكَ أَحَدًا (الکہف ۱۸: رکوع ۶)

ترجمہ: اور خیال کرو اس دن کا (جب دنیا کا یہ نظام ہمارے حکم دے درہم برہم ہو گا، اور) ہم پہاڑوں کو بھی اپنی جگہ سے ہٹا دیں گے (اور زمین کی ساری آبادیاں مسمار کر کے برابر کر دی جائیں گی) اور تم دیکھو گے زمین کو کھلا میدان (جس پر نہ کوئی پہاڑ ہے نہ کوئی آبادی) اور ہم سب بندوں کو (دوبارہ زندہ کر کے اپنی عدالت گاہ میں) جمع کریں گے، ان میں سے کسی ایک کو بھی نہیں چھوڑیں گے، اور تمہارے پروردگار کے سامنے وہ قطار در قطار پیش کئے جائیں گے (تب ان سے کہا جائے گا کہ) تم کو جس طرح ہم نے پہلی مرتبہ دنیا میں پیدا کیا تھا اسی طرح (ہمارے حکم سے دوبارہ زندہ ہو کر) آج تم ہمارے پاس آ گئے، مگر تم نے یہ خیال باندھ لیا تھا کہ ہم تمہارے لیے کوئی وقت موعود نہ لائیں گے (اور قیامت جس کی خبر پیغمبر دیتے ہیں کبھی نہ آئے گی تو اب تم نے دیکھ لیا کہ یہ کیا ہو رہا ہے) اور اعمال کا دفتر سامنے رکھ دیا جائے گا، تو اس وقت تم دیکھو گے مجرموں کو کہ اس دفتر میں ان کے اعمال کی جو تفصیل ہے وہ اس سے ہراساں اور اس کے انجام سے خوفزدہ ہیں، وہ اس وقت (یاس و حسرت سے) کہہ رہے ہوں

گے ہائے ہماری کم بختی، یہ کیسا دفتر ہے جس نے نہ کوئی چھوٹا عمل چھوڑا ہے اور نہ بڑا عمل، سب ہی اس میں محفوظ ہے اور وہ پائیں گے اس میں اپنے تمام اعمال موجود، اور تمہارا پروردگار کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں کرتا (وہ جن مجرموں کے لیے عذاب اور سزا کا فیصلہ کرے گا ان کی بداعمالیوں ہی کی بنا پر کرے گا)۔

اور سورۂ مومن میں قیامت کے دن کا ایک منظر اس طرح ذکر فرمایا گیا ہے:

وَ اَنْذِرْهُمْ یَوْمَ الْاٰزِفَةِ اِذِ الْقُلُوْبُ لَدَى الْحَنَاجِرِ كٰظِمِیْنَ مَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ حَمِیْمٍ وَّ لَا شَفِیْعٍ یُّطَاعُ ۞ یَعْلَمُ خَآىٕنَةَ الْاَعْیُنِ وَ مَا تُخْفِی الصُّدُوْرُ ۞ (سورۂ مومن ۴۰: رکوع ۲)

ترجمہ: اور اے پیغمبر! آپ ﷺ ان کو قریب آنے والی قیامت کے دن سے خبردار کر دیجئے جبکہ کلیجے منہ کو آ رہے ہوں گے (اور لوگ مارے دہشت اور گھبراہٹ کے) اپنے دلوں کو دبا رہے ہوں گے (کہ کہیں منہ کی راہ سے نکل نہ جائیں) اس دن ظالموں، مجرموں کا کوئی یار و مددگار نہ ہوگا اور نہ کوئی ایسا سفارشی ہوگا جس کی بات مان لی جائے (بس فیصلہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہوگا جو) جانتا ہے آنکھوں کی چوری کو اور سینوں کے چھپے رازوں تک کو۔

اور سورۂ یٰسین میں قیامت کے دن مجرموں کی ذلت و رسوائی اور بے بسی کا ایک لرزہ خیز اور عبرتناک منظر یہ بیان فرمایا گیا ہے۔

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰۤى اَفْوَاهِهِمْ وَ تُكَلِّمُنَاۤ اَیْدِیْهِمْ وَ تَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا یَكْسِبُوْنَ ۞ (سورۂ یٰسین ۳۶: رکوع ۴)

ترجمہ: آج کے دن ہم ان کے مونہوں پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ ہم سے بولیں گے (اور ان کی روداد عمل بتائیں گے) اور ان کے پاؤں ان کے اعمال و افعال کی گواہی دیں گے۔

قرآن مجید میں جا بجا بیان کیا گیا ہے کہ قیامت کے شدائد اور ہولناکیوں کا ایک غیر معمولی اثر لوگوں پر یہ بھی ہوگا کہ ہر ایک کو صرف اپنی پڑی ہوگی اور قریب ترین عزیز بھی اس دن کسی کے کام نہ آئیں گے۔ بس نفسی نفسی کا عالم ہوگا۔ سورۂ عبس میں اس حالت کا کس قدر مؤثر اور لرزہ خیز نقشہ کھینچا گیا ہے:

فَإِذَا جَاءَتِ الصَّاخَّةُ ۝ يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُغْنِيهِ ۝ وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌ ۝ ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ ۝ وَوُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ ۝ تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌ ۝ (سورۂ عبس: رکوع ۱)

ترجمہ: تو جب کانوں کو بہرہ کر دینے والی چیخ پکار برپا ہوگی جس دن کہ (پریشانی اور گھبراہٹ کا یہ عالم ہوگا کہ) بھاگے گا آدمی اپنے بھائی سے اور اپنے ماں باپ اور اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے (اپنے ان پیاروں کے ساتھ بھی کوئی ہمدردی نہیں کرے گا) اس دن ہر آدمی کو اپنی ایسی فکر ہوگی جو کسی اور کی طرف اس کو متوجہ ہی نہ ہونے دے گی۔ بہت سے (بندگان خدا کے) چہرے اس دن روشن خنداں اور شاداں و فرحاں ہوں گے اور بہت سے چہرے (مجرموں کے) اس دن ایسے ہوں گے کہ ان پر خاک پڑی ہوگی اور سیاہی چڑھی ہوگی۔

ابھی عرض کیا جا چکا ہے کہ قرآن مجید کا بہت زیادہ حصہ قیامت اور حشر نشر کے متعلق اس طرح کے بیانات پر مشتمل ہے۔ یہاں صرف چند آیتیں ہی نقل کر دی گئی ہیں۔ بلکہ قرآن مجید کی بعض پوری پوری سورتیں بھی قیامت اور آخرت ہی کے بیان سے بھری ہوئی ہیں۔ چنانچہ سورۂ واقعہ، سورۂ حاقہ، سورۂ قیامہ، سورۂ تکویر، سورۂ انفطار، سورۂ انشقاق، سورۂ غاشیہ میں قیامت اور آخرت ہی کے احوال اور مناظر کا بیان ہے۔ ان بڑی بڑی سوروں کے نقل کرنے کی تو گنجائش نہیں، تاہم ایک چھوٹی سی سورت جس میں صرف قیامت ہی کا بیان ہے، یہاں بھی پڑھ لیجیے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

إِذَا زُلْزِلَتِ الْأَرْضُ زِلْزَالَهَا ۝ وَأَخْرَجَتِ الْأَرْضُ أَثْقَالَهَا ۝ وَقَالَ الْإِنسَانُ مَا لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ تُحَدِّثُ أَخْبَارَهَا ۝ بِأَنَّ رَبَّكَ أَوْحَىٰ لَهَا ۝ يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ أَشْتَاتًا لِّيُرَوْا أَعْمَالَهُمْ ۝ فَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ ۝ وَمَن يَعْمَلْ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ شَرًّا يَرَهُ ۝ (سورۂ زلزال ۹۹:۱)

ترجمہ: جب زمین قیامت کے بھونچال سے زیر و زبر کر دی جائے گی اور اپنے اندر کے بوجھ (دفن شدہ مردے اور دوسری چیزیں) زمین باہر نکال دے گی اور انسان اس حالت کو دیکھ کر کہے گا کہ اس زمین کو یہ کیا ہوا؟ اس دن زمین اپنی سب خبریں اور

سرگزشت بیان کرے گی (کہ فلاں بندے نے مجھ پر یہ اچھایا برا عمل کیا اور فلاں
نے یہ کیا) اس سبب سے کہ تیرے رب نے حکم دیا ہو گا اس کو، اس روز لوگ
مختلف ٹکڑیوں میں بٹ کر لوٹیں گے تا کہ اپنے اعمال دیکھیں۔ (اور ان کا صلہ پائیں
یا سزا بھگتیں) پس جو شخص یہاں ذرہ برابر اچھا عمل کرے گا وہ اس کو وہاں دیکھ لے گا اور
جو ذرہ برابر برا عمل کرے گا وہ وہاں اس کے سامنے آجائے گا۔

☆☆☆

جنّت اور دوزخ

اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والے تمام رسولوں اور پیغمبروں نے اور اس کے نازل کئے ہوئے تمام صحیفوں نے اس حقیقت کو پوری صراحت اور وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ اصل زندگی آخرت کی زندگی ہے اور انسان کا دائمی وطن جنّت یا دوزخ ہے۔ اور جنت اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت ورافت اور فضل وکرم کا انتہائی مظہر ہے اور اس کی ان جمالی صفات کا پورا پورا ظہور بس وہیں ہوگا، اور اسی طرح دوزخ اللہ تعالیٰ کے قہر وغضب کا انتہائی مظہر ہے اور ان جلالی صفات کا پورا پورا ظہور وہیں ہوگا۔

اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں اور اللہ کی کتابوں نے اس بارے میں جو کچھ انسانوں کو بتلایا بلاشبہ وہ من وعن حق ہے اور بالکل اسی طرح سامنے آنے والا ہے جس طرح کہ انہوں نے بیان فرمایا ہے، اس کے متعلق یہ خیال کرنا کہ جس طرح نادان بچوں کو ڈرانے دھمکانے یا ان میں کسی چیز کا جذبہ اور شوق پیدا کرنے کے لیے ان کے بڑے بہت سی بے حقیقت باتیں بھی کہہ دیا کرتے ہیں اسی طرح اللہ کے پیغمبروں اور ان کی لائی ہوئی کتابوں نے جنّت ودوزخ کے ثواب وعذاب کا بیان کیا ہے بالکل ایسی احمقانہ بات ہے جیسے کہ کوئی کہے کہ ان پیغمبروں نے اللہ تعالیٰ کی ہستی کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے یا قیامت کے بارہ میں جو کچھ بتلایا ہے وہ بھی بس ڈراوے اور بہلاوے کے لیے ہے، ورنہ حقیقت کچھ بھی نہیں ہے۔

قرآن مجید چونکہ اللہ تعالیٰ کی آخری کتاب ہے اور اس کے بعد اب کوئی کتاب انسانوں کی ہدایت کے لیے نازل ہونے والی نہیں ہے، اس لیے دوسرے مضامین کی طرح اس میں جنّت کے لیے نازل ہونے والی نہیں ہے، اس لیے دوسرے مضامین کی طرح اس میں جنّت ودوزخ کا بیان بھی تفصیل سے اور اتنی کثرت سے کیا گیا ہے جو انسانوں میں نیک عملی کا جذبہ اور بد عملی سے بچنے کی فکر پیدا کرنے کے لیے یقیناً کافی سے زائد ہے، بشرطیکہ انسان کا قلب مردہ نہ ہو گیا ہو۔

دوزخ اور جنّت کے حالات سے متعلق چند آیتیں یہاں بھی پڑھ لیجئے۔ پہلے دوزخ اور اس کے عذاب کا حال پڑھیے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۝

(سورۃ التحریم ٦٦: رکوع ١)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنے کو اور اپنے گھر والوں کو دوزخ کی (خوفناک اور تباہ کن) آگ سے بچاؤ۔ جس کا ایندھن اور سوختہ آدمی اور پتھر ہیں جس پر نہایت تند خو اور درشت مزاج فرشتے مقرر ہیں جو اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے حکم کی ذرا نافرمانی نہیں کرتے اور ان کو جو حکم دیا جاتا ہے بالکل وہی کرتے ہیں (اس لیے ان سے اس کی قطعاً امید نہیں کہ وہ اللہ کے کسی مجرم کے ساتھ اس کے حکم کے خلاف کوئی رعایت یا نرمی کریں گے۔

اور سورہ کہف میں ارشاد ہے:

وَ قُلِ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّ مَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا اَحَاطَ بِهِمْ سُرَادِقُهَا وَ اِنْ يَّسْتَغِيْثُوْا يُغَاثُوْا بِمَآءٍ كَالْمُهْلِ يَشْوِي الْوُجُوْهَ بِئْسَ الشَّرَابُ وَ سَآءَتْ مُرْتَفَقًا ۝ (سورۃ الکہف ١٨: رکوع ٤)

ترجمہ: اور اے رسولؐ! آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ یہ حق ہے تمہارے رب کی طرف سے پس جس کا جی چاہے مانے اور ایمان لائے اور جس کا جی چاہے نہ مانے اور کفر و انکار پر ہی جما رہے، یقین رکھ ہم نے ایسے ظالموں کے لیے دوزخ کی آگ تیار کر رکھی ہے، اس کی قناتیں انہیں گھیرے ہوئے ہیں اور جب وہ اس میں پڑ کر پیاس کی فریاد کریں گے تو اس کے جواب میں ان کو پانی دیا جائے گا (جو اپنی بدصورتی اور گھناؤنے پن میں تیل کی گاد جیسا ہوگا اور ایسا جلتا کھولتا ہوگا) بھون ڈالے گا چہروں کو، کیا ہی برا پانی ہوگا اور بڑی بڑی آرام گاہ ہے دوزخ۔

اور سورہ محمد میں دوزخیوں کے متعلق ارشاد ہے:

وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ۔ (سورہ محمد ٤٧: رکوع ٢)

ترجمہ: ان کے پینے کو دیا جائے گا کھولتا پانی، پس وہ ٹکڑے ٹکڑے کرے گا، ان کی انتڑیوں کو۔

اور سورہ مومن میں ارشاد ہے:

الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِالْكِتٰبِ وَ بِمَآ اَرْسَلْنَا بِهٖ رُسُلَنَا فَسَوْفَ يَعْلَمُوْنَ ۝ اِذِ الْاَغْلٰلُ فِيْٓ اَعْنَاقِهِمْ وَ السَّلٰسِلُ يُسْحَبُوْنَ ۝ فِي الْحَمِيْمِ ثُمَّ فِي النَّارِ يُسْجَرُوْنَ ۝

(المومن ۴۰: رکوع ۸)

ترجمہ: جن لوگوں نے جھٹلایا ہماری کتاب کو اور ہمارے ان احکام کو جن کو دے کر ہم نے اپنے رسول بھیجے ان کو عنقریب (نتیجہ) معلوم ہو جائے گا، جب طوق ان کی گردنوں میں ہوں گے اور زنجیریں (ان طوقوں میں جکڑی ہوں گی جن سے) وہ گھسیٹے جائیں گے۔ کھولتے پانی میں لے جائے جائیں گے، پھر دہکتی آگ میں جھونک دیئے جائیں گے۔

اور سورۂ الحج میں ارشاد ہے:

فَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا قُطِّعَتْ لَهُمْ ثِيَابٌ مِّنْ نَّارٍ يُصَبُّ مِنْ فَوْقِ رُءُوْسِهِمُ الْحَمِيْمُ ۝ يُصْهَرُ بِهٖ مَا فِيْ بُطُوْنِهِمْ وَ الْجُلُوْدُ ۝ وَ لَهُمْ مَّقَامِعُ مِنْ حَدِيْدٍ ۝ كُلَّمَآ اَرَادُوْٓا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا مِنْ غَمٍّ اُعِيْدُوْا فِيْهَا وَ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ۝ (سورۂ الحج ۲۲: رکوع ۲)

ترجمہ: جن لوگوں نے کفر کیا ان کے لیے آگ کے کپڑے کترے جائیں گے اور ان کے سر کے اوپر سے تیز گرم پانی چھوڑا جائے گا، اس سے ان کی کھالیں اور پیٹ کے اندر کی چیزیں بھی سب گل جائیں گی اور ان کی ٹھکائی پٹائی کے لیے لوہے کے گرز ہوں گے۔ وہاں کی تکلیف اور سختی کی وجہ سے وہ جب اس سے نکلنے کا ارادہ کریں گے تو پھر اسی میں دھکیل دیئے جائیں گے۔ اور کہا جائے گا کہ یہیں جلنے کا عذاب چکھتے رہو۔

اور سورۂ دخان میں زقوم کو دوزخیوں کی خوراک بتلاتے ہوئے اس کی ہیئت اور کیفیت اس طرح بیان کی گئی ہے:

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ۝ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ۝ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ۝ كَغَلْيِ الْحَمِيْمِ ۝ خُذُوْهُ فَاعْتِلُوْهُ اِلٰى سَوَآءِ الْجَحِيْمِ ۝ (سورۂ الدخان ۴۴: رکوع ۳)

ترجمہ: بے شک زقوم کا درخت بڑے پاپیوں (کافروں مشرکوں) کا کھانا ہو گا جو ایسی

بد صورتی اور گھناؤنے پن میں تیل کی تلچھٹ کی طرح ہوگا اور وہ پیٹوں میں جا کر ایسے کھولے گا جیسے تیز گرم پانی کھولتا ہے اور فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کو پکڑو، پھر گھسیٹتے ہوئے دوزخ کے بیچوں بیچ تک لے جاؤ پھر اس کے سر پر نہایت تکلیف دینے والا جلتا ہوا پانی چھوڑ دو۔

اور سورۂ ابراہیم میں جہنم میں جانے والے سرکش مجرموں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا:

وَ يُسْقٰى مِنْ مَّآءٍ صَدِيْدٍ ۝ يَّتَجَرَّعُهٗ وَ لَا يَكَادُ يُسِيْغُهٗ وَ يَاْتِيْهِ الْمَوْتُ مِنْ كُلِّ مَكَانٍ وَّ مَا هُوَ بِمَيِّتٍ وَ مِنْ وَّرَآئِهٖ عَذَابٌ غَلِيْظٌ ۝ (سورۂ ابراہیم ۱۴: رکوع ۳)

ترجمہ: اور پینے کو دیا جائے گا ایسا پانی جو دراصل (جہنمیوں کا) لہو پیپ ہوگا جس کو وہ گھونٹ گھونٹ کر کے پیئے گا اور گلے سے اس کو آسانی سے نہ اتار سکے گا۔ اور ہر طرف سے اس پر موت کی یورش ہوگی اور وہ (کمبختی کا مارا مرے گا بھی نہیں) اور اس کو سخت عذاب کا سامنا ہوگا۔

اور سورۂ فاطر میں ارشاد ہے:

وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَهُمْ نَارُ جَهَنَّمَ لَا يُقْضٰى عَلَيْهِمْ فَيَمُوْتُوْا وَ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمْ مِّنْ عَذَابِهَا كَذٰلِكَ نَجْزِيْ كُلَّ كَفُوْرٍ ۝ وَ هُمْ يَصْطَرِخُوْنَ فِيْهَا رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا غَيْرَ الَّذِيْ كُنَّا نَعْمَلُ اَوَ لَمْ نُعَمِّرْكُمْ مَّا يَتَذَكَّرُ فِيْهِ مَنْ تَذَكَّرَ وَ جَآءَكُمُ النَّذِيْرُ فَذُوْقُوْا فَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ نَّصِيْرٍ ۝ (الفاطر ۳۵: رکوع ۴)

ترجمہ: اور جن لوگوں نے کفر کی راہ اختیار کی ان کے لیے دوزخ کی آگ ہے نہ تو ان کی قضا ہی آئے گی کہ مر ہی جائیں اور نہ دوزخ کا عذاب ہی ان سے ہلکا کیا جائے گا، ہم ہر کافر کو ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور وہ اس میں پڑے چلائیں گے کہ اے ہمارے پروردگار! ہم کو اس دوزخ سے نکال دے، ہم اچھے کام کریں گے برخلاف اس کے جو (اپنی شامت سے) پہلے کرتے تھے (ان کی اس چیخ و پکار کا جواب ملے گا کہ) کیا ہم نے تم کو اتنی عمر نہ دی تھی کہ جس کو سمجھنا ہوتا وہ سمجھ سکتا، اور تمہارے پاس ڈرانے والا بھی پہنچا تھا، پس اب مزہ چکھو کہ ایسے ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔

اور سورۂ زخرف میں فرمایا:

اِنَّ الْمُجْرِمِيْنَ فِيْ عَذَابِ جَهَنَّمَ خٰلِدُوْنَ ۝ لَا يُفَتَّرُ عَنْهُمْ وَهُمْ فِيْهِ مُبْلِسُوْنَ ۝ وَ مَا ظَلَمْنٰهُمْ وَلٰكِنْ كَانُوْا هُمُ الظّٰلِمِيْنَ ۝ (سورۂ الزخرف ۴۳: رکوع ۷)

ترجمہ: یقین رکھو کہ مجرمین (جنہوں نے کفر یا شرک کا جرم کیا) ہمیشہ دوزخ کے عذاب میں رہیں گے، ان کا عذاب ہلکا بھی نہیں کیا جائے گا اور وہ اسی میں مایوس پڑے رہیں گے اور یہ ہم نے ان پر ظلم نہیں کیا، لیکن یہ خود ہی ظالم ہیں (اور یہ ان کی ظالمانہ اور مجرمانہ حرکتوں ہی کی سزا ہے)۔

جنّت

اب چند آیتیں جنّت اور اس کی راحتوں اور لذتوں کے بیان کے متعلق بھی پڑھ لیجیے۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّ رِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ۝ (سورۂ آل عمران ۳: رکوع ۲)

ترجمہ: ان بندوں کے لیے جنھوں نے پرہیزگاری اختیار کی ان کے پروردگار کے ہاں وہ جنتیں (یعنی ایسے باغات) ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان ہی میں رہیں گے اور پاک ستھری بیبیاں ہیں اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی ہے اور اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو خوب دیکھنے والا ہے (کسی کا حال اس سے چھپا نہیں ہے)۔

اور سورۂ محمد میں ارشاد ہے:

مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِيْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ فِيْهَا اَنْهٰرٌ مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ وَ اَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى وَ لَهُمْ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَ مَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ۔ (سورۂ محمد ۴۷: رکوع ۲)

ترجمہ: وہ جنّت کس کا وعدہ پرہیزگاروں سے کیا گیا ہے اس کا حال یہ ہے کہ اس میں بہت سی نہریں ہیں پانی کی، اس میں ذرا تغیّر نہ ہوگا اور بہت سی نہریں دودھ کی ہیں جس کا ذائقہ ذرا بدلا نہ ہوگا اور بہت سی نہریں ہیں حلال اور پاک شراب کی جس میں بڑی لذت ہے پینے والوں کے لیے اور بہت سی نہریں ہیں صاف کیے ہوئے شہد کی، اور ان کے واسطے اس جنّت میں سب طرح کے پھل ہیں اور بخشش ہے ان کے

پروردگار کی۔

اور سورۃ الحجر میں ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ۝ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ۝ وَ نَزَعْنَا مَا فِيْ صُدُوْرِهِمْ مِّنْ غِلٍّ اِخْوَانًا عَلٰى سُرُرٍ مُّتَقٰبِلِيْنَ ۝ لَا يَمَسُّهُمْ فِيْهَا نَصَبٌ وَّ مَا هُمْ مِّنْهَا بِمُخْرَجِيْنَ ۝ (الحجر ۱۵: رکوع ۴)

ترجمہ: یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ کے پرہیزگار بندے بہشت کے باغوں اور چشموں میں ہوں گے (ان کے لیے فرمان ہوگا کہ) سلامتی اور امن کے ساتھ (ہماری تیار کی ہوئی) اس بہشت کے اندر آجاؤ اور ان کے دلوں میں (دنیوی زندگی کے اختلاف کے اثر سے) جو کینہ ہوگا ہم اس کو دور کر دیں گے (جس کے بعد وہ) بھائی بھائی ہوکر آمنے سامنے تختوں پر بیٹھیں گے، کسی قسم کی کوئی تکلیف وہاں ان کو نہ پہنچے گی اور نہ کبھی وہ جنّت سے نکالے جائیں گے۔

اور سورۂ یٰسین میں ارشاد ہے:

اِنَّ اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ الْيَوْمَ فِيْ شُغُلٍ فٰكِهُوْنَ ۝ هُمْ وَ اَزْوَاجُهُمْ فِيْ ظِلٰلٍ عَلَى الْاَرَآئِكِ مُتَّكِـُٔوْنَ ۝ لَهُمْ فِيْهَا فَاكِهَةٌ وَّ لَهُمْ مَّا يَدَّعُوْنَ ۝ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِيْمٍ ۝
(سورۂ یٰسین ۳۶: رکوع ۴)

ترجمہ: اہل جنّت اس دن اپنے مشغلوں میں خوش ہوں گے۔ وہ اور ان کی بیبیاں سایہ میں مسہریوں پر تکیے لگائے ہوئے ہوں گے، ان کے لیے وہاں طرح طرح کے میوے ہوں گے اور جو کچھ مانگیں گے ان کو ملے گا۔ رحمت و کرم والے پروردگار کی طرف سے، وہاں ان کو سلام فرمایا جائے گا۔

اور سورۂ زخرف میں ارشاد ہے:

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَ لَاۤ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاٰيٰتِنَا وَ كَانُوْا مُسْلِمِيْنَ ۝ اُدْخُلُوا الْجَنَّةَ اَنْتُمْ وَ اَزْوَاجُكُمْ تُحْبَرُوْنَ ۝ يُطَافُ عَلَيْهِمْ بِصِحَافٍ مِّنْ ذَهَبٍ وَّ اَكْوَابٍ وَ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْهِ الْاَنْفُسُ وَ تَلَذُّ الْاَعْيُنُ وَ اَنْتُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝ (الزخرف ۴۳: رکوع ۷)

اے میرے بندو! آج تم کو کوئی خوف نہیں اور اب تمہیں کوئی رنج و غم نہ ہوگا۔
یعنی وہ بندے جو ہماری آیات پر ایمان لائے اور ہماری فرمانبرداری کرتے تھے (ان کے لیے فرمان ہوگا) تم اور تمہاری بیبیاں خوش بخوش جنّت میں داخل ہو جاؤ اور سونے کی پلیٹوں اور گلاسوں میں کھانے پینے کی چیزیں ان کے پاس لائی جائیں گی اور وہاں وہ سب کچھ ہوگا جو ان کے جی چاہیں گے اور جن سے آنکھوں کو لذت حاصل ہوگی اور اے بندو! تم ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہو گے۔

اور سورۂ فاطر میں ہے کہ جنتی جنّت میں پہنچ کر اللہ تعالیٰ کی رحمتوں اور نعمتوں کی بے پایاں بارش اپنے اوپر برستی دیکھ کر جذبۂ شکر سے سرشار ہو کر عرض کریں گے:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَذْهَبَ عَنَّا الْحَزَنَ ۭ اِنَّ رَبَّنَا لَغَفُوْرٌ شَكُوْرُۨ ۝ الَّذِيْٓ اَحَلَّنَا دَارَ الْمُقَامَةِ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ لَا يَمَسُّنَا فِيْهَا نَصَبٌ وَّلَا يَمَسُّنَا فِيْهَا لُغُوْبٌ ۝

(الفاطر ۳۵: رکوع ۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے جس نے ہم سے غم دور کیا، بیشک ہمارا پروردگار بڑا بخشنے والا بڑا قدردان ہے جس نے اپنے فضل و کرم سے ہمیشہ رہنے کے اس مقام (جنّت) میں لا اتارا، جہاں ہم کو کسی قسم کی کوئی تکلیف اور کوئی خستگی کبھی نہ پہنچے گی۔

دوزخ کے متعلق جو کچھ قرآن مجید میں بیان فرمایا گیا ہے، اس میں غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جن دکھوں اور تکلیفوں سے انسان اس دنیا میں بچنا چاہتا ہے اور جن سے بچنا اس کی فطرت کا تقاضا ہے، دوزخ میں وہ سارے دکھ اور تکلیفیں اس دنیا سے ہزاروں لاکھوں درجہ بڑے پیمانے پر جمع کر دی گئی ہیں۔

قرآن مجید کا مقصد دوزخ کے اس بیان سے یہی ہے کہ جو انسان اس دنیا میں ایک دن کے لیے بھی یہ دکھ اور یہ تکلیفیں سہنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ اس کو چاہیے کہ وہ خدا کی بغاوت اور نافرمانی کے اس راستہ سے بچے جو اس دوزخ میں پہنچانے والا ہے، جہاں جانے والے ان دکھوں اور تکلیفوں میں ہمیشہ ہمیشہ مبتلا رہیں گے۔

اسی طرح جنّت کے متعلق قرآن مجید میں جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے اس کا حاصل یہی

ہے کہ انسان کی فطرت میں جن جن راحتوں اور لذتوں کی خواہش اور طلب بھری ہوئی ہے جنت میں وہ سب راحتیں اور لذتیں بدرجۂ کمال جمع کر دی گئی ہیں۔ پس انسان کو چاہیے کہ وہ خدا پرستی اور نیک عملی کی اس راہ کو اپنی راہ بنائے جو اس جنّت میں پہنچانے والی ہے جس میں انسان کی تمام فطری خواہشوں اور آرزوؤں کی تکمیل کا بھرپور سامان موجود ہے اور وہاں پہنچنے والے وہاں کی لذتوں اور راحتوں سے ہمیشہ ہمیشہ لُطف اندوز ہوتے رہیں گے۔

آخرت کے بیان کو ہم اسی پر ختم کرتے ہیں اور جنّت و دوزخ کے خالق و مالک سے دعا کرتے ہیں:

اَللّٰهُمَّ إِنَّا نَسْئَلُكَ رِضَاكَ وَالْجَنَّةَ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ غَضَبِكَ وَالنَّارِ۔ آمین!

ترجمہ: اے اللہ! ہم آپ سے آپ کی رضا اور جنّت مانگتے ہیں اور آپ کے غضب سے اور دوزخ سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔

☆☆☆

نبوت و رسالت

قرآن مجید جس نظام زندگی کی انسانوں کو دعوت دیتا ہے جیسا کہ معلوم ہو چکا اس کی پہلی بنیاد تو یہ ہے کہ خدائے وحدہٗ لاشریک کی ہستی اور اس کی صفات کو اس طرح مانا جائے جس طرح کہ واقع میں وہ ہے۔

اور دوسری بنیاد یہ ہے کہ آخرت کی زندگی اور وہاں جزا اور سزا پر یقین لایا جائے جو اللہ تعالیٰ کی صفت عدل و حکمت اور شانِ حکمت کا لازمی تقاضا ہے اور جس کے بغیر یہ دنیا ناقص و نامکمل بلکہ محض عبث اور بے مقصد تماشا ہے۔ ان دونوں بنیادوں کے بارے میں قرآن حکیم نے جو کچھ بتلایا ہے ہم اپنے ناظرین کے سامنے کسی قدر تفصیل کے ساتھ اس کو پیش کر چکے ہیں۔

زندگی کی تیسری اہم اعتقادی بنیاد جس کے ماننے کی قرآن مجید دعوت دیتا ہے اور جس کو اپنی دینی تعلیم و دعوت کی اصل و اساس ٹھہراتا ہے، یہ ہے کہ رسالت و پیغمبری کے پورے سلسلے کو مانا جائے۔ یعنی پہلے تو اس اصولی حقیقت کو تسلیم کیا جائے کہ انسانوں کی ضرورت کے لیے جس طرح اللہ تعالیٰ نے غذا اگانے والی زمین پیدا کی، روشنی اور گرمی پہنچانے والا سورج پیدا کیا اور ہوا، پانی وغیرہ وہ ساری چیزیں پیدا کیں جن کے ہم اسی دنیوی زندگی میں محتاج ہیں۔

اسی طرح اس نے اپنی ذات و صفات کا صحیح علم عام انسانوں تک پہنچانے کے لیے اور اس طریقۂ زندگی کی تعلیم و ہدایت کے لیے جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے مقرر کیا ہے اور جس پر چل کر انسان اللہ تعالیٰ کی رضا اور حقیقی نجات و فلاح حاصل کر سکتا ہے، اس نے نبوت و رسالت کا سلسلہ بھی قائم فرمایا اور ہر زمانے اور دنیا کے ہر خطے میں اس کی ضرور اور تقاضے کے مطابق نبی اور رسول بھیجے، یہ سب اللہ کے پیارے اور برگزیدہ بندے تھے اور اپنے اپنے وقت میں جو ہدایت و تعلیم انہوں نے دنیا کو دی وہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی سچی تعلیم تھی۔ الغرض قرآن مجید پورے زور اور اصرار کے ساتھ اس کی دعوت دیتا ہے کہ اللہ کے سب پیغمبروں پر (خواہ وہ کسی زمانہ، کسی ملک اور کسی قوم میں آئے ہوں) بلا تفریق ایمان لایا جائے۔ سب کی سچائی اور پاکبازی کی شہادت دی جائے اور اللہ کا پیغمبر ہونے کی حیثیت سے اپنے اپنے دور اور اپنے اپنے دائرہ اور حلقہ میں سب کو

واجب الاطاعت مانا جائے۔

اسی کے ساتھ قرآن مجید یہ بھی بتلاتا ہے کہ پہلے پیغمبروں کا دور ختم ہو چکا، اب دنیا کے اس دور کے لیے اللہ کے نبی و رسول حضرت محمد عربی ﷺ ہیں نیز قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا بھی اعلان کرتا ہے کہ جو ہدایت و تعلیم دے کر ہم نے آپ ﷺ کو بھیجا ہے وہ نہ صرف اگلے نبیوں رسولوں کی ان ساری تعلیمات پر حاوی ہے جو وہ اپنے اپنے وقت پر لے کر آئے تھے بلکہ پچھلے پیغمبروں کی محکم تعلیمات کا مستند اور قابل اعتماد مجموعہ اب آپ ﷺ ہی کی تعلیم اور آپ ہی کی لائی ہوئی کتاب مبین ہے۔ اس لیے آپ ﷺ کا اتباع اللہ کے سارے پیغمبروں کا اتباع ہے اور آپ کا انکار سارے نبیوں کا انکار ہے۔

پھر قرآن کریم یہ بھی اعلان کرتا ہے کہ ہماری طرف سے جو جامع ہدایت و تعلیم لے کر آپ ﷺ آئے ہیں وہ ایسی کامل و مکمل ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اب یہی کافی ووافی ہے اور ہر قسم کی تحریف و ملاوٹ کے اندیشہ سے اس کی حفاظت کا انتظام بھی ہم نے کر دیا ہے اور اسی لیے نبوت و رسالت کے اس سلسلہ کو جو ابتداء دنیا سے چلا آرہا تھا اب رسالت محمدی ﷺ پر ختم کر دیا گیا ہے اور یہ نبی عربی ﷺ نبی کامل ہونے کے ساتھ اس مقدس سلسلے کے خاتم بھی ہیں۔

یہ ہے نبوت و رسالت کے سلسلے میں قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ اور حاصل، اب اس کے تمام اجزاء و عناصر کو قرآن مجید کی آیات میں پڑھئے۔ سورۂ نحل میں ارشاد ہے:

وَلَقَدْ بَعَثْنَا فِي كُلِّ أُمَّةٍ رَّسُولًا۔ (النحل ۱۶: رکوع ۵)

ترجمہ: اور ہم نے بھیجے ہیں ہر قوم میں رسول۔

اور سورۂ نساء میں اگلے زمانوں کے چند خاص خاص رسولوں کا نام بنام تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا گیا:

وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ۔

(النساء ۴: رکوع ۵)

ترجمہ: اور ہم نے انسانوں کی طرف اور بھی بہت سے رسول بھیجے جن کا حال ہم نے آپ ﷺ کو پہلے بتایا ہے اور بہت سے وہ رسول بھی جن کا حال ہم نے آپ ﷺ سے بیان

نہیں کیا۔

اور اسی رکوع میں چند آیتوں کے بعد ارشاد فرمایا: فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ (پس تم اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ)۔

جو لوگ بلا تفریق اللہ تعالیٰ اور اس کے سب رسولوں کو نہ مانیں بلکہ ان میں تفریق کریں۔ مثلاً اس طرح کہ خدا پر ایمان لانے کا تو اقرار اور دعویٰ کریں اور اس کے رسولوں کے منکر ہوں یا بعض رسولوں کو مانیں اور بعض کا انکار کریں تو قرآن کہتا ہے کہ ان کا یہ جزوی اقرار اور ایمان قطعاً معتبر نہیں بلکہ جب تک یہ سب کو نہ مانیں اس وقت تک کافر ہیں۔

سورۂ نساء میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۝ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء ۴: رکوع ۲۱)

ترجمہ: جو لوگ اللہ کو اس کے سب رسولوں کو نہیں مانتے اور چاہتے ہیں کہ (بعض کو مان کے اور بعض کا انکار کر کے) اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کریں اور (اسی بنا پر) وہ کہتے ہیں کہ ہم بعض کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے اور وہ (اپنے اس طرز عمل سے) ایمان اور کفر کے درمیان کی ایک راہ نکالنا چاہتے ہیں (نہ سب پر ایمان ہو، اور نہ سب کا انکار ہو) تو ایسے لوگ قطعاً و یقیناً کافر ہیں اور ہم نے ایسے کافروں کے لیے سخت رسوا کن عذاب تیار کیا ہے اور جو لوگ اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانتے ہیں اور ان میں سے کسی میں تفریق نہیں کرتے (وہی سچے مومن ہیں) ان کو اللہ پورا پورا ثواب دے گا اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا، بڑی رحمت والا ہے۔

قرآن مجید کہتا ہے کہ جتنے پیغمبر بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے آئے، جب بھی آئے اور جس ملک اور جس قوم میں بھی آئے سب کے سب واجب الاطاعت تھے اور ان کے حکموں پر چلنا ان لوگوں پر فرض تھا جن کی طرف وہ بھیجے گئے۔

وَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا مِنۡ رَّسُوۡلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذۡنِ اللّٰهِ۔ (النساء۴: رکوع۹)

ترجمہ: اور جو پیغمبر بھی ہم نے بھیجے، اسی لیے بھیجے کہ حکم خداوندی ان کی اطاعت کی جائے۔

دوسری جگہ فرمایا نبی ورسول کی اطاعت دراصل اللہ ہی کی اطاعت ہے کیونکہ انبیاء ورسل جو احکام دیتے ہیں وہ ان کے اپنے احکام نہیں ہوتے بلکہ اللہ کے احکام ہوتے ہیں جن کو وہ حضرات اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کو پہنچاتے ہیں۔

مَنۡ يُّطِعِ الرَّسُوۡلَ فَقَدۡ اَطَاعَ اللّٰهَ۔ (النساء۴: رکوع۱۱)

ترجمہ: جس نے خدا کے رسولوں کی فرمانبرداری کی، اس نے دراصل اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کی۔

اور جس طرح رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہے، اسی طرح رسول کی نافرمانی اور مخالفت دراصل اللہ کی نافرمانی اور اس کے خلاف بغاوت ہے۔ اسی لیے قرآن مجید میں جابجا ان دونوں کو ایک ساتھ ذکر کر کے اس کی سخت سزا و پاداش سے ڈرایا گیا ہے۔

وَمَنۡ يُّشَاقِقِ اللّٰهَ وَرَسُوۡلَهٗ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعِقَابِ۔ (الانفال۸: رکوع۲)

ترجمہ: اور جس نے مخالفت کی اللہ کی اور اس کے رسولؐ کی تو معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

اور سورۂ طلاق میں فرمایا گیا:

وَكَاَيِّنۡ مِّنۡ قَرۡيَةٍ عَتَتۡ عَنۡ اَمۡرِ رَبِّهَا وَرُسُلِهٖ فَحَاسَبۡنٰهَا حِسَابًا شَدِيۡدًا وَّعَذَّبۡنٰهَا عَذَابًا نُّكۡرًا ۝ فَذَاقَتۡ وَبَالَ اَمۡرِهَا وَكَانَ عَاقِبَةُ اَمۡرِهَا خُسۡرًا ۝ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمۡ عَذَابًا شَدِيۡدًا فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰۤاُولِى الۡاَلۡبَابِ۔ (الطلاق۶۵: رکوع۲)

ترجمہ: اور بہت سی بستیاں تھیں جنہوں نے اپنے رب کے حکم سے اور اس کے رسولوں سے سرتابی کی تو ہم نے ان کا بڑا سخت محاسبہ کیا اور ان کو ہم نے بھاری عذاب کی سزا دی۔ غرض انہوں نے اپنے اعمال کا وبال چکھا اور ان کے اعمال کا انجام خسارہ اور ٹوٹا ہی رہا۔ (یہ تو دنیا میں ان کے ساتھ ہو چکا اور آخرت کا) سخت ترین عذاب اللہ تعالیٰ نے ان کے واسطے تیار کر رکھا ہے۔ پس اے عقل و خرد والو! اللہ کے عذاب اور

اس کی گرفت سے ڈرو۔

یہ تو پورے سلسلہ نبوت کو ماننے اور سب نبیوں رسولوں پر ایمان لانے کے بارے میں قرآن مجید کا اصولی مطالبہ اور اس کے متعلق انتباہات تھے۔ پھر خاص اس دور کے لیے سیّدنا حضرت محمد ﷺ کی رسالت اور اس کی خاص نوعیت کا اعلان کرتے ہوئے سورۂ فتح میں فرمایا گیا:

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَ دِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۚ وَ كَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ۔ (الفتح ۴۸: رکوع ۴)

ترجمہ: وہی اللہ ہے کہ اس نے اپنے رسول کو کامل ہدایت اور دین حق کے ساتھ بھیجا ہے تاکہ وہ اس کو سب دینوں کے اوپر کردے اور اللہ تعالیٰ اس حقیقت کا کافی گواہ ہے اور چشم بینا رکھنے والوں کے لیے اس کی یہ گواہی ظاہر باہر ہے، الغرض اب) محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔

اور سورۂ مائدہ میں حضرت عیسیٰؑ کی نبوت و رسالت اور توریت وانجیل کی تنزیل کا ذکر فرمانے کے بعد رسول اللہ ﷺ پر نازل ہونے والی خدا کی کتاب (قرآن مجید) کی خصوصیت اور اس کی امتیازی نوعیت کو اس طرح بیان فرمایا گیا ہے:

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ۔ (المائدہ ۵: رکوع ۷)

ترجمہ: اور اب ہم نے اپنی یہ کتاب آپ کی طرف حقانیت اور سچائی کے ساتھ اتاری ہے جو ہماری پہلی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور ان کی نگران اور محافظ بھی ہے یعنی پہلے نازل ہونے والی سب آسمانی کتابوں کی محکم تعلیم اور ان کا جوہر اس میں شامل کر کے ہمیشہ کے لیے محفوظ کر دیا گیا ہے۔ گویا اگلے پیغمبروں کی محکم تعلیم کی اصل کاپی بھی اب یہ الکتاب (قرآن) ہے۔

اور سورۂ اعراف میں خود رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ آپ ﷺ پوری انسانی دنیا کو پیغام دیں:

قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعَا الَّذِيْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَآ

اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ یُحْیٖ وَیُمِیْتُ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہِ النَّبِیِّ الْاُمِّیِّ الَّذِیْ یُؤْمِنُ بِاللّٰہِ وَکَلِمٰتِہٖ وَاتَّبِعُوْہُ لَعَلَّکُمْ تَھْتَدُوْنَ۔ (الاعراف ۷: رکوع ۲۰)

ترجمہ: کہو کہ اے دنیا جہاں کے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا آیا ہوں، وہ خدا جس کی بادشاہی ہے آسمانوں اور زمین میں، اس کے سوا کوئی بندگی کے لائق نہیں، وہی سب کو زندگی اور موت دیتا ہے، پس تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاؤ اور اس کے رسول نبی امی پر جو خود بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے سب کلاموں پر (یعنی اس کی نازل کی ہوئی تمام کتابوں پر) ایمان رکھتا ہے، اور تم اس کی پیروی اختیار کرو تا کہ تم اللہ کی ہدایت حاصل کر سکو، (جو اب صرف اس نبی امیؐ کی پیروی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے۔

اور سورۂ سبا میں خود رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے کہ پوری انسانی دنیا کی رہنمائی اور زندگی کے اچھے برے انجام سے ان کو خبردار کرنا آپ ﷺ ہی کے ذمہ ہے اور ہم نے اسی واسطے آپ ﷺ کو بھیجا ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا۔ (سبا ۳۴: رکوع ۳)

ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ کو تمام نسل انسانی کے لیے بشیر و نذیر بنا کر بھیجا ہے (اور اب آپ ﷺ ہی سے یہ کام لیا جانا ہے)۔

اور سورۂ آل عمران میں آپ ﷺ کو حکم فرمایا گیا ہے کہ تمام دنیا کے انسانوں کو سنا دیجئے اور بتا دیجئے کہ اب اس دور میں جو بھی خدا کا طالب ہو اور اس کی بخشش اور محبت سے حصہ لینا چاہتا ہو، اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی بخشش اور محبت حاصل کر سکنے کی راہ صرف یہی ہے کہ وہ میری پیروی کرے یعنی اس شریعت اور اس طریقۂ زندگی کو اختیار کرے، جو اللہ تعالیٰ نے اس دور کے لیے مقرر فرمایا ہے اور میرے ذریعے بھیجا ہے، اب جو بھی اس صراط مستقیم سے ہٹ کر چلے گا وہ خدا کا مجرم اور نافرمان سمجھا جائے گا اور اللہ تعالیٰ کی محبت و عنایت اور نجات سے محروم رہے گا۔ ارشاد ہے:

قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ وَیَغْفِرْ لَکُمْ ذُنُوْبَکُمْ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۝ قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ ۝

(آل عمران ۳: رکوع ۴)

ترجمہ: آپ ﷺ اعلان کر دیجئے کہ (اے خدا طلبی کے مدعیو) اگر تم فی الحقیقت خدا کو چاہتے ہو تو (اب اس کی راہ یہی ہے کہ) میری پیروی اختیار کرو اور میرے بتلائے ہوئے راستے پر چلو (اگر تم ایسا کرو گے) تو اللہ کا پیار تم کو نصیب ہو گا اور وہ تمہارے گناہ اور قصور بخش دے گا۔ وہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ آپ صاف صاف (ان سے) کہہ دیجئے (کہ راستہ صرف یہی ہے کہ) اللہ کی اور پیغمبر وقت کی (یعنی میری) فرمانبرداری کرو۔ پس اگر وہ اس کو نہ مانیں تو (پھر سنۃ اللہ اور قانون خداوندی یہ ہے کہ) منکروں اور نہ ماننے والوں سے اللہ محبت نہیں کرتا اور ان کو نہیں چاہتا۔

اور سورۂ احزاب میں اعلان فرمایا گیا کہ سلسلۂ نبوت آپ ﷺ پر ختم کر دیا گیا ہے۔ آپ ﷺ سب نبیوں کے خاتم ہیں، اب آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں بھیجا جائے گا۔ جس کا بدیہی نتیجہ اور تقاضا یہی ہے کہ بعثتِ محمدیؐ کے بعد اس دنیا میں پیدا ہونے والے سارے انسانوں کے لیے اب آپ ﷺ ہی کی ہدایت و تعلیم حکم نامۂ خداوندی ہے:

وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ۝

(احزاب ۳۳: رکوع ۵)

ترجمہ: محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں اور سب نبیوں کے خاتم بھی ہیں (اب ان کے بعد کوئی نبی دنیا میں نہیں بھیجا جائے گا) اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کا پورا علم رکھتا ہے۔

ان آیات میں سیدنا حضرت محمد ﷺ کی نبوت و رسالت، اس کی عمومیت اور آپ ﷺ کی خاتمیت کے بارے میں جو کچھ فرمایا گیا ہے دنیا کے واقعات نے بھی اس کی پوری پوری تصدیق اور توثیق کی ہے۔

اس دنیا میں حضرت ابراہیمؑ و اسحقؑ، داؤدؑ و سلیمانؑ، موسیٰؑ و عیسیٰ علیہم السلام اور ان کے علاوہ بھی کسی ملک اور کسی قوم میں آنے والے کسی ہادی اور مصلح کو جن اوصاف و خصوصیات اور جس قسم کے شواہد و دلائل کی وجہ سے خدا کا پیغمبر مانا گیا ہے، واقعات کی یہ دنیا گواہ ہے کہ حضرت محمد ﷺ کی برگزیدہ ہستی ان تمام اوصاف و کمالات کی جامع اور ان سب شواہد و دلائل کی حامل تھی، اور یہ

حقیقت اتنی روشن ہے کہ چودہ صدیاں گزرنے کے بعد آج بھی جس میں سچی طلب اور انصاف ہو، وہ اس بارے میں غور و فکر کر کے پورا اطمینان حاصل کر سکتا ہے۔

اسی طرح جو ہدایت و تعلیم آپ ﷺ لے کر آئے جو بلا شک و شبہ جوں کی توں محفوظ ہے وہ اپنی کمالِ جامعیت و اعتدال کی وجہ سے خود اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ پوری انسانی دنیا کے لیے ہے اور تمام اقوام عالم کے لیے یہی اللہ تعالیٰ کا مقرر کیا ہوا ضابطۂ حیات اور دستور زندگی ہے۔

پھر تیرہ صدیوں سے زیادہ گزر جانے کے باوجود دنیا کے کسی حصہ سے بھی کسی ایسی ہستی کا نہ اٹھنا جس کو خدا کا نبی و رسول مانا جاسکے اور اس دور میں دنیا کی ارتقائی رفتار کے تیز سے تیز تر ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی لائی ہوئی تعلیم کا انسانوں کی دینی و روحانی ہدایت کے لیے اسی طرح کافی ہونا جس طرح کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو برس قبل کے انسانوں کی ہدایت کے لیے وہ کافی تھی، اس حقیقت کا نہایت ہی روشن واقعاتی ثبوت ہے کہ انسانوں کو پیدا کرنے والے اور نبیوں رسولوں کو بھیجنے والے خالق و مالک نے سلسلۂ نبوت کو آپ ﷺ پر ختم کر دیا ہے اور اب آپ ﷺ ہی کا دور دورہ ہے اور آپ ﷺ ہی کی تعلیم و ہدایت تمام اقوام عالم کے لیے خدائی تعلیم و ہدایت ہے اور آپ ﷺ ہی کی پیروی سے اب اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کو پایا جاسکتا ہے۔

اللہ کے جن بندوں نے ابھی تک ان کھلی حقیقتوں پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا ہے کاش وہ صاف ذہن اور نیک نیتی کے ساتھ غور کریں اور اس دور کی خدائی تعلیم و ہدایت کو اپنا کر اللہ کے ساتھ بندگی کے اپنے تعلق کو صحیح کریں۔

☆☆

نبی کی حیثیت اور مقامِ نبوت

قرآن مجید جس طرح انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کی اطاعت و پیروی کرنے کی دعوت دیتا ہے، اسی طرح وہ اس پر بھی زور دیتا ہے کہ ان کی حیثیت و مقام اور ان کے کام کو صحیح طور پر جانا جائے اور ان کے بارے میں افراط و تفریط سے بچا جائے۔

تفریط اور بے ادبی کی گمراہی

انبیاء علیہم السلام کی شان میں سب سے بڑی تفریط اور بے ادبی یہ ہے کہ ان کی پیغمبرانہ حیثیت کا انکار اور ان کی تکذیب کی جائے اور جو ہدایت و تعلیم اور جو احکام وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے لاتے ہیں ان کو تسلیم ہی نہ کیا جائے۔ قرآن کہتا ہے کہ یہ بھی اسی طرح کفر ہے جس طرح کہ خدا کا انکار کفر ہے۔ اور خدا کے منکرین کی طرح اس جرم کے مجرمین بھی اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور بخشش سے قطعی محروم رہنے والے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق قرآن کا اعلان:

أُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ حَقًّا ۚ وَأَعْتَدْنَا لِلْكَافِرِينَ عَذَابًا مُّهِينًا ۞ (النساء ۴: رکوع ۲۱)

پہلے گزر چکا ہے جس کا مطلب یہی ہے کہ ایسے لوگ قطعی کافر ہیں اور جہنم کا اہانت آمیز عذاب ان کے لیے تیار ہے۔

اور سورۂ اعراف میں ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت آدمؑ و حواؑ کے اس دنیا میں آنے کے بعد جب انسانی تاریخ کا یہاں آغاز ہوا تو اس وقت پوری نسل آدمؑ کے لیے جو چند اصولی اور بنیادی ہدایتیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی گئی تھیں، ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ:

يَا بَنِي آدَمَ إِمَّا يَأْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنكُمْ يَقُصُّونَ عَلَيْكُمْ آيَاتِي ۙ فَمَنِ اتَّقَىٰ وَأَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۞ وَالَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا أُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۖ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ۞ (الاعراف ۷: رکوع ۴)

ترجمہ: اے اولاد آدمؑ! اگر تمہارے پاس ہمارے بھیجے ہوئے پیغمبر آویں جو تم ہی میں سے ہوں گے اور تم کو میرے احکام بتائیں تو جو لوگ (ان کی ہدایت کو قبول کر کے) پرہیزگاری اختیار کریں گے اور اپنے احوال و اعمال کو درست کر لیں گے تو ان کو کوئی

اندیشہ نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے اور جو لوگ انکار و استکبار کی راہ اختیار کریں گے اور ہمارے احکام کو جھٹلائیں گے اور ازراہ تکبّر ان کو قبول نہیں کریں گے وہ دوزخ والے ہوں گے اور ہمیشہ دوزخ ہی میں پڑے رہیں گے۔

اور چند ہی آیات کے بعد انبیاء علیہم السلام اور ان کی لائی ہوئی تعلیم کے ان ہی مکذبین و منکرین کے بارے میں پھر فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ کَذَّبُوۡا بِاٰیٰتِنَا وَ اسۡتَکۡبَرُوۡا عَنۡہَا لَا تُفَتَّحُ لَہُمۡ اَبۡوَابُ السَّمَآءِ وَ لَا یَدۡخُلُوۡنَ الۡجَنَّۃَ حَتّٰی یَلِجَ الۡجَمَلُ فِیۡ سَمِّ الۡخِیَاطِ۔ (الاعراف ۷: رکوع ۵)

ترجمہ: جن لوگوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی اور ازراہ تکبّر ان کے ماننے سے انکار کیا، ان کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھولے جائیں گے اور کبھی ہرگز جنّت میں نہ جا سکیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکہ میں داخل ہو جائے (مطلب یہ ہے کہ جس طرح سوئی کے ناکہ میں سے اونٹ کا گزرنا ناممکن ہے، اسی طرح اللہ کی آیات کے مکذبین و منکرین کا جنّت میں جانا ناممکن ہے)۔

اور ان کے برخلاف جو لوگ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائیں اور ان کی ہدایت و تعلیم کی پیروی کر کے نیک عملی کی زندگی گزاریں ان کے متعلق اس آیت کے بعد متصلاً فرمایا گیا ہے:

وَ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَا نُکَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَہَاۤ ۫ اُولٰٓئِکَ اَصۡحٰبُ الۡجَنَّۃِ ۚ ہُمۡ فِیۡہَا خٰلِدُوۡنَ۔ (الاعراف ۷: رکوع ۵)

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائیں اور اچھے عمل کریں (یعنی علم و عمل میں انبیاء علیہم السلام کی تعلیم و ہدایت کی پیروی کریں (اور یہ کوئی ناممکن یا بہت مشکل نہیں کیونکہ) ہم کسی کو اس کے امکان اور اس کی طاقت و وسعت کے سوا مکلّف نہیں کرتے، تو وہ جنتی ہیں، جو ہمیشہ ہمیشہ جنّت میں رہیں گے۔

پھر فرمایا گیا ہے کہ انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کی پیروی کرنے کے طفیل جب یہ بندگانِ خدا جنّت میں پہنچ جائیں گے تو ان کی زبانوں پر اللہ کی حمد و ثنا اور پیغمبروں کے اعتراف و شکریہ کا یہ نغمہ ہوگا:

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ الَّذِیۡ ہَدٰىنَا لِہٰذَا ۟ وَ مَا کُنَّا لِنَہۡتَدِیَ لَوۡ لَاۤ اَنۡ ہَدٰىنَا اللّٰہُ ۚ لَقَدۡ جَآءَتۡ رُسُلُ

رَبِّنَا بِالْحَقِّ۔ (الاعراف ۷: رکوع ۵)

ترجمہ: اللہ کا (لاکھ لاکھ) شکر ہے جس نے ہم کو اپنے فضل سے اس مقام تک پہنچایا اور اگر وہ نہ پہنچاتا تو یہاں تک ہماری ہرگز رسائی نہیں ہو سکتی، بے شک ہمارے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی تعلیم و دعوت بالکل حق تھی اور انہوں نے جو کچھ ہم کو بتایا سب سچ تھا۔

الغرض قرآن مجید نے ان آیات میں بتلایا کہ انبیاء علیہم السلام کی تکذیب اور ان کی تعلیم کا انکار اللہ تعالیٰ کے نزدیک ناقابلِ معافی جرم ہے اور جس طرح انکار خدا کی سزا جہنم کا ابدی عذاب ہے اسی طرح پیغمبروں کی تکذیب کی سزا بھی اللہ نے یہی مقرر کی ہے۔ ایسے لوگ کبھی جنّت کی ہوا بھی نہ پا سکیں گے۔

جنّت صرف ان ہی کے لیے ہے جو انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائیں اور ان کی تعلیم و ہدایت کی روشنی میں اپنی زندگیوں کو سنواریں۔ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کے اس فیصلہ کا اعلان ایک دوسری جگہ ان الفاظ میں کیا ہے:

وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ۝

(الانعام ۶: رکوع ۵)

ترجمہ: ہم پیغمبروں کو صرف اسی لیے بھیجتے ہیں کہ وہ ثواب کی خوشخبری سنائیں اور عذاب سے ڈرائیں پس جو لوگ ان کی دعوت کو قبول کر کے ایمان لائیں اور ان کی تعلیم و ہدایت کے مطابق اپنے کو درست کر لیں تو ان کو کوئی اندیشہ اور کوئی غم نہیں اور اس کے برخلاف جو لوگ ہماری آیات کی تکذیب کریں گے وہ اپنی بدکاری اور نافرمانی کی وجہ سے ضرور عذاب میں مبتلا ہوں گے۔

اس اعلان اور انتباہ کے علاوہ قرآن مجید اپنے مخاطبین کو یہ بھی بتلاتا ہے کہ پچھلے زمانوں میں جن قوموں اور قوموں کے جن سرداروں نے اللہ تعالیٰ کے پیغمبروں کی مخالفت اور تکذیب کی ان کو کبھی معاف نہیں کیا گیا۔ چنانچہ سورۂ صٓ میں قوم نوح، قوم عاد، قوم ثمود، قوم شعیب اور فرعون کا نام بنام ذکر کر کے ان کے جرم اور اس کی سزا کا ذکر ان الفاظ میں کیا گیا ہے:

اِنْ كُلٌّ اِلَّا كَذَّبَ الرُّسُلَ فَحَقَّ عِقَابِ ۝ (سورۂ ص ۳۸: رکوع ۱)

ترجمہ: ان سب نے یہی کیا کہ میرے پیغمبروں کی تکذیب اور ان کا انکار کیا، اس لیے میرا عذاب ان پر واقع ہوا۔

اسی طرح سورۂ الحاقہ میں فرعون اور اس سے پہلے کے بعض منکرین انبیاء کے متعلق فرمایا گیا:

فَعَصَوْا رَسُوْلَ رَبِّهِمْ فَاَخَذَهُمْ اَخْذَةً رَّابِيَةً ۝ (الحاقہ ۶۹: رکوع ۱)

ترجمہ: انہوں نے کہنا نہ مانا اپنے رب کے رسولوں کا تو اللہ نے لے لیا ان کو سخت گرفت میں۔

الغرض پیغمبروں کے حق میں سب سے بڑی تفریط اور بے ادبی ان کی تکذیب اور ان کی اطاعت سے انکار ہے اور قرآن مجید نے جابجا واضح کر دیا ہے کہ یہ قطعی کفر اور ناقابل معافی جرم ہے۔

پھر اس سے کم درجہ کی تفریط اور ناقدر شناسی یہ ہے کہ ان کے احکام کی تعمیل میں کوتاہی کی جائے۔ قرآن مجید بتلاتا ہے کہ یہ بھی ایسا جرم ہے کہ اس کے کرنے والوں کو اللہ تعالیٰ کے دردناک عذاب اور اس کی سخت پکڑ سے ڈرنا چاہیے:

فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ اَمْرِهٖٓ اَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ اَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝ (سورۂ النور ۲۴: ۹)

ترجمہ: جو لوگ رسولِ خدا کے حکم کی خلاف ورزی کرتے ہیں ان کو اس سے ڈرنا چاہیے کہ کوئی آفت ان پر آن پڑے یا دردناک عذاب ان پر نازل ہو جائے۔

اسی لیے قرآن مجید میں جابجا اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کے حکم کے ساتھ رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کا حکم بھی ویسے ہی زور کے ساتھ دیا گیا ہے۔ بہت سے مقامات پر ارشاد فرمایا گیا ہے:

اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ۔[1]

ترجمہ: اللہ کی اطاعت کرو اور اس کے رسول کی اطاعت کرو۔

---

(۱) النساء۔ ۸۔ المائدہ ع۔ ۲۔ النور ع۔ ۷۔ محمد ع۔ ۴۔ تغابن ع۔ ۲۔

کہیں فرمایا گیا ہے کہ ہدایت، رسول کی اطاعت و فرمانبرداری سے ہی وابستہ ہے۔ چنانچہ سورۂ نور میں اللہ کی اطاعت کے بعد رسول کی اطاعت کا تاکیدی حکم دینے کے بعد فرمایا گیا: وَ اِنۡ تُطِیۡعُوۡهُ تَهۡتَدُوۡا (اگر تم رسول ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری کرو گے تو ہدایت پا جاؤ گے)۔

گویا اس آیت میں قرآن مجید نے اعلان کر دیا کہ جو لوگ رسول کی اطاعت و پیروی نہ کریں گے وہ اللہ کی ہدایت سے محروم اور راہ حق سے بھٹکے ہوئے رہیں گے۔ ایک دوسرے موقع پر اس حقیقت کا اعلان قرآن مجید نے ان الفاظ میں بھی فرمایا ہے:

مَنۡ یَّعۡصِ اللّٰهَ وَ رَسُوۡلَهٗ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًا مُّبِیۡنًا۔ (الاحزاب ۳۳: رکوع ۵)

ترجمہ: اور جو نافرمانی کریں اللہ کی اور اس کے رسول کی تو وہ بڑی کھلی گمراہی میں جا پڑے۔

ایک دوسرے موقع پر قرآن مجید نے اعلان فرمایا ہے کہ ہمارے پیغمبر ﷺ کی بے چون و چرا اطاعت اور ان کے ہر حکم اور ہر فیصلہ کو خوش دلی سے قبول کرنا ایمان کی شرائط میں سے ہے، جس کا یہ حال نہ ہو اس کو ایمان کا مقام ہرگز حاصل نہیں۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہے:

فَلَا وَ رَبِّکَ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوۡکَ فِیۡمَا شَجَرَ بَیۡنَهُمۡ ثُمَّ لَا یَجِدُوۡا فِیۡۤ اَنۡفُسِهِمۡ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیۡتَ وَ یُسَلِّمُوۡا تَسۡلِیۡمًا ۝ (النساء ۴: رکوع ۹)

ترجمہ: (اے ہمارے پیغمبر ﷺ!) قسم تمہارے پروردگار کی یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے (اور ایمان کے مقام پر نہیں پہنچ سکتے) جب تک کہ یہ بات نہ ہو کہ حکم بنائیں تم کو اپنے نزاعی معاملات میں پھر (جب تم اپنا فیصلہ دے دو تو) کوئی تنگی اور ناگواری نہ پائیں اپنے دلوں میں تمہارے فیصلہ سے اور تسلیم کر لیں اس کو پوری طرح مان کر۔

اور سورۂ حشر میں تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا کہ ہمارے پیغمبر تمہارے حق میں جو مثبت یا منفی فیصلہ کریں اور جو حکم دیں اس کو مانو اور بجالاؤ۔ اگر اس کے خلاف راستہ اختیار کیا گیا تو یاد رکھو کہ اللہ کا عذاب سخت ہے۔

وَ مَاۤ اٰتٰىکُمُ الرَّسُوۡلُ فَخُذُوۡهُ وَ مَا نَهٰکُمۡ عَنۡهُ فَانۡتَهُوۡا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ۝ (الحشر ۵۹: رکوع ۱)

ترجمہ: ہمارے رسول جو تم کو دیں اس کو لے لو اور جس سے منع کریں اس سے رک جاؤ

اور اس بارے میں اللہ (کی پکڑ) سے ڈرو۔ اللہ کا عذاب بڑا سخت ہے۔

اور سورۂ احزاب میں اس پیغمبر کا حق اور مرتبہ یہ بیان فرمایا گیا ہے کہ اپنے اوپر جتنا حق اور جتنا اختیار اپنی ذات کا ہوتا ہے اس سے زیادہ حق اور اختیار ایمان والوں پر پیغمبر کا ہے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ اگر اللہ کے پیغمبر کسی کو ایسا حکم دیں جس میں اس کی جان جاتی ہو تو اس کا فرض ہے کہ بے دریغ جان دے کر اس حکم کی تعمیل کرے۔ ارشاد ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَ اَزْوَاجُهٗۤ اُمَّهٰتُهُمْ۔ (الاحزاب ۳۳: رکوع ۱)

ترجمہ: پیغمبر کا زیادہ حق ہے اہل ایمان پر خود ان کی اپنی ذاتوں سے، اور پیغمبر کی بیویاں کل اہل ایمان کی مائیں ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا خالق اور مالک ہے، اس کو ہم پر ہر طرح کا حق اور اختیار ہے، یہاں تک کہ جن تصرفات اور جن فیصلوں کا اپنی جان اور اپنی ذات کے بارے میں خود ہم کو بھی حق نہیں، اللہ تعالیٰ کو ان تمام تصرفات اور فیصلوں کا بھی حق ہے۔ اور پیغمبر اس دنیا میں چونکہ اس کے نائب اور نمائندہ ہیں اور وہی اللہ تعالیٰ کے احکام لانے والے اور ان کے نافذ کرنے والے ہیں۔ اس لیے عملاً ضروری ہے کہ ان کا حق و اختیار بھی ایسا ہی مانا جائے۔

آگے فرمایا کہ ان کی بیویاں تمام اہل ایمان کی ماؤں کی جگہ ہیں اس لیے ان کا ادب و احترام اپنی ماؤں کی طرح کیا جائے۔

قرآن مجید انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے اور ان کے احکام کی اطاعت کرنے اور ان کا حق اور مرتبہ پہچاننے پر زور دینے کے علاوہ اس کی بھی تاکید کرتا ہے کہ ان کے حضور میں بلند آواز سے اور بیباکی سے بولا بھی نہ جائے بلکہ جب کسی کو ان کے سامنے کچھ عرض کرنا ہو تو پورے ادب سے اور دبی آواز سے عرض کیا جائے۔ قرآن مجید آگاہی دیتا ہے کہ اگر اس بارے میں کوتاہی ہوئی تو تمہارے سارے اعمال اکارت ہو جانے کا خطرہ ہے۔ سورۂ حجرات میں ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَرْفَعُوْۤا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِیِّ وَ لَا تَجْهَرُوْا لَهٗ بِالْقَوْلِ كَجَهْرِ بَعْضِكُمْ لِبَعْضٍ اَنْ تَحْبَطَ اَعْمَالُكُمْ وَ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ۝ اِنَّ الَّذِیْنَ یَغُضُّوْنَ اَصْوَاتَهُمْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُولٰٓىِٕكَ الَّذِیْنَ امْتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ لِلتَّقْوٰى لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ اَجْرٌ عَظِیْمٌ۝ (الحجرات ۴۹: رکوع ۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنی آوازیں پیغمبرؐ کی آواز سے بلند نہ کیا کرو اور آپ سے اس طرح کھل کر بھی بات نہ کیا کرو جیسے کہ آپس میں ایک دوسرے سے کھل کر باتیں کرتے ہو، مبادا تمہارے سارے اعمال (ادب کی اس کوتاہی سے) اکارت ہو جائیں اور تمہیں خبر بھی نہ ہو، بیشک جو لوگ اللہ کے رسولؐ کے حضور میں اپنی آوازیں نیچی کر کے باتیں کرتے ہیں وہی ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لیے خاص کر لیا ہے، ان کے لیے ہی اللہ کی بخشش اور بڑا اجر ہے۔

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں تفریط و ناقدر شناسی اور بے ادبی کی گمراہی سے بچانے کے لیے تو قرآن مجید نے یہ ہدایات دیں (جو مذکور ہوئیں) اب اس کے بعد وہ ہدایات بھی سنئے جو افراط اور غلو کے فتنہ سے بچانے کے لیے قرآن مجید نے دی ہیں۔

افراط اور غلو کا فتنہ

انبیاء علیہم السلام کے بارے میں جس غلو اور افراط میں بہت سی قومیں مبتلا ہوئی ہیں وہ یہ ہے کہ انہوں نے سمجھا کہ نبی انسان نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اس کو انسانوں سے بالاتر کسی جنس سے ہونا چاہیے اور انسانی ضرورتیں اور انسانیت کے لوازم بھی اس کے ساتھ نہ ہونے چاہئیں۔

چنانچہ بہت سی قوموں نے اسی گمراہی کی بناء پر اپنے زمانے کے پیغمبروں کا انکار کیا۔ قرآن کا بیان ہے کہ اللہ کے پیغمبر نوحؑ کا انکار کرتے ہوئے ان کی قوم نے کہا تھا:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۔ (مومنون ۲۳: رکوع ۲)

ترجمہ: یہ تو تمہاری طرح کے ایک انسان ہیں (پھر یہ خدا کے رسول کیسے ہو سکتے ہیں؟

اور نوح علیہ السلام کے بعد جب دنیا میں پھر گمراہی پھیلی اور اللہ نے اپنے ایک اور نبی کو بھیجا تو ان کی قوم نے بھی یہ کہہ کر ان کا انکار کیا کہ:

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَاْكُلُ مِمَّا تَاْكُلُوْنَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ مِمَّا تَشْرَبُوْنَ۔

(مومنون ۲۳: رکوع ۲)

ترجمہ: یہ تو تمہاری طرح ایک انسان ہیں جو تم کھاتے ہو وہی چیزیں یہ بھی کھاتے ہیں اور جو تم پیتے ہو وہی یہ بھی پیتے ہیں (پھر بھلا یہ کس طرح رسول ہو سکتے ہیں؟

اور سورۂ تغابن میں زمانہ قدیم کی منکر قوموں کے متعلق بیان فرمایا گیا ہے کہ ان کے کفر و انکار کا باعث یہی ہوا کہ یہ بات تسلیم کرنے کے لیے وہ تیار نہیں ہوئیں کہ انسان بھی نبی ہو سکتا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّهٗ كَانَتْ تَّاْتِيْهِمْ رُسُلُهُمْ بِالْبَيِّنٰتِ فَقَالُوْٓا اَبَشَرٌ يَّهْدُوْنَنَا فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا۔
(سورۃ التغابن ۶۴: رکوع ۱)

ترجمہ: ان کے اس کفر کا سبب یہی ہوا کہ ان کے پاس ان کے پیغمبر روشن دلائل اور واضح احکام لے کر آئے تو ان کمبختوں نے کہا کیا انسان ہم کو ہدایت دیں گے؟ پس (اسی بنیاد پر) انہوں نے ان رسولوں کا انکار کر دیا اور ان سے روگردانی اختیار کی۔

اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا:

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ۝
(بنی اسرائیل ۱۷: رکوع ۱۱)

ترجمہ: جب لوگوں کے پاس ہماری ہدایت پہنچی تو ایمان لانے سے ان کو صرف یہی چیز مانع ہوئی کہ انہوں نے کہا کیا آدمی کو اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ (یہ بات تو ہم نہیں مان سکتے۔

اور خود قرآن کے لانے والے خدا کے آخری رسول ﷺ کے بارے میں ان کے منکروں نے کہا کہ:

مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَاْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْاَسْوَاقِ۔ (الفرقان ۲۵: رکوع ۱)

ترجمہ: یہ کیسے رسولؐ ہیں کہ کھاتے پیتے ہیں اور (اپنے کاموں سے) بازاروں میں بھی جاتے ہیں۔

مطلب یہی تھا کہ خدا کا رسول تو وہی ہو سکتا ہے جو ان انسانی لوازم و خصوصیات سے مبرّا اور بالاتر ہو۔ الغرض پیغمبروں کے بارے میں بہت سی قومیں اس گمراہی میں مبتلا رہی ہیں کہ وہ انسان نہیں ہو سکتے بلکہ ان کو کسی بالاتر جنس سے ہونا چاہیے اور انسانی عادات و خصوصیات بھی ان میں بالکل نہیں ہونی چاہئیں۔ مگر قرآن مجید نے اس گمراہی کی پوری صراحت و صفائی سے بیخ کنی کی ہے۔ رسول ﷺ کو خطاب کر کے ارشاد ہے:

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ۔ (یوسف ۱۲: رکوع ۱۲)

ترجمہ: اور ہم نے آپ ﷺ سے پہلے بھی آدمیوں ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجا تھا ہم ان ہی کی طرف اپنے احکام کی وحی کرتے تھے۔

اور سورۂ فرقان میں فرمایا گیا:

وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ۔
(الفرقان ۲۵: رکوع ۲)

ترجمہ: اور آپ ﷺ سے پہلے جتنے رسول بھی ہم نے بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور (اور اپنی ضرورتوں سے) بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

اور خود رسول ﷺ کو بار بار حکم دیا گیا کہ اپنے بارے میں صاف صاف ان لوگوں سے کہہ دیجیے اور اعلان کر دیجیے کہ:

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ۔ (الکہف ۱۸: رکوع ۱۲۔ حم سجدہ ۳۲: رکوع ۱)

ترجمہ: میں تو بس تمہاری ہی طرح کا ایک انسان ہوں۔

اور پیغمبروں کے بارے میں غلو اور افراط ہی کے سلسلے کی ایک گمراہی یہ تھی کہ ان کے لیے ضروری سمجھا جاتا تھا کہ ساری کائنات پر ان کا تصرف اور اختیار ہو اور وہ سب کچھ کر سکتے ہوں۔

اسی بنیاد پر رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے منکرین نے آپ ﷺ سے کہا تھا، قرآن کا بیان ہے:

وَقَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى تَفْجُرَ لَنَا مِنَ الْاَرْضِ يَنْۢبُوْعًا ۝ اَوْ تَكُوْنَ لَكَ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّعِنَبٍ فَتُفَجِّرَ الْاَنْهٰرَ خِلٰلَهَا تَفْجِيْرًا ۝ اَوْ تُسْقِطَ السَّمَآءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا اَوْ تَاْتِيَ بِاللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ قَبِيْلًا ۝ اَوْ يَكُوْنَ لَكَ بَيْتٌ مِّنْ زُخْرُفٍ اَوْ تَرْقٰى فِي السَّمَآءِ وَلَنْ نُّؤْمِنَ لِرُقِيِّكَ حَتّٰى تُنَزِّلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا نَّقْرَؤُهٗ ۝ (بنی اسرائیل ۱۷: ۱)

ترجمہ: یہ منکرین کہتے ہیں کہ ہم ہرگز تم پر ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ تم ایسے خارق عادت کام کر کے نہ دکھا دو۔ (مثلاً یہ کہ) تم حکم کرو اور زمین سے چشمہ پھوٹ نکلے یا تمہارے لیے کھجور اور انگور کا ایک باغ لگ جائے اور پھر تم اس میں پانی کی بہت سی نہریں جاری کر کے دکھاؤ یا جیسے کہ تم کہا کرتے ہو آسمان کے ٹکڑے ہم پر گراؤ، یا اللہ کو اور فرشتوں کو ہمارے سامنے لے آؤ، یا تمہارے لیے ایک سونے کا گھر بن

جائے، یا تم پرواز کرتے ہوئے آسمان میں چڑھ جاؤ اور ہم تمہارے اس چڑھ جانے کو بھی نہیں مانیں گے جب تک ایسا نہ ہو کہ تم آسمان سے ایک لکھی لکھائی کتاب ہمارے پاس اُتار لاؤ جس کو ہم پڑھ سکیں۔

مگر قرآن مجید میں ان سب مطالبوں کے جواب میں رسول اللہ ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ:

قُلْ سُبْحَانَ رَبِّيْ هَلْ كُنْتُ اِلَّا بَشَرًا رَّسُوْلًا۔ (بنی اسرائیل ۱۷: رکوع ۱۰)

ترجمہ: آپ ﷺ ان سے کہہ دیجیے، سبحان اللہ (میں کوئی خدا ہوں) میں اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک آدمی ہوں، اللہ کا پیغام پہنچانے والا۔

اس مختصر آسمانی جواب کا مطلب یہی ہے کہ اے منکرو! تمہاری یہ بنیادی غلطی ہے کہ تم سمجھتے ہو کہ نبی و رسول وہ ہوتا ہے جس کے اختیار اور قبضے میں سب کچھ ہو اور زمین و آسمان پر اس کا کُنْ فَیَکُوْنِی تصرف ہو۔ حالانکہ یہ شان خدا کی ہے۔ بیشک وہ کسی چیز سے عاجز نہیں ان کی قدرت میں سب کچھ ہے لیکن میری حیثیت تو صرف یہ ہے کہ میں تم میں کا اور تمہاری جنس کا ایک انسان ہوں جس کو اللہ تعالیٰ نے رسالت و پیغمبری کا کام اور منصب عطا فرما دیا ہے، میں اس سے زیادہ کسی چیز کا مدعی نہیں۔ اسی طرح سورۂ عنکبوت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے منکرین نے آپ ﷺ سے کہا کہ جو معجزے اور جو نشانیاں ہم چاہتے ہیں وہ آپ ﷺ کیوں نہیں دکھاتے؟ تو اس کا جواب بھی آپ ﷺ سے یہی دلوایا گیا کہ:

قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَاِنَّمَآ اَنَا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۔ (العنکبوت ۲۹: رکوع ۵)

ترجمہ: آپ ﷺ ان سے کہہ دیجیے کہ معجزے اور نشانیاں تو اللہ کے اختیار میں ہیں (ان پر میرا اختیار نہیں) میں تو بس صاف صاف آگاہی دینے والا اور ہشیار کرنے والا اللہ کا پیغمبر ہوں۔

اور اسی غلو اور افراط کی بیخ کنی کے لیے ایک دوسری جگہ آپ ﷺ کو حکم دیا گیا کہ:

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِيْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّيْ مَلَكٌ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰۤى اِلَيَّ۔ (الانعام ۶: رکوع ۵)

ترجمہ: آپ ﷺ کہہ دیجیے کہ میں تم سے نہیں کہتا کہ اللہ تعالیٰ کے خزانے میرے اختیار میں ہیں اور نہ (میں یہ کہتا ہوں کہ) مجھے علم غیب ہے، اور نہ میں کہتا

ہوں کہ میں فرشتہ ہوں (میرا حال تو یہ ہے کہ) جو وحی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مجھ پر کی جاتی ہے اور جو حکم مجھے دیا جاتا ہے تو بس اس کا میں اتباع کرتا ہوں۔

اور اسی مقصد کے لیے آپ ﷺ سے اعلان کرایا گیا:

قُلْ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّ لَا رَشَدًا ۝ قُلْ اِنِّیْ لَنْ یُّجِیْرَنِیْ مِنَ اللّٰهِ اَحَدٌ ۙ۬ وَّ لَنْ اَجِدَ مِنْ دُوْنِهٖ مُلْتَحَدًا ۝ (سورۃ الجن ۷۲: رکوع ۲)

ترجمہ: آپ ﷺ صاف کہہ دیجئے کہ اے لوگو! میں نہیں مالک ہوں تمہارے نقصان کا اور نہ تمہاری بھلائی کا (یعنی بناؤ بگاڑ میرے اختیار میں نہیں بلکہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے) آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ (خود میرا معاملہ یہ ہے) کہ مجھے بھی نہیں بچا سکتا اللہ کے ہاتھ سے کوئی اور میں نہیں پا سکتا اس کے سوا کوئی ٹھکانہ۔

اور سورۃ اعراف میں فرمایا گیا:

قُلْ لَّاۤ اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّ لَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ وَ لَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ لَا سْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَیْرِ ۛۚ وَ مَا مَسَّنِیَ السُّوْٓءُ ۛۚ اِنْ اَنَا اِلَّا نَذِیْرٌ وَّ بَشِیْرٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَ ۝

(سورۃ الاعراف ۷: رکوع ۲۳)

ترجمہ: آپ ﷺ اعلان فرما دیجیے کہ میں خود اپنی ذات کے نفع و نقصان کا بھی مالک و مختار نہیں ہوں، مگر جو اللہ تعالیٰ چاہے وہی ہوتا ہے (سب کچھ اسی کی مشیت اور اسی کے فیصلے پر موقوف ہے) اور اگر میں غیب کی بات جان لیا کرتا تو بہت کچھ منافع حاصل کر لیتا اور کبھی کوئی ناگواری اور خلافِ مرضی بات مجھے پیش نہ آتی، میں تو بس انجام کے خطرے سے ہوشیار کرنے والا اور انعامات الٰہی کی خوشخبری سنانے والا ہوں، ایمان یقین والوں کو۔

ان سب آیتوں میں اسی غلو اور افراط کی بیخ کنی کی گئی ہے جو انبیاء علیہم السلام کے بارے میں بہت سی قوموں اور امتوں میں مختلف زمانوں میں رہا ہے اور آج بھی موجود ہے حتیٰ کہ خود قرآن کے ماننے والے بہت سے مسلمان جہالت اور ناواقفی کی وجہ سے اس میں مبتلا ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کے خزانوں پر رسول کا پورا پورا اختیار اور تصرف ہونا چاہیے اور ان کو علم غیب بھی ہونا چاہیے اور دین و دنیا اور آخرت کے بارے میں ان کو مختار مطلق ہونا چاہیے۔ حالانکہ معلوم ہو چکا

ہے کہ قرآن مجید نے ان تمام گمراہانہ خیالات و خرافات کی پوری صراحت اور صفائی سے تردید کی ہے۔ اسی سلسلے میں قرآن مجید کی یہ چند آیتیں اور بھی پڑھ لیجئے۔

قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَآ اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ وَمَآ اَنَا اِلَّا نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ۝ (سورۂ احقاف ۴۶: رکوع ۱)

ترجمہ: آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ میں کوئی نیا نرالہ نہیں ہوں رسولوں میں سے (جس طرح مجھ سے پہلے اللہ کے بہت سے رسول آئے اسی طرح میں بھی اس کا ایک رسول ہوں) اور (میرا حال یہ ہے کہ) جو کچھ مستقبل میں میرے ساتھ پیش آئے گا اور جو تمہارے ساتھ کیا جائے گا میں اس سب کو جانتا بھی نہیں، میں تو بس صاف صاف آگاہی دینے والا ہوں۔

اور سورۂ یونس میں ذکر ہے کہ رسول ﷺ کے زمانہ کے کافر و منکر جب آپ ﷺ کی زبان سے قرآن مجید سنتے تھے (جس کی تعلیم ان کافرانہ و مشرکانہ خیالات و اعمال کے خلاف تھی تو کہتے تھے کہ قرآن تو ہم نہیں مان سکتے۔ لہٰذا یا تو اس کی جگہ کوئی دوسرا قرآن لاؤ یا اس کی تعلیم اور اس کے مضامین کو بدلو۔ اس کے جواب میں آپ ﷺ کو حکم دیا گیا:

قُلْ مَا يَكُوْنُ لِيْٓ اَنْ اُبَدِّلَهٗ مِنْ تِلْقَآئِ نَفْسِيْ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَيَّ اِنِّيْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّيْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ۝ (سورۂ یونس ۱۰: رکوع ۲)

ترجمہ: آپ ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ مجھے بالکل یہ حق نہیں ہے کہ میں اپنی طرف سے اس میں کوئی رد و بدل کر سکوں، میں خود انہی احکام کی تابعداری کرتا ہوں جو کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میری طرف وحی کئے جاتے ہیں۔ اگر میں اپنے اس مالک کے حکم کی خلاف ورزی کروں تو بڑے دن کے عذاب کا مجھے بھی ڈر ہے۔

الغرض پیغمبروں کے بارے میں غلو اور افراط کے سلسلے کی جن جن گمراہیوں میں لوگ کبھی مبتلا ہوئے ہیں یا مبتلا ہونے کے زیادہ امکانات اور خطرات ہیں، قرآن مجید نے ان سب ہی کی پوری پوری بیخ کنی اور آئندہ کے لیے ناکہ بندی کر دی ہے اور انبیاءؑ کی جو واقعی حیثیت اور ان کا جو حقیقی مقام ہے اس کو اس طرح واضح اور متعین کر دیا ہے کہ قرآن کو سمجھنے اور ماننے والوں کے لیے کسی غلط فہمی اور گمراہی کی گنجائش قطعاً نہیں رہی ہے۔

خداوندی ہدایت کی اطاعت و پیروی

اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ خدا کی خدائی کو جان لینے اور بندوں کی ہدایت کے لیے اس کے قائم کیے ہوئے سلسلۂ رسالت کو مان لینے اور اس پر ایمان لے آنے کے بعد خود بخود بندے کے لیے یہ لازم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے متعلق یہ اصولی فیصلہ کر لے کہ اس دنیا میں مجھے اللہ کے احکام اور اس کی نازل کی ہوئی ہدایت کا مطیع اور تابع رہ کر ہی زندگی گزارنی ہے۔ لیکن قرآن مجید صرف اس لزوم پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ وہ مستقل طور سے بھی اس کی دعوت دیتا ہے اور پوری تاکید کے ساتھ جابجا اس کا مطالبہ کرتا ہے کہ انسانوں کو چاہیے کہ وہ خدا کی ہدایت اور اس کے احکام (جو پیغمبرِ وقت کے ذریعے اس کی طرف سے آئیں ان) کی پیروی کو زندگی کا اصول بنائیں۔ نجات و فلاح کی یہی راہ ہے اور اس کے سوا ہر راستہ ہلاکت کا راستہ ہے۔

سورۂ انعام میں فرمایا گیا:

قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى وَ اُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (الانعام ۶: رکوع ۹)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! آپ میرے بندوں کو بتایئے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی ہدایت ہی زندگی کی صحیح راہ ہے اور ہم سب کو حکم ہے کہ پروردگار عالم کی حکم برداری کریں۔

اور سورۂ اعراف کے بالکل شروع میں فرمایا گیا:

اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ۔ (الاعراف ۷: رکوع ۱)

ترجمہ: اس ہدایت کی پیروی کرو جو اتاری گئی ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے اور اس کے سوا اور آقاؤں کی پیروی نہ کرو (کیونکہ حقیقی آقا اور رب صرف وہی ہے)۔

اور سورۂ زمر میں ارشاد ہوا:

وَ اَنِيْبُوْۤا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَ اتَّبِعُوْۤا اَحْسَنَ مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ (سورۂ زمر ۳۹: رکوع ۶)

ترجمہ: اور رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف اور اس کی حکم برداری کرو قبل اس کے کہ آجائے تم پر اس کا عذاب اور پھر کوئی تمہاری مدد نہ کر سکے اور اتباع کرو اس بہترین ہدایت کی جو اتاری گئی ہے تمہارے پروردگار کی طرف سے قبل اس کہ آجائے تم پر اچانک عذاب اور تم کو خبر بھی نہ ہو۔

یہ تو خداوندی ہدایت کے اتباع کی تاکید تھی (نیز قرآن مجید میں ان آیات کے علاوہ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ یا اس کے ہم معنی الفاظ میں بھی جابجا اس کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اب ماننے اور نہ ماننے والوں کا انجام بھی قرآن ہی کی زبان سے سنئے۔ سورۂ فتح میں ارشاد ہے:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَنْ يَّتَوَلَّ يُعَذِّبْهُ عَذَابًا اَلِيْمًا۔ (سورۃ الفتح ۴۸: رکوع ۲)

ترجمہ: جو لوگ حکم برداری کریں گے اللہ اور اس کے رسول کی، اور چلیں گے ان کی ہدایت پر ان کو پہنچائے گا اللہ ان بہشتی باغات میں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور جو نہ مانیں گے اور حق کی اس راہ سے مڑ کر چلیں گے ان کو اللہ تعالیٰ اس جرم کی دردناک سزا دے گا۔

اور دوسری جگہ ماننے والوں کے متعلق فرمایا گیا:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِيْمًا۔ (سورۃ الاحزاب ۳۳: رکوع ۹)

ترجمہ: اور جو لوگ تابعداری کریں اللہ اور اس کے رسولؐ کی تو انہوں نے بڑی کامیابی حاصل کی۔

اور سورۂ نساء میں اس بڑی کامیابی (فَوْزٌ عَظِيْمٌ) کی تفسیر و تشریح اس طرح فرمائی گئی:

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا۝ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا۝ (سورۃ النساء ۴: رکوع ۹)

ترجمہ: اور جو بندے فرمانبرداری کریں اللہ اور اس کے رسول کی، تو وہ اللہ کے ان خاص بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اس کا خصوصی انعام ہے یعنی انبیاء و صدیقین اور شہداء و صالحین اور کیا اچھے ہیں یہ رفیق، یہ ان پر فضل ہوگا اللہ تعالیٰ کی طرف سے، اور

اللہ کافی جاننے والا ہے۔

اور ان ہی خوش نصیب بندوں کے متعلق جنہوں نے ہر طرف سے رخ موڑ کے اور دنیا کے سارے طریقوں کو چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی ہدایت کی پیروی ہی کو اپنا اصولِ زندگی بنالیا ہے سورۂ مومن میں ذکر فرمایا گیا ہے کہ اللہ کے وہ خاص خاص مقرب فرشتے (حاملین عرش ومن حولہ) جنھیں بارگاہ خداوندی میں ہمہ وقت حاضری نصیب رہتی ہے، وہ اللہ تعالیٰ کی حمد و تسبیح کے ساتھ ان بندگانِ خدا کے لیے بلکہ ان کے طفیل میں ان کے آباؤاجداد اور بیوی بچوں کے لیے بھی ہردم دعائے خیر کرتے رہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ان کی اس دعا کے الفاظ بھی نقل کئے گئے ہیں، پڑھیے، اور بار بار پڑھیے۔

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَ اتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَ قِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ ِالَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۝ وَ قِهِمُ السَّيِّاٰتِ وَ مَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ (سورۃ المومن ۴۰: رکوع ۱)

ترجمہ: اے پروردگار! تیرا علم اور تیری حکمت ہر چیز کو محیط ہے، پس تو اپنے ان بندوں کی مغفرت فرمادے جو تیری طرف رجوع ہوئے اور انہوں نے تیری ہدایت کی پیروی کی اور تیری بتائی ہوئی راہ پر چلے اور دوزخ کے عذاب سے ان کو بچالے، اے پروردگار! اور ان غیر فانی جنتوں میں ان کو پہنچادے جن کا تو نے ان سے وعدہ کیا ہے، اور ان کے ماں باپ اور ان کے بیوی بچوں میں سے جو بھی اچھے ہیں ان کو بھی ان کے ساتھ جنّت میں رکھ، تو زبردست حکمت والا ہے اور تکلیفوں اور برائیوں سے ان کو بچا، اور قیامت کے دن جن کو تو نے تکلیفوں سے بچایا تو ان پر تیری رحمت ہوئی اور یہ ان کی بڑی کامیابی ہے۔

گویا اللہ کے یہ بلند مرتبہ مقرب فرشتے مامور ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی حکم برداری والی زندگی گزارنے والے بندوں کے حق میں یہ دعائے خیر اللہ کے حضور میں کرتے رہیں۔

اور ظاہر ہے کہ جس اللہ نے انہیں اس دعا پر مامور فرمایا ہے اور اپنی حمد و تسبیح کے ساتھ اس دعائے خیر کو ان کا وظیفہ بنایا ہے وہ ان کی اس دعا کو کیوں نہ قبول فرمائے گا، بلکہ قرآن مجید نے

یہ دعا اسی لیے ذکر کی گئی ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اللہ تعالیٰ کے جو بندے اللہ بندگی والی زندگی گزارتے ہیں اور اس دنیا میں اس کی ہدایت کے پابند ہو کر رہتے ہیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا مرتبہ اور مقام یہ ہے کہ اس نے اپنے مقرب فرشتوں کو ان کا دعا گو بنا دیا ہے۔ اور ان کے لیے دعائے خیر کرنا، اپنی حمد و تسبیح کی طرح ان کا وظیفہ مقرر فرمایا ہے۔

اور اس کے برعکس جو بد نصیب انسان اللہ تعالیٰ کی ہدایت۔ اس کی نازل کی ہوئی شریعت کی بجائے اپنی خواہشات نفس کی پیروی کرتے ہیں، ان کی محرومی اور بربادی کا اعلان قرآن مجید میں ان الفاظ میں فرمایا گیا:

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنِ اتَّبَعَ هَوٰىهُ بِغَيْرِ هُدًى مِّنَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۝

(سورۃ القصص ۲۸: رکوع ۵)

ترجمہ: اور ان سے زیادہ گمراہ اور بھٹکا ہوا کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی ہدایت سے ہٹ کر اپنی خواہشات کی پیروی کریں، اللہ تعالیٰ ایسے ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا۔

اور سورہ فرقان میں فرمایا گیا:

اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ اَفَاَنْتَ تَكُوْنُ عَلَيْهِ وَكِيْلًا ۝ اَمْ تَحْسَبُ اَنَّ اَكْثَرَهُمْ يَسْمَعُوْنَ اَوْ يَعْقِلُوْنَ اِنْ هُمْ اِلَّا كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ سَبِيْلًا ۝

(سورہ الفرقان ۲۵: رکوع ۴)

ترجمہ: ذرا ان بد نصیبوں کو دیکھو، (جو اللہ تعالیٰ کی بندگی اور اس کی ہدایت کی پیروی چھوڑ کر) اپنی خواہشاتِ نفس کے پرستار ہو گئے ہیں، کیا تم ان کو سنبھالنے کا ذمہ لے سکتے ہو؟ (وہ ہرگز درست نہ ہوں گے) کیا تمہارا خیال ہے کہ ان میں بہت سے کچھ سنتے اور سمجھتے ہیں، نہیں وہ تو بس لایعقل جانوروں کی طرح ہیں، بلکہ وہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

عمل صالح

اسی اتباعِ ہدیٰ اور اطاعتِ رسولِ خدا اور رسول والی زندگی کی ایک تعبیر عمل صالح والی زندگی بھی ہے۔ قرآن مجید میں بے شمار مقامات پر ایمان کے ساتھ عمل صالح کا ذکر اس طرح کیا گیا ہے کہ گویا ان دونوں سے مل کر وہ زندگی بنتی ہے جو ہمارے پیدا کرنے والے کو مطلوب اور

محبوب ہے۔ اور جو ہم کو اس کا محبوب بندہ بنانے والی ہے۔ قرآن پاک میں بلا مبالغہ سینکڑوں مقامات پر عمل صالح والی اس زندگی پر ایسی کیف آور بشارتیں سنائی گئی ہیں جن میں ایمان والی روحوں کے لیے لذت و سرور اور نشاط و مستی کا یقیناً اس سے زیادہ سامان ہے جتنا کہ شراب کے متوالوں کو شراب سے حاصل ہوتا ہوگا۔ چند آیتیں یہاں بھی سن لیجیے۔

سورۂ حج میں رسول اکرم ﷺ کو حکم ہے کہ آپ ﷺ پوری انسانی دنیا کو ہمارا پیغام سنا دیجیے۔ ارشاد ہے:

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَ الَّذِيْنَ سَعَوْا فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۝ (الحج ۲۲: رکوع ۸)

ترجمہ: اے پیغمبر! آپ اعلان کر دیجیے اور سب کو سنا دیجیے کہ اے انسانو! میں تو اللہ کی طرف سے تم کو صرف خبردار کرنے والا اور اس کا پیغام کھول کھول کر سنانے والا ہوں، پس جو لوگ ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی اختیار کریں ان کے لیے ان کے پروردگار کی طرف سے بخشش ہے اور عزت کی روزی ہے اور جو لوگ ہمارے احکام و فرامین کے مقابلے میں زور آزمائی کریں وہ دوزخ میں جانے والے ہیں۔

وَاِنِّيْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰى ۝ (طٰہٰ ۲۰: رکوع ۴)

ترجمہ: اور میری بڑی بخشش ہے ان کے لیے جو توبہ کریں اور ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں اور پھر ٹھیک چلتے رہیں۔

اور سورۂ عنکبوت میں فرمایا:

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِيْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ (العنکبوت ۲۹: رکوع ۱)

ترجمہ: اور جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں ہم ان کی خطائیں معاف اور ان کی برائیاں دور کر دیں گے اور ان کو ان کے اعمال کے استحقاق سے بہت زیادہ اچھا بدلہ دیں گے۔

اور سورۂ نساء میں فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَاۤ اَبَدًا وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا وَ مَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِیْلًا۝ (النساء ۴: رکوع ۸)

ترجمہ: اور جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں ہم ضرور ان کو ان بہشتی باغات میں بسائیں گے جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے۔ یہ وعدہ ہے اللہ کا بالکل سچا اور کس کی بات ہو سکتی ہے اللہ سے زیادہ سچی۔

اور سورہ شوریٰ میں ارشاد فرمایا:

وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فِیْ رَوْضٰتِ الْجَنّٰتِ لَهُمْ مَّا یَشَآءُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ ذٰلِكَ هُوَ الْفَضْلُ الْكَبِیْرُ۝ ذٰلِكَ الَّذِیْ یُبَشِّرُ اللّٰهُ عِبَادَهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۝ (شوریٰ ۴۲: رکوع ۳)

ترجمہ: اور جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں، وہ جنت کے باغیچوں میں رہیں گے، ان بہشتی باغوں میں جس چیز کی وہ خواہش کریں گے اپنے پروردگار کے پاس وہ ان کو ملے گی، یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے۔ اللہ تعالیٰ اس خوش انجامی کی بشارت اپنے ان بندوں کو سناتا ہے جو ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں۔

اور سورۂ کہف میں فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ كَانَتْ لَهُمْ جَنّٰتُ الْفِرْدَوْسِ نُزُلًا۝ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا لَا یَبْغُوْنَ عَنْهَا حِوَلًا۝ (الکہف ۱۸: رکوع ۱۲)

ترجمہ: بے شک جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں ان کے پروردگار کی طرف سے ان کی مہمانی کے لیے فردوس یعنی جنت کے باغات ہیں، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے (نہ ان کو وہاں سے کبھی نکالا جائے گا اور) نہ وہ خود وہاں سے کہیں اور جانا چاہیں گے۔

اور سورۂ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا:

وَ مَنْ یَّاْتِهٖ مُؤْمِنًا قَدْ عَمِلَ الصّٰلِحٰتِ فَاُولٰٓىِٕكَ لَهُمُ الدَّرَجٰتُ الْعُلٰى۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا وَ ذٰلِكَ جَزٰٓؤُا مَنْ تَزَكّٰى۝ (طٰہٰ ۲۰: رکوع ۳)

ترجمہ: اور جو بندے اپنے پروردگار کے حضور میں مومن ہو کر حاضر ہوں گے اور عمل صالح والی زندگی انہوں نے گزاری ہوگی، ان کے لیے وہاں نہایت بلند درجے ہیں، کبھی نہ فنا ہونے والے بہشتی باغات جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے اور یہ صلہ ملے گا ان کو جو کفر و نافرمانی کی گندگی سے پاک ہوں گے۔

ان سب آیتوں میں ایمان اور عمل صالح والی زندگی گزارنے والوں کے لیے آخرت میں اللہ کی رحمت و مغفرت اور اس کے فضل و بخشش اور جنت و نعمائے جنّت کی بشارتیں ہیں اور اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے جن بندوں کو آخرت پر ایمان و یقین نصیب فرمایا ہے ان کے لیے اس سے بڑھ کر کوئی بشارت اور کوئی نعمت نہیں ہو سکتی کہ آخرت کی حقیقی اور کبھی نہ ختم ہونے والی زندگی میں ان کو اللہ تعالیٰ کی رضا اور جنت نصیب ہو جائے۔

بالفرض اگر ایمان و عمل صالح کے صلے میں اس فانی دنیا میں کچھ بھی نہ ملے اور صرف آخرت ہی میں وہ مل جائے جس کا وعدہ ان آیتوں میں کیا گیا ہے تو بھی یقیناً نفع ہی نفع ہے، اور ہر مومن بندہ اس سودے پر دل و جان سے راضی ہو کر اپنے رب کریم کا شکر گزار ہی ہوگا۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ عمل صالح اور ایمان کے صلے میں آخرت میں مغفرت اور جنت کے علاوہ اس دنیا میں بھی جو کچھ عطا فرمانے کا وعدہ قرآن مجید میں کیا گیا ہے، وہ اس دنیا کی بھی سب سے بڑی نعمت ہے۔

مثلاً سورہ مریم میں فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَيَجْعَلُ لَهُمُ الرَّحْمَٰنُ وُدًّا ۔ (سورہ مریم ۱۹: ۲)

ترجمہ: بلاشبہ جو بندے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی گزاریں، بڑی رحمت والا پروردگار ان کو ضرور محبّت سے نوازے گا۔

یعنی اس دنیا کی زندگی میں ان کو اللہ تعالیٰ کی محبت و محبوبیت کا مقام نصیب ہوگا اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کے دلوں میں بھی ان کی محبّت پیدا فرمادے گا۔

سوچئے! کسی بندے کے لیے اس دنیا میں اس سے بڑی نعمت اور کیا ہو سکتی ہے کہ اس کے دل کو اللہ تعالیٰ سے محبّت و تعلق کی دولت نصیب ہو جائے اور اللہ تعالیٰ اس کو اپنی محبت کے لیے چن لے، اور عامہ مخلوق کے دل میں بھی اس کی محبت و مقبولیت پیدا کر دی جائے۔

صرف مادی لذتوں اور برائیوں سے دلچسپی رکھنے والے جو انسان اپنی انسانیت کھو کر حیوانیت

کی سطح پر آچکے ہیں، غالباً ان کے نزدیک تو اس دنیا کی بڑی نعمتیں صرف روپوں کے ڈھیر اینٹوں اور پتھروں سے بنے ہوئے عالی شان محلات، انواع اقسام کے لذیذ مرغن کھانے، بیش قیمت کپڑے اور قیمتی سواریاں ہی ہوں گی لیکن جو واقعی انسان ہیں انہیں اس میں قطعاً کوئی شک نہیں ہو سکتا کہ اللہ کی محبّت و محبوبیت اور عام خلائق کی نگاہ میں مقبولیت کا ایک لمحہ اس پوری عمر سے زیادہ لذیذ اور قیمتی ہے جس میں مذکورہ بالا ساری مادی نعمتیں تو میسر ہوں لیکن اللہ تعالیٰ کی محبّت و محبوبیت اور مقبولیت کی اس نعمت سے محرومی ہو۔

اللہ تعالیٰ اس دنیا میں اپنے جس بندے کو اپنی محبّت و محبوبیت اور مقبولیت کا کوئی حصہ نصیب فرمائے بس وہی جانتا ہے کہ اس کو کتنی بڑی دولت اور زندگی کا کیسا لُطف حاصل ہے۔

اسی کو قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ حیوٰۃ طیبہ فرمایا گیا۔ سورۂ نمل میں ارشاد ہے:

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً وَّلَنَجْزِيَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۝ (النمل ۲۷: رکوع ۱۳)

ترجمہ: جو بندہ عمل صالح والی زندگی گزارے، خواہ مرد ہو یا عورت، اور وہ صاحب ایمان بھی ہو تو ہم ضرور اس کو حیاتِ طیبہ، (نہایت اچھی پر لُطف زندگی) دیں گے اور آخرت میں ان کے اعمال حسنہ کا ان کے استحقاق سے بہت زیادہ اچھا صلہ ان کو عطا فرمادیں گے۔

اس آیت میں عمل صالح والی زندگی پر جس حیوٰۃ طیبہ کا وعدہ کیا گیا ہے اس کا تعلق اس دنیا سے ہے اور وہ اللہ کی محبّت و محبوبیت، سکینت و طمانیت اور خلق اللہ میں مقبولیت کی وہ زندگی ہے جس کا ابھی اوپر ذکر گیا اور بلاشبہ وہ اس دنیا کی سب سے بڑی دولت و نعمت اور سب سے بڑی لذت ہے۔

دنیا میں یہ حیوٰۃ طیبہ ملنا تو ایمان اور عمل صالح والی زندگی کا وہ صلہ ہے جس سے ہر وہ فرد نوازا جاتا ہے جو ایمان و عمل صالح کی شرط کو پورا کرے خواہ مرد ہو یا عورت!

اس کے علاوہ ایک اور بہت بڑا انعام اور صلہ اس دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی زندگی رکھنے والوں کو یہ بھی دیا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ملک کا انتظام ان کے سپرد کر دیتا ہے اور نظم و نسق ان کے ہاتھ میں دے دیا جاتا ہے جس کے بعد وہ اللہ کی زمین کا انتظام اللہ کی مرضی کے مطابق

کرتے ہیں اور انتظام میں وہ اللہ کے نائب اور خلیفہ ہوتے ہیں۔ لیکن یہ انعام اور صلہ انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔ یعنی ہر فرد کو اس کے ایمان اور عمل صالح پر یہ صلہ نہیں دیا جاتا، بلکہ اگر کوئی قوم اور جماعت ایمان اور عمل صالح زندگی کو اختیار کرے تو اللہ تعالیٰ اس قوم اور جماعت کو اس نعمت سے نوازتے ہیں۔ ایمان اور عمل صالح کے اسی انعام کا وعدہ سورۂ نور میں ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے:

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۔ (النور ۲۴: رکوع ۶)

ترجمہ: اللہ کا وعدہ ہے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائیں اور عمل صالح والی زندگی اختیار کریں کہ ان کو ضرور منتظم اور خلیفہ بنائے گا زمین کا، جیسا کہ ان سے پہلے گذشتہ امتوں کے مومنین صالحین کو خلیفہ بنایا تھا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی سُنّت قدیمہ اور اس کا ازلی قانون ہے کہ اگر دنیا میں ایمان اور عمل صالح کی زندگی رکھنے والی امت موجود ہو تو اللہ تعالیٰ زمین کے انتظام حکومت کے لیے اسی کا انتخاب کرتا ہے اور اسی کو اپنی خلافت ونیابت دیتا ہے۔ یہ آیت بتاتی ہے کہ نزولِ قرآن سے پہلے زمانوں میں بھی یہی ہوا اور نزول قرآن کے بعد کے دور کے لیے بھی یہی وعدۂ الٰہی اور منشور خداوندی ہے۔ سورۂ انبیاء کے آخری رکوع میں اسی خداوندی دستور کا بیان ان الفاظ میں فرمایا گیا ہے:

وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ مِنْۢ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصّٰلِحُوْنَ ۝

(الانبیاء ۲۱: رکوع ۷)

ترجمہ: اور ہم لکھ چکے زبور میں نصیحت کے بعد کہ زمین کے وارث ہوں گے اور اس کا انتظام کریں گے، میرے صالح بندے۔

ضروری انتباہ

"ان آیتوں سے یہ سمجھنا کہ دنیا میں حکومت صرف صالحین کو ملتی ہے اور کسی گروہ کے ہاتھ میں حکومت کا ہونا اس کے صالح ہونے کی نشانی ہے بڑی گھٹیا درجے کی غلط فہمی ہے۔ ان آیات کا مفاد جیسا کہ ہم نے بتلایا صرف یہ ہے کہ جب دنیا میں ایمان اور عمل صالح والی کوئی امت اور جماعت موجود ہوگی تو اللہ تعالیٰ اپنی خاص نصرت اور مدد سے زمین کا اقتدار و انتظام اس کے سپرد کر دے گا اور یہ اس کے حق میں اللہ تعالیٰ کا انعام اور مزید ترقیات کا باعث ہوگا۔

☆☆☆

تقویٰ

اللہ و یوم آخرت اور سلسلۂ نبوت پر ایمان کے بعد جن چیزوں کی دعوت قرآن مجید نے زیادہ اہمیت کے ساتھ دی ہے اور جن کو گویا انسان کی فلاح و سعادت کا مدار بتلایا ہے ان میں سے ایک تقویٰ بھی ہے۔

تقویٰ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ بندہ اللہ اور یوم آخرت پر یقین رکھتے ہوئے، پھر اللہ تعالیٰ کی ناراضی اور اس کی پکڑ اور آخرت کے عذاب اور مواخذے سے ڈرتے ہوئے فکر اور احتیاط کے ساتھ زندگی گزارے۔

رسول ﷺ کے مشہور صحابی حضرت ابی رضی اللہ عنہ بن کعب جو علم قرآن میں خصوصی امتیاز اور مہارت رکھتے تھے اور خود رسول ﷺ نے بھی ان کی اس خاص علمی حیثیت کی توثیق فرمائی تھی ایک دن ان سے امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ تقویٰ کی حقیقت کیا ہے؟

حضرت ابیؓ نے فرمایا کہ کبھی کانٹوں سے بھرے کسی راستے پر چلنے کا اتفاق تو آپ کو ضرور ہوا ہو گا؟

حضرت عمرؓ نے جواب دیا کیوں نہیں! بارہا ایسے راستوں پر چلنے کا اتفاق ہوا ہے۔

حضرت ابی بن کعبؓ نے فرمایا کہ اس وقت آپؓ نے کیا کیا؟

حضرت عمرؓ نے فرمایا: میں نے اپنے جسم اور کپڑوں کو سنبھالا اور خوب کوشش کی کہ اپنے جسم اور کپڑوں کو کانٹوں سے بچا کر صحیح سالم نکل جاؤں۔

حضرت ابیؓ نے فرمایا ذالک التقویٰ بس یہی حقیقت ہے۔

واقعہ یہ ہے کہ تقویٰ کی کوئی تشریح اس سے بہتر اور بلیغ تر نہیں کی جا سکتی۔

قرآن مجید کی جن آیتوں میں تقویٰ اختیار کرنے کی تلقین اور تاکید فرمائی گئی ہے، ان

---

① ابن کثیر جلد اول

سب کا تو شمار بھی مشکل ہے۔ صرف چند آیتیں اس سلسلے کی یہاں پڑھ لیجئے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۝

(ال عمران ۳: رکوع ۱۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو، جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے، اور (آخری دم تک اس تقویٰ پر قائم رہتے ہوئے دل و جان سے اپنے اس مالک کی فرمانبرداری کرتے رہو یہاں تک کہ) تم کو اسی فرمانبرداری کی حالت میں موت آئے۔

مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جو سب کا پیدا کرنے والا اور پرورش کرنے والا ہے اور جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت کا نظام ہے اور بے انتہا بخشش و رحمت کے ساتھ جس کے قہر و جلال کی بھی کوئی حد نہیں ہے ایسے مالک سے بندہ کو جیسا ڈرنا چاہیے، ایمان والے اس سے ویسا ہی ڈریں، اور زندگی کی آخری سانس تک اس کی فرمانبرداری کرتے رہیں۔

اور سورۃ تغابن میں اسی مضمون کو ان الفاظ میں ادا فرمایا گیا ہے:

فَاتَّقُوا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ وَاسْمَعُوْا وَاَطِيْعُوْا۔ (سورۃ التغابن ۶۴: رکوع ۲)

ترجمہ: اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو جس قدر بھی تم سے ہو سکے اور دل و جان سے اس کے سارے حکم سنو اور مانو۔

اور سورہ حشر میں فرمایا گیا ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۝ (سورۃ الحشر ۵۹: رکوع ۳)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ہر متنفس کو ضرور دیکھنا (اور سوچنا) چاہیے کہ اس نے کل کے لیے (یعنی آخرت کے لیے) کیا سامان کیا ہے، اور (تم کو مکرر تاکید کی جاتی ہے کہ) اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو، یہ بالکل قطعی اور یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اگلے پچھلے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے (تمہارا کوئی عمل بھی اس سے مخفی نہیں ہے۔

اور سورۂ مائدہ میں ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ

تُفْلِحُوْنَ۝ (سورۃ المائدہ ۵: رکوع ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے قرب کا ذریعہ تلاش کرو اور اس کی راہ میں جدوجہد کرتے رہو تاکہ تم کو فلاح نصیب ہو۔

ان چاروں آیتوں میں تقویٰ کی تاکید ہی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ اس کے ساتھ اس کے لوازم اور مقتضیات اختیار کرنے پر بھی پورا زور دیا گیا ہے۔ چنانچہ پہلی آیت میں اِتَّقُوا اللّٰہَ حَقَّ تُقٰتِہٖ کے ذریعہ تقویٰ کے حکم کے بعد فرمایا گیا ہے:

زندگی کی آخرت سانس تک اپنے پروردگار کی پوری پوری فرمانبرداری کرتے رہو۔

اور دوسری آیت میں اسی مضمون کو وَاسْمَعُوْا وَاَطِیْعُوْا کے الفاظ سے ادا کیا گیا ہے۔ اور تیسری آیت میں وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ کے الفاظ سے ہر شخص کو اپنے اعمال کا محاسبہ کرتے رہنے اور سفر آخرت کے لیے اعمال صالحہ کا توشہ تیار کرنے کی تاکید فرمائی گئی ہے۔

اور چوتھی آیت میں وَابْتَغُوْا اِلَیْہِ الْوَسِیْلَۃَ وَجَاھِدُوْا فِیْ سَبِیْلِہٖ کا مطلب بھی یہی ہے کہ جن اعمال صالحہ اور جن طاعات و مجاہدات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا قرب اور اس کی رضا حاصل ہو سکتی ہے، ان کو اختیار کیا جائے اور اس راہ میں پوری پوری جد و جہد کی جائے اور آخر میں لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ فرما کر اہل تقویٰ کو فلاح و کامیابی کی بشارت بھی سنائی گئی ہے۔

پھر قرآن مجید کی سینکڑوں آیتوں میں اس فلاح و کامیابی کی تفصیل کی گئی ہے جو تقویٰ کی روش اختیار کرنے کی بدولت اللہ تعالیٰ کے متقی بندوں کو دنیا اور آخرت میں حاصل ہونے والی ہے۔

چند آیتیں اس سلسلے کی بھی یہاں پڑھ لیجیے، پہلے صرف دو تین وہ آیتیں پڑھیے جن میں اہل تقویٰ کو جنت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

لِلَّذِیْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّھِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَا وَ اَزْوَاجٌ مُّطَھَّرَۃٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰہِ وَاللّٰہُ بَصِیْرٌ بِالْعِبَادِ۝ (آل عمران ۳: رکوع ۲)

ترجمہ: جو لوگ تقویٰ کی روش اختیار کریں ان کے لیے ان کے رب کے پاس بہشتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں، وہ ہمیشہ ان ہی باغات میں رہیں گے اور پاک وصاف بیویاں وہاں ان کی رفیق ہوں گی اور اللہ تعالیٰ کی رضا سے وہ سرفراز ہوں گے،

اللہ اپنے سب بندوں (کے ظاہری و باطنی احوال پر) گہری نظر رکھتا ہے (اس لیے کسی کا متقی یا غیر متقی ہونا اس سے مخفی نہیں رہ سکتا)۔

اس آیت میں اہل تقویٰ کو جنت اور اس کی نعمتوں کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی رضا کا بھی مژدہ سنایا گیا ہے جو یقیناً دنیا اور آخرت کی ساری نعمتوں سے بلند تر ہے۔ خود قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا ہے:

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ اَكْبَرُ۔ (سورۂ توبہ ۹: رکوع ۹)

اور سورۂ نحل میں ارشاد فرمایا گیا:

وَلَنِعْمَ دَارُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ لَهُمْ فِيْهَا مَا يَشَآءُوْنَ كَذٰلِكَ يَجْزِي اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ (سورۂ نحل ۱۶: رکوع ۴)

ترجمہ: اور متقیوں کا ٹھکانہ کیا ہی اچھا ٹھکانہ ہے، غیر فانی اور سدا بہار بہشت کے باغات جن میں وہ داخل ہوں گے، ان کے نیچے نہریں بہ رہی ہیں، وہاں ان کے لیے وہ سب کچھ مہیا ہوگا جو وہ چاہیں گے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ متقیوں کو (ان کے تقویٰ کا) بدلہ دے گا۔

اور سورۂ قمر میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّنَهَرٍ ۝ فِيْ مَقْعَدِ صِدْقٍ عِنْدَ مَلِيْكٍ مُّقْتَدِرٍ ۝ (سورۂ قمر ۵۴: رکوع ۳)

ترجمہ: جن بندوں نے دنیا میں تقویٰ کا رویہ اختیار کیا وہ (آخرت میں) باغات اور نہروں میں رہیں گے، ایک عمدہ مقام میں کامل اقتدار رکھنے والے کائنات کے حقیقی بادشاہ کے قرب میں۔

اللہ اللہ! کیا نصیب ان بندوں کے جن کو جنت میں ہر قسم کی دوسری نعمتوں کے ساتھ اپنے مالک کا قرب خصوصی بھی حاصل ہوگا۔

ان آیتوں میں تو اہل تقویٰ کو صرف ان انعامات کی خوشخبری سنائی ہے جن سے وہ مرنے کے بعد عالم آخرت میں نوازے جائیں گے۔ اب چند آیتیں وہ بھی پڑھ لیجیے جن میں ان متقی بندوں کو آخرت کی جنت و مغفرت کے علاوہ اور اس سے پہلے اس دنیا میں بھی اللہ تعالیٰ کے

فضل خاص کی بشارت سنائی گئی ہے۔ سورۂ انفال میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰہَ یَجْعَلْ لَّکُمْ فُرْقَانًا وَّ یُکَفِّرْ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ وَ یَغْفِرْ لَکُمْ وَ اللّٰہُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۲۹﴾ (انفال ۸: رکوع ۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! اگر تم تقویٰ کا رویہ اختیار کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم کو اپنے خاص فضل سے ایک امتیازی قوت اور امتیازی شان بخشے گا اور تم سے تمہاری برائیاں دور کر دے گا، اور تم کو بخش دے گا اور اللہ بڑا فضل کرنے والا ہے۔

اس آیت میں جو فرقانؔ کا لفظ ہے (جس کا مطلب ہے ہم نے یہاں امتیازی قوت اور امتیازی شان کے الفاظ سے ادا کرنا چاہا ہے) دراصل اس کے مفہوم میں بڑی وسعت ہے، تقویٰ کا رویہ اختیار کرنے والے بندوں کے قلوب کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق و باطل کی معرفت کی جو ایک خاص صلاحیت عطا ہوتی ہے اور ان کی زندگی میں جو ایک نمایاں امتیاز ہوتا ہے جس کی وجہ سے ان کی ہیبت و عظمت قلوب میں پیدا ہوتی ہے، اور پھر اللہ تعالیٰ کی خاص مدد جو ان کے ساتھ ہوتی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے بلند مقاصد میں معجزانہ قسم کی کامیابی حاصل کرتے ہیں فرقان کے مفہوم میں دراصل یہ سب کچھ داخل ہے اور اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے متقی بندوں کو یہ سب ہی کچھ اس دنیا میں عطا فرمانے کا وعدہ فرمایا ہے اور اس کے ساتھ گناہوں کی معافی اور بخشش کا بھی جس کا تعلق عالم آخرت سے ہے۔

اور سورۂ اعراف میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَھْلَ الْقُرٰٓی اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَیْھِمْ بَرَکٰتٍ مِّنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ۔
(الاعراف ۷: رکوع ۱۰)

ترجمہ: اور اگر ان بستیوں کے رہنے والے ایمان لاتے اور تقویٰ کا رویہ اختیار کرتے تو ہم زمین و آسمان سے ان پر برکتوں کے دروازے کھول دیتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی اس سنت اور اس قانون کا اعلان فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی ملک اور کسی علاقہ کے لوگ ایمان اور تقویٰ والی زندگی اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر برکتوں کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، پھر جن نعمتوں کا تعلق آسمان سے ہے، وہ ان سے آسمان سے برستی ہیں اور جن کا تعلق زمین سے ہے وہ زمین سے ان کے لیے ابلتی ہیں۔ اور سورۂ طلاق

میں اہل تقویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے اس خاص فضل و کرم کو ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا يَحْتَسِبُ۔

(سورۂ الطلاق ۶۵: رکوع ۱)

ترجمہ: اور جو لوگ تقویٰ کا رویہ اختیار کریں ان کے واسطے اللہ تعالیٰ مشکلات اور سختیوں سے نجات کی راہ پیدا کر دیتا ہے اور ان کو ان طریقوں سے رزق دیتا ہے جن کا ان کو گمان بھی نہیں ہوتا۔

اور سورۂ یونس میں اہل تقویٰ کو اللہ کے دوست قرار دے کر ان کو دنیا اور آخرت میں سرفرازی کی بشارت سنائی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ كَانُوْا يَتَّقُوْنَ ۝ لَهُمُ الْبُشْرٰى فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ۔ (یونس ۱۰: رکوع ۷)

ترجمہ: یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں انہیں کوئی خوف و غم نہ ہوگا، وہ لوگ وہ ہیں جو ایمان لائے اور تقویٰ کا رویہ انہوں نے اختیار کیا۔ ان کے لیے خاص خوشخبری ہے دنیا کی زندگانی میں بھی اور آخرت میں بھی۔

اس آیت میں اہل تقویٰ کو اولیاء اللہ (اللہ کے دوست) کہا گیا ہے جو یقیناً ان کا بہت ہی بڑا اکرام و اعزاز ہے۔ لیکن اس سے بھی بڑا اعزاز ان کا یہ ہے کہ ایک دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے خود اپنی ذات پاک کو ان کا دوست بتلایا ہے۔

سورۂ جاثیہ میں ارشاد ہے: وَاللّٰهُ وَلِيُّ الْمُتَّقِيْنَ (اور اللہ دوست ہے تقویٰ والوں کا)۔

اسی طرح سورۂ نحل کی آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی پاک ذات کو متقیوں کا رفیق اور ساتھی بتلایا ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا وَّ الَّذِيْنَ هُمْ مُّحْسِنُوْنَ ۝ (نحل ۱۶: رکوع ۱۶)

ترجمہ: اللہ اپنے ان بندوں کے ساتھ (اور ان کا رفیق) ہے جو متقی اور نیکوکار ہیں۔

بلاشبہ کسی بندے کے لیے اس سے بڑا کوئی اعزاز نہیں ہو سکتا کہ اس کا مالک و مولا اس کے بارے میں فرمائے کہ ہم اس کے دوست، اس کے رفیق اور اس کے ساتھ ہیں۔

"کیا نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے۔"

تقویٰ ہی اصل نیکی اور عمل صالح کی روح ہے

قرآن مجید تقویٰ ہی کو نیکی کی اصل و اساس اور سارے اعمال کی روح قرار دیتا ہے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى (البقرہ: رکوع ۲۴) اور لیکن نیکی کی حقیقت تو بس یہ ہے کہ کوئی اللہ سے ڈرے اور تقویٰ اختیار کرے)۔

اور سورۂ حج میں قربانی کا حکم دینے کے بعد ارشاد فرمایا کہ:

ترجمہ: تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون اللہ کو مطلوب نہیں ہے اور نہ وہ اس کے پاس پہنچتا ہے بلکہ دل کا جو جذبہ اور جو کیفیت قربانی کے حکم کی تعمیل کراتی ہے یعنی تقویٰ بس وہ مطلوب ہے اور وہی اللہ تعالیٰ کے پاس پہنچتا ہے اور قبول ہوتا ہے اور وہی گویا عمل کی روح ہے۔

لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ (الحج ۲۲: رکوع ۵)

ترجمہ: تمہاری قربانیوں کا گوشت اور خون اللہ کو نہیں پہنچتا، اس کے حضور جو کچھ پہنچتا ہے وہ تمہارے دلوں کا تقویٰ ہے۔

اسی لیے ایک اور موقع پر فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس عمل کو قبول کرتا ہے جس کے کرنے والے میں تقویٰ ہو اور اس نے وہ عمل تقویٰ کی صفت کے ساتھ کیا ہو۔ یعنی اللہ کی رضا جوئی اور آخرت کی فکر اس عمل کی محرک ہو۔ ارشاد ہے: اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ (اللہ تقویٰ والوں ہی کے عمل قبول کرتا ہے)۔

قرآن مجید میں تقویٰ کی تعلیم و دعوت ترغیبی انداز میں بھی دی گئی ہے اور ترہیبی انداز میں بھی، یعنی بہت سے مقامات پر تو مغفرت و رحمت اور جنت و رضائے الٰہی کی جیسی خوشخبریاں سنا کر تقویٰ پر ابھارا گیا ہے اور بہت سی آیتوں میں اسی طرح قیامت اور آخرت کے ہولناک مناظر کا ذکر کر کے انسان کے دل میں تقویٰ اور خوفِ خدا پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ پہلے چند ترہیبی آیتیں پڑھیے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ۝ يَوْمَ تَرَوْنَهَا تَذْهَلُ كُلُّ مُرْضِعَةٍ عَمَّآ اَرْضَعَتْ وَتَضَعُ كُلُّ ذَاتِ حَمْلٍ حَمْلَهَا وَتَرَى النَّاسَ سُكٰرٰى وَمَا هُمْ بِسُكٰرٰى وَلٰكِنَّ عَذَابَ اللّٰهِ شَدِيْدٌ ۝ (الحج ۲۲: رکوع ۱)

ترجمہ: اے آدم علیہ السلام کے فرزندو! اپنے پروردگار سے ڈرو، یقین کرو کہ قیامت کا بھونچال بڑا ہی سخت حادثہ ہوگا جس دن وہ قیامت تمہارے سامنے آجائے گی اور تم (اس کے ہیبت ناک مناظر دیکھو گے) تو حالت یہ ہوگی کہ کسی کو کسی کا ہوش نہ رہے گا یہاں تک کہ ننھے بچے کو دودھ پلانے والی ماں اپنے بچے کو بھول جائے گی اور حمل والیوں کے حمل ساقط ہو جائیں گے اور تم دیکھو گے سب لوگوں کو نشہ کی سی حالت میں بے ہوش، اور وہ کسی نشہ سے بے ہوش نہ ہوں گے مگر اللہ تعالیٰ کا عذاب بڑا ہی سخت ہے۔ (اس ہولناکی اور دہشت سے ان کا یہ حال ہوگا)۔

اور سورہ لقمان کے آخر میں ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ وَ اخْشَوْا يَوْمًا لَّا يَجْزِيْ وَالِدٌ عَنْ وَّلَدِهٖ وَ لَا مَوْلُوْدٌ هُوَ جَازٍ عَنْ وَّالِدِهٖ شَيْـًٔا اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ فَلَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَ لَا يَغُرَّنَّكُمْ بِاللّٰهِ الْغَرُوْرُ۝ (لقمان ۳۱: رکوع ۴)

ترجمہ: اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو اور اس دن سے ڈرو جس دن کوئی باپ اپنے بیٹے کی طرف سے کوئی مطالبہ ادا نہیں کر سکے گا اور نہ کوئی بیٹا اپنی ماں باپ کی طرف سے کسی مطالبہ کی ادائیگی کرے گا (بلکہ ہر ایک کو اپنی ہی فکر ہوگی) یقین کرو کہ اللہ کا وعدہ بالکل حق اور اٹل ہے۔ پس یہ دنیوی زندگانی تم کو دھوکے میں نہ ڈالے اور اسی طرح دھوکہ باز شیطان اللہ کی طرف سے تم کو کسی فریب میں مبتلا نہ کر دے۔

ان دونوں آیتوں میں تو تقویٰ اور خوفِ خدا لوں میں پیدا کرنے کے لیے قیامت اور آخرت کے شدائد اور ہولناک مناظر کا بیان کیا گیا ہے اور (بلاشبہ یہ ایسا بیان ہے کہ اگر کسی دل میں اس کو سن کر بھی خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا نہ ہو تو بلاشبہ وہ دل پتھر کا ہے) اور بہت سی دوسری آیات میں اللہ تعالیٰ کی عظمت اور اس کے قہر و غضب کا ذکر کر کے بھی دلوں میں تقویٰ پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مثلاً سورہ بقرہ ہی میں ارشاد ہے: وَ اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ۔ (البقرہ ۲: رکوع ۲۴) (اور ڈرو اللہ سے اور یقین جانو کہ (مجرموں کو) اللہ بڑی سخت سزا دینے والا ہے)۔

اسی طرح سورۂ مائدہ کے پہلے ہی رکوع میں فرمایا گیا ہے: وَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ

الْعِقَابِ۔ (المائدہ ۵: رکوع ۱) (اور ڈرو اللہ سے، یقیناً اللہ (مجرموں کو) سخت عذاب دینے والا ہے)۔

اور چند آیتوں کے بعد فرمایا گیا ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ۔ (المائدہ ۵: رکوع ۲) (اور ڈرو اللہ سے، یقیناً اللہ سینوں کے چھپے ہوئے راز بھی جانتا ہے)۔

اور اس سے اگلی ہی آیت میں پھر فرمایا گیا ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ۔ (المائدہ ۵: رکوع ۲) (اور اللہ سے ڈرو، یقیناً اللہ تمہارے تمام اعمال سے باخبر ہے)۔

بعض مقامات پر تقویٰ کی تعلیم و تلقین کے لیے یہ عنوان بھی اختیار فرمایا گیا ہے کہ:

"اللہ کے بندو اللہ سے ڈرو! تم کو اس کے حضور حاضر ہونا ہے"۔

مثلاً سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۔ (البقرہ ۲: رکوع ۲۵) (اور اللہ سے ڈرو اور یقین جانو کہ تم سب اس کے سامنے جمع کیے جاؤ گے)۔

پھر دو رکوع کے بعد اسی سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے: وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ۔ (البقرہ ۲: رکوع ۲۸) (اور اللہ سے ڈرو یقین جانو کہ تم سب اس کے سامنے حاضر ہونے والے ہو)۔

ان سب آیتوں میں تو ترہیبی انداز میں تقویٰ کی تعلیم اور تلقین فرمائی گئی ہے۔ اب چند آیتیں وہ بھی پڑھ لیجئے جن میں ترغیبی انداز میں یعنی مغفرت و رحمت اور جنت و رضائے الٰہی کی خوشخبریاں سنا سنا کر تقویٰ پر ابھارا گیا ہے۔

سورۂ نساء میں ایک موقع پر ارشاد فرمایا گیا ہے: وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ (النساء ۴: رکوع ۱۱) (اور اگر تم اصلاح اور تقویٰ کا رویہ اختیار کرو تو اللہ تعالیٰ بہت بخشنے والا اور نہایت ہی مہربان ہے (وہ تمہارے ساتھ مغفرت اور رحمت ہی سے پیش آئے گا)۔

اور سورۂ حجرات میں فرمایا گیا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنَّ اللّٰهَ تَوَّابٌ رَّحِيْمٌ (الحجرات ۴۹: رکوع ۲) اللہ سے ڈرو اور تقویٰ اختیار کرو، اللہ بہت عنایت فرمانے والا اور نہایت مہربان ہے۔ اور اسی سورہ میں ارشاد فرمایا: وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ (اللہ سے ڈرو اور تقویٰ کی روش اختیار کرو تاکہ تم پر تمہارے مالک کی رحمت ہو)۔

دوسری جگہ اللہ تعالیٰ نے اہل تقویٰ کے لیے مغفرت و رحمت کے علاوہ اپنی محبت اور اپنے پیار کا بھی اعلان فرمایا ہے۔

سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہے: بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ (آل عمران ۳: رکوع ۸) (ہاں جو پورا کریں عہد، اور تقویٰ کا رویہ اختیار کریں تو اللہ تعالیٰ ان متقی بندوں سے محبّت اور پیار کرتا ہے)۔

اسی طرح سورۂ توبہ میں ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ (یقیناً اللہ کا پیار ہے اپنے متقی بندوں پر)۔

ان آیتوں میں اہل تقویٰ کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جس محبّت اور رحمت کی خبر دی گئی ہے اس کا اصل ظہور تو عالم آخرت ہی میں ہوگا جو دراصل جزا کا عالم ہے لیکن قرآن مجید ہی نے بتلایا ہے کہ کسی درجہ میں اس کا ظہور اس دنیا میں بھی ہوتا ہے۔ اس مضمون کی چند آیتیں چند ہی ورق پہلے ناظرین کرام پڑھ چکے ہیں ایک آیت یہاں اور پڑھ لی جائے:

سورۂ آلِ عمران میں ارشاد ہے:

وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ۔

(آل عمران ۳: رکوع ۱۲)

ترجمہ: اور اگر تم صبر و استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو تمہارے ان دشمنوں کی چالوں، اور ان کے خفیہ رازوں سے تم کو کوئی نقصان نہ پہنچے گا (کیونکہ پھر اللہ تعالیٰ تمہارا محافظ اور مددگار ہوگا) اور وہ دشمن جو کچھ کرتے ہیں (اور تمہیں نقصان پہنچانے کے لیے جو خفیہ چالیں چلتے ہیں) اللہ تعالیٰ اس سب کو جانتا ہے اور سب اس کے بس میں ہے۔

گویا اللہ تعالیٰ کی طرف سے وعدہ اور بشارت ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو بندے صبر اور تقویٰ کی روش اختیار کریں گے ان کے دشمنوں کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ ان کا حامی اور مددگار ہوگا اور ان کی بدخواہیوں اور بداندیشیوں سے ان کی حفاظت فرمائے گا۔

اہل تقویٰ کو ایک خوشخبری قرآن مجید یہ بھی سناتا ہے کہ موت کے وقت ان کی روح خوش وخرم ہوتی ہے اور قبض روح کے جو فرشتے ان کے پاس آتے ہیں وہ ان کو پہلے سلام کر کے جنّت کی خوشخبری سناتے ہیں۔

سورۂ نحل میں اہل تقویٰ کو آخرت میں جنّت اور اس کی نعمتوں اور لذتوں کی خوشخبری

سنانے کے بعد فرمایا گیا ہے:

كَذٰلِكَ يَجْزِى اللّٰهُ الْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ تَتَوَفّٰهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ طَيِّبِيْنَ يَقُوْلُوْنَ سَلٰمٌ عَلَيْكُمُ ادْخُلُوا الْجَنَّةَ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۝ (نحل ۱۶: رکوع ۴)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ایسی ہی جزا دے گا متقیوں کو، وہ متقی بندے جن کی روح قبض کرتے ہیں فرشتے اس حالت میں کہ وہ خوش ہوتے ہیں، کہتے ہیں ان سے تمہارے لیے تمہارے رب کی طرف سے سلامتی ہے (اور اس کا تمہارے لیے فرمان اور فیصلہ ہے کہ) پہنچ جاؤ اس کی تیار کی ہوئی جنت میں اپنے اعمال کے سبب سے۔

نیز قرآن مجید ہی کا بیان ہے کہ اسی طرح آخرت میں جنت کے داخلہ کے وقت بھی وہ فرشتے جو جنت کے نگران مقرر ہیں اہل تقویٰ کا استقبال بڑے اکرام اور اعزاز سے کریں گے اور ان کو سلام کرکے اور مبارکباد دے کر اللہ تعالیٰ کے انعامات کی بشارتوں سے ان کو شاد کریں گے۔

پڑھیے سورۂ زمر کے آخری رکوع کی یہ آیت:

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ اِلَى الْجَنَّةِ زُمَرًا حَتّٰٓى اِذَا جَآءُوْهَا وَفُتِحَتْ اَبْوَابُهَا وَقَالَ لَهُمْ خَزَنَتُهَا سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْهَا خٰلِدِيْنَ ۝ (زمر ۳۹: رکوع ۸)

ترجمہ: اور لے جائے جائیں گے متقی بندے جنت کی طرف گروہ در گروہ یہاں تک کہ جب وہ جنت کے پاس پہنچیں گے اور اس کے دروازے کھولے جائیں گے اور اس کے داروغہ ان سے کہیں گے سلام ہو تم پر، تم لوگ پاکیزہ ہو، پس داخل ہو جاؤ اس میں سدا رہنے کے لیے۔

فرشتوں کی طرف سے یہ سلامی اور مبارکباد لیتے ہوئے اللہ کے یہ متقی بندے اس جنت میں داخل ہوں گے جو اللہ تعالیٰ نے انہی کے لیے سجائی اور بنائی ہے (اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ) اور اس وقت ان کی زبانوں پر اپنے مالک کی حمد و شکر کا یہ ترانہ ہوگا:

وَقَالُوا الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِىْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَيْثُ نَشَآءُ۔
(سورۂ زمر ۳۹: رکوع ۸)

ترجمہ: تمام تر تعریف ہے اس خدا کے واسطے جس نے پورا کیا ہم سے اپنا وعدہ اور

وارث بنایا ہم کو اس زمین کا، ہم ٹھکانہ بناتے ہیں جنّت میں جہاں چاہیں۔

پھر جنّت میں اللہ تعالیٰ ان متقی بندوں کو جو نعمتیں اور جو راحتیں اور لذتیں عطا فرمائی جائیں گی حق تو یہ ہے کہ اس دنیا میں ان کا صحیح علم بھی کسی کو نہیں ہو سکتا، تاہم ہم نے چند صفحے پہلے جو دو، چار آیتیں اس مضمون کی درج کی ہیں ان سے جو کچھ اجمالی اندازہ ہو سکتا ہے اہل ایمان میں جنّت کا شوق اور اس کی طلب و تڑپ پیدا کرنے کے لیے بلاشبہ وہ بھی کافی ہے۔ اس سلسلے میں سورۂ صٓ کی یہ آیت پڑھ کر بھی اپنی ایمانی روح کو تازہ کر لیا جائے:

وَ اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ لَحُسْنَ مَاٰبٍ ۝ جَنّٰتِ عَدْنٍ مُّفَتَّحَةً لَّهُمُ الْاَبْوَابُ ۝ مُتَّكِـِٕيْنَ فِيْهَا يَدْعُوْنَ فِيْهَا بِفَاكِهَةٍ كَثِيْرَةٍ وَّ شَرَابٍ ۝ وَ عِنْدَهُمْ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ اَتْرَابٌ ۝ هٰذَا مَا تُوْعَدُوْنَ لِيَوْمِ الْحِسَابِ ۝ اِنَّ هٰذَا لَرِزْقُنَا مَا لَهٗ مِنْ نَّفَادٍ ۝

(سورہ صٓ ۳۸: رکوع ۴)

ترجمہ: اور یقیناً متقیوں کے لیے ہے اچھا ٹھکانہ، باغ ہیں غیر فانی، کھلے ہوئے ہیں ان کے لیے دروازے، بیٹھے ہیں ان میں تکیہ لگائے، منگاتے ہیں میوے اور شربت اور ان کے پاس عورتیں ہیں نیچی نگاہ والیاں، سب ایک عمر کی۔ یہ ہے وہ (انعام) جس کا وعدہ کیا جا رہا ہے تم سے روزِ حساب کے لیے، بے شک یہ ہے ہمارا رزق جس کو کبھی نبڑنا نہیں۔

قرآن مجید نے تقویٰ کی تعلیم و ترغیب اور اس کے فضائل و برکات اور اس پر دنیا اور عقبیٰ میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات اور بشارتیں سنانے کے ساتھ ایک نہایت اہم اعلان تقویٰ کے بارے میں یہ بھی فرمایا ہے کہ:

"بندوں کی چھوٹائی بڑائی اور ان کی پستی اور بلندی کا اللہ تعالیٰ کے نزدیک معیار بس تقویٰ ہی ہے۔"

پس جو تقویٰ میں جتنا اونچا اور جس قدر ممتاز ہے اللہ تعالیٰ کی نگاہ اور اس کی سرکار میں وہ اتنا ہی اونچا اور اتنا ہی ممتاز ہے اور جو تقویٰ میں ناقص، جتنا ہیٹا اور جتنا گھٹیا ہے وہ اللہ کی نگاہ اور اس کی سرکار میں اتنا ہی ناقص، گھٹیا اور بے قیمت ہے۔

سورۂ حجرات میں ارشاد ہے: اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ (الحجرات ۴۹: ۱۳)

(اللہ کے یہاں تم میں زیادہ باعزت وہ ہے جو تقویٰ میں بڑا ہے)۔

اور اس کی وجہ ظاہر ہے کہ کیونکہ تقویٰ ہی بندے کی وہ صفت ہے جو اس کو ان معاصی اور منکرات سے روکتی ہے جن سے رکنے ہی میں للہ تعالیٰ کی رضا ہے اور وہی ان اعمال صالحہ اور اخلاق حسنہ کو پیدا کرتی ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی رضا وابستہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اٰتِ نُفُوْسَنَا تَقْوٰاهَا وَزَكِّهَا اَنْتَ اَنْتَ خَيْرُ مَنْ زَكّٰهَا اَنْتَ وَلِيُّهَا وَمَوْلَاهَا۔

تقویٰ کی نشانیاں اور اہل تقویٰ کے اوصاف

جیسا کہ پہلے تفصیل سے بتایا جاچکا ہے تقویٰ دراصل کی ایک خاص کیفیت کا نام ہے۔ پھر اس کیفیت کے دل میں ہونے سے آدمی احتیاط اور پرہیز گاری کی جو زندگی گزارتا ہے اس کو بھی تقویٰ کہہ دیا جاتا ہے۔

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر اس کی بھی وضاحت کی گئی ہے کہ انسان کی عملی زندگی پر تقویٰ کے کیا اثرات ہوتے ہیں؟ اور اہل تقویٰ کی خاص علامات اور نشانیاں کیا ہیں، چند آیتیں اس سلسلے کی بھی پڑھ لیجئے۔

سورۂ بقرہ کے بالکل شروع میں ارشاد ہے:

هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَ مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝ (سورۂ بقرہ ۲: رکوع ۱)

ترجمہ: یہ کتاب (قرآن مجید) ہدایت ہے متقی بندوں کے واسطے (وہی اس سے نفع اٹھائیں گے۔ یہ متقی بندے وہ ہیں جن کا حال یہ ہے کہ) وہ بن دیکھی باتوں پر ایمان لاتے ہیں اور خوب اچھی طرح نماز ادا کرتے ہیں اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا ہے، اس میں سے (ہماری راہ میں بھی) خرچ کرتے ہیں۔

یہاں اہل تقویٰ کی موٹی موٹی تین علامتیں بیان کی گئی ہیں:

"ایک اللہ کے رسول کی بتلائی ہوئی ان غیبی حقیقتوں کو دل سے ماننا اور ان پر ایمان لانا جن کو آدمی بطور خود نہیں جان سکتا (مثلاً اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات، قیامت و آخرت اور جنت دوزخ وغیرہ) دوسرے نماز اچھی طرح ادا کرنا اور تیسرے اللہ کے دیئے ہوئے مال میں سے اس کے حکم کے مطابق اس کی راہ میں خرچ کرنا۔"

پس جس شخص میں ان میں سے کوئی ایک بات نہ پائی جائے سمجھ لینا چاہیے کہ اس کا دل تقویٰ سے خالی ہے۔ پھر اسی سورۂ بقرہ میں آگے موقع پر فرمایا گیا:

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِى الرِّقَابِ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ فِى الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۝

(سورہ بقرہ ۲: رکوع ۲۲)

ترجمہ: اصل نیکی کرنے والے (جن کی اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں قدر و قیمت ہے) وہ بندے ہیں جو ایمان لائے سچے دل سے اللہ پر اور یوم آخرت پر اور ملائکہ پر اور اللہ کی کتاب پر اور نبیوں پر اور اپنا محبوب مال انہوں نے اللہ کی محبّت میں (اس کے حکم کے مطابق) دیا، اپنے (صاحب حاجت) اہل قرابت کو اور عام یتیموں، مسکینوں کو اور (ضرورتمند) مسافروں اور سائلوں، اور (خرچ کیا) غلاموں کی رہائی میں، اور اچھی طرح قائم کی انہوں نے نماز، اور ادا کی زکوٰۃ اور پورا کرنے والے اپنے عہد کو جبکہ کسی سے کوئی عہد کریں اور صبر کرنے والے تنگی اور تکلیف و مُصیبت کے وقت اور حق و باطل کی جنگ میں یہی ہیں راستباز اور متقی بندے۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ راست باز اور متقی وہ لوگ ہیں جن میں تقویٰ کے یہ آثار اور یہ نشانیاں پائی جائیں وہ ایمان رکھتے ہوں اللہ پر اور یوم آخرت پر اور اللہ کے فرشتوں اور اللہ کی کتابوں پر اور نبوت کے پورے سلسلے اور مال کی محبّت اور چاہت کے باوجود اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کے لیے وہ اس کو بے دریغ خرچ کرتے ہوں۔ اپنے حاجت مند قرابت داروں پر، عام مسکینوں یتیموں پر اور ضرورت مند مسافروں اور سائلوں پر، اور اللہ کے بندوں کو قیدِ غلامی سے آزاد کرانے پر نیز وہ پوری فکر کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہوں، زبان کے سچے اور وعدہ کے پکے ہوں، اور اللہ کے حکم کے مطابق اور اس کی راہ میں تنگیاں اور سختیاں جھیلنے والے اور حق پر مضبوطی سے قائم رہنے والے ہوں۔ اور سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ

لِلْمُتَّقِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَ الْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ وَ الَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَ مَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَ لَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ۝ (آل عمران ۳: رکوع ۱۴)

ترجمہ: لوگو! تیزی سے بڑھو اور دوڑو اپنے پروردگار کی بخشش اور وسیع جنّت کی طرف جس کی وسعت آسمان اور زمین جیسی ہے، وہ ان متقی بندوں کے لیے تیار کی گئی ہے (جن کی سیرت یہ ہے کہ) وہ راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں بھی اور تنگی اور تکلیف میں بھی، اور جو آپس کے اختلافات و نزاعات میں غصے کو پی جاتے ہیں اور دوسرے لوگوں کے قصور معاف کر دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکار بندوں سے محبت کرتا ہے۔ اور (وہ بندے بھی متقیوں ہی میں شامل ہیں اور جنّت کے وہ بھی مستحق ہیں) جن کا حال یہ ہے کہ اگر کبھی اتفاق سے کوئی شرمناک بات ان سے سرزد ہو جاتی ہے یا کسی گناہ کا ارتکاب کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو معاً اللہ انہیں یاد آجاتا ہے، پھر وہ اس سے اپنے گناہوں اور قصوروں کی معافی چاہتے ہیں، اور کون ہے سوائے اللہ کے جو بخشے گناہوں کو۔ (اور پھر وہ اس گناہ سے باز رہتے ہیں) اور دیدہ دانستہ اس پر اصرار نہیں کرتے (اور اس کو اپنی عادت نہیں بناتے)۔

اس آیت میں اہل تقویٰ کی علامات اور صفات یہ بیان کی گئی ہیں کہ وہ خوشی اور راحت اور تکلیف و مصیبت دونوں حالتوں میں خدا کو یاد رکھتے اور اس کے احکام کے مطابق اس کی راہ میں اپنا کمایا ہوا روپیہ خرچ کرتے ہیں اور اپنے ذاتی معاملات میں غصے کو پی جانے والے اور قصوروں کو معاف کر دینے والے ہوتے ہیں۔ آگے فرمایا گیا ہے کہ:

"اور جن لوگوں کا یہ حال ہے کہ اگر کبھی شیطان کے دھوکے یا نفس کے فریب میں آکر ان سے کوئی ناشائستہ حرکت یا کوئی معصیت سرزد ہو جاتی ہے تو انہیں اللہ اور اس کا عذاب یاد آجاتا ہے اور پھر وہ سچے دل سے اس سے معافی مانگتے ہیں اور گناہ کو وہ عادت نہیں بناتے، وہ بھی متقیوں ہی میں شمار ہیں"۔

اور یہی آخری بات سورہ اعراف میں ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اتَّقَوۡا اِذَا مَسَّهُمۡ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّیۡطٰنِ تَذَکَّرُوۡا فَاِذَا هُمۡ مُّبۡصِرُوۡنَ ۝

(سورہ الاعراف ۷: رکوع ۲۴)

ترجمہ: جن بندوں کے دلوں میں تقویٰ ہوتا ہے ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ جب کبھی شیطان کی طرف سے کوئی چوکہ ان کو لگتا ہے (اور وہ خبیث ان پر کمنڈ ڈالتا ہے) تو فوراً ہی ان میں چونک پیدا ہوتی ہے اور ان کی ایمانی بصیرت بیدار ہو جاتی ہے (اور پھر وہ اس کے جال سے نکل جاتے ہیں۔

اور سورۂ حج میں تقویٰ کا ایک خاص اثر یہ بتلایا گیا ہے کہ جس دل میں تقویٰ ہو گا وہ اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والی تمام چیزوں کا بہت ادب اور ان کی بہت تعظیم کرے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ کی کتاب، اللہ کے رسول، اللہ کی مسجدیں، خاص کر خانہ کعبہ، اسی طرح اللہ کے نام اور اللہ والوں کا وہ ادب کرے گا۔ الغرض اللہ تعالیٰ سے تعلق رکھنے والی تمام چیزوں کی علیٰ فرقِ مراتب تعظیم اور ان کا ادب کرنا بھی تقویٰ کے خاص آثار و علامات میں سے ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَنۡ یُّعَظِّمۡ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَاِنَّهَا مِنۡ تَقۡوَی الۡقُلُوۡبِ ۝ (الحج ۲۲: رکوع ۴)

ترجمہ: اور جو بندے تعظیم کریں اللہ کے شعائر کی (یعنی اس سے خاص نسبت رکھنے والی چیزوں کی) تو ان کا یہ ادب و تعظیم کا رویہ ان کے دلوں کے تقویٰ کا نتیجہ ہے۔

اور اسی بنا پر سورۂ حجرات میں بارگاہ نبوی ﷺ کا ادب کرنے والوں کے متعلق ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ یَغُضُّوۡنَ اَصۡوَاتَهُمۡ عِنۡدَ رَسُوۡلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِکَ الَّذِیۡنَ امۡتَحَنَ اللّٰهُ قُلُوۡبَهُمۡ لِلتَّقۡوٰی لَهُمۡ مَّغۡفِرَةٌ وَّ اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ۝ (الحجرات ۴۹: رکوع ۱)

ترجمہ: جو لوگ رسول ﷺ کے حضور (ازراہ ادب) دبی آواز سے بولتے ہیں، وہی وہ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے جانچ کر انتخاب کر لیا ہے تقویٰ کے لیے، ان کے لیے اللہ تعالیٰ کی معافی ہے اور ثواب عظیم ہے۔

الغرض ان آیتوں سے معلوم ہوا کہ اللہ کے رسول ﷺ کا ادب اور اسی طرح اللہ تعالیٰ سے خاص تعلق و نسبت رکھنے والی ہر چیز کی تعظیم تقویٰ کے لازمی اثرات میں سے ہے، جو بے ادب اور بیباک اس سے محروم ہیں ان کے دلوں کو تقویٰ کا کوئی ذرہ بھی نصیب نہیں۔

تقویٰ کے آثار اور اہل تقویٰ کے اوصاف کے سلسلے میں اب صرف ایک آیت اور پڑھ لیجئے۔ سورۂ ذاریات میں اہل تقویٰ کو جنت اور نعمہائے جنّت کی خوشخبری سناتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الْمُتَّقِیْنَ فِیْ جَنّٰتٍ وَّ عُیُوْنٍ۝ اٰخِذِیْنَ مَآ اٰتٰهُمْ رَبُّهُمْ اِنَّهُمْ كَانُوْا قَبْلَ ذٰلِكَ مُحْسِنِیْنَ۝ كَانُوْا قَلِیْلًا مِّنَ الَّیْلِ مَا یَهْجَعُوْنَ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ۝ وَ فِیْۤ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآىٕلِ وَالْمَحْرُوْمِ۝ (الذاریات ۵۱: رکوع ۱)

ترجمہ: یقیناً ہمارے متقی بندے بہشتی باغات میں اور خوش منظر رواں چشموں میں رہیں گے، ان کا پروردگار جو خاص نعمتیں ان کو دے گا وہ اُن کو اپنے ہاتھوں سے وہاں لیں گے، یہ بندے پہلے سے تھے اچھے کام کرنے والے، راتوں کو یہ تھوڑا سوتے تھے (اور زیادہ وقت نماز اور ذکر دعا و غیرہ عبادات میں گزارتے تھے) اور سحر کے وقتوں میں پھر اللہ تعالیٰ سے معافی اور بخشش کی دعائیں مانگتے تھے اور ان کے مالوں میں حصہ تھا ضرورت مند سائلوں اور ہارے ہوئے آفت رسیدوں کا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ تقویٰ کے خاص آثار میں سے یہ بھی ہے کہ آدمی رات کو کم سوئے اور اس کی راتوں کا زیادہ حصہ اللہ کی یاد، اس کی عبادت اور دعا و استغفار میں گزرے اور اس کے بعد بھی وہ مطمئن اور بے فکر نہ ہو، بلکہ رات اس طرح گزارنے کے باوجود اپنے کو خطاکار اور قصوروار سمجھتے ہوئے سحر کے وقت اپنے اللہ سے معافی اور بخشش ہی کا سوال کرے۔ اور اپنی دن کی کمائی میں ضرورت مند سائلوں اور ایسے بے دست و پابندوں کو حصہ دار بنائے جو کسی مرض یا کسی اور آفت کی وجہ سے ضروریات کے محتاج ہو گئے ہوں۔

ان سب آیتوں کو جمع کرنے سے تقویٰ والی زندگی کی ایک مکمل تصویر تیار ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو تقویٰ کے نور سے منور فرمائے اور ہماری زندگیوں کو متقیوں والی زندگی بنائے اور ہمارے ساتھ چلنے والوں اور ہماری آئندہ نسلوں کو بھی تقویٰ نصیب فرمائے۔

وَّاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِیْنَ اِمَامًا۝

خدا کی عبادت

تمام ادیان و مذاہب کا جن چند بنیادی باتوں پر اتفاق ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انسان کو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنی چاہیے۔ عبادت سے مراد خاص وہ اعمال ہوتے ہیں جن کو بندہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اس کی رضا اور رحمت کا طالب بن کر اپنی بندگی اور سرافگندگی ظاہر کرنے کے لیے اور اپنے عمل سے اس کی معبودیت اور عظمت و کبریائی کی شہادت ادا کرنے کے لیے کرتا ہے۔ جیسے اسلام میں نماز، روزہ، حج، زکوۃ، صدقات، ذکر، دعا، تلاوت اور قربانی وغیرہ۔ یہ سارے عبادتی اعمال بندہ صرف اس لیے کرتا ہے کہ اس کا معبود اس سے راضی ہو، اس پر رحمت فرمائے اور ان کے ذریعے اس کی روح کو پاکیزگی اور خدا کا تقرب حاصل ہو۔

انسان کے اچھے اعمال میں صرف عبادات ہی کی یہ خصوصیت ہے کہ اس کا تعلق براہ راست صرف اللہ سے ہوتا ہے۔ یعنی عبادت صرف اس کی رضا و رحمت حاصل کرنے اور اس کے سامنے اپنی بدگی کے اظہار اور رشتہ عبودیت کو استوار کرنے ہی کے لیے کی جاتی ہے، اور مٹی سے بننے والے اور گندے پانی کے ناپاک قطرہ سے پیدا ہونے والے انسان کو اسی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کا وہ تقرب وہ رابطہ اور وہ حضوری حاصل ہوتی ہے جو دراصل ساکنین ملاء اعلیٰ کا حصہ ہے۔ اسی لیے تمام ادیان نے اپنے ماننے والوں سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کا مطالبہ کیا ہے اور اس کو انسان کا مقدس ترین عمل قرار دیا ہے۔

عبادات کی تین قسمیں کی جاسکتی ہیں:

① خالص جسمانی ② خالص مالی ③ یا دونوں سے مرکب

خالص جسمانی

وہ عبادت ہے جن میں روپیہ خرچ نہیں ہوتا بلکہ ان کا تعلق صرف انسان کے جسم سے ہوتا ہے جیسے اللہ کے حضور میں سجدہ کرنا، نماز پڑھنا، روزہ رکھنا، اللہ کے گھر کا طواف کرنا۔

اور خالص مالی سے مراد وہ عبادات ہیں جو اللہ کی راہ میں صرف مال خرچ کر کے ادا کی جاتی ہیں اور ان میں کوئی خاص جسمانی عمل نہیں کرنا پڑتا جیسے صدقہ خیرات کرنا، اللہ کے لیے کوئی نذر مان

کر اس کو ادا کرنا، قربانی کرنا وغیرہ وغیرہ۔

اور مرکب وہ عبادات ہیں جن کی ادائیگی میں جسم اور مال دونوں کا استعمال ہوتا ہے جیسے کہ حج اور عمرہ۔

اللہ تعالیٰ کی طرف سے دنیا میں جتنے پیغمبر مختلف زمانوں میں آئے اور جتنی کتابیں بھی نازل ہوئیں ان سب کے ذریعے بندوں کو ان عبادات کا حکم دیا گیا ہے، زمانے کے حالات اور امتوں کے احوال کے مطابق اگرچہ عبادات کا نظام اور ان کی مقررہ شکلوں میں کچھ اختلاف رہا ہے لیکن قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل عبادات کا حکم اور مطالبہ ہمیشہ رہا ہے خصوصیت سے نماز اور زکوٰۃ (یعنی اللہ کی راہ میں صدقہ و خیرات) ہر شریعت کے اہم اجزا رہے ہیں۔ سورۂ انبیاء میں بہت سے اگلے نبیوں کا ذکر فرمانے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَ جَعَلْنٰهُمْ اَئِمَّةً یَّهْدُوْنَ بِاَمْرِنَا وَ اَوْحَیْنَاۤ اِلَیْهِمْ فِعْلَ الْخَیْرٰتِ وَ اِقَامَ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءَ الزَّكٰوةِ وَ كَانُوْا لَنَا عٰبِدِیْنَ ۝ (الانبیاء ۲۱: رکوع ۵)

ترجمہ: اور ہم نے بنایا ان کو راہبر وہ راہنمائی کرتے تھے (اپنی امتوں کی) ہمارے حکم سے اور ہم نے پیغام دیا ان کو نیکیوں کے کرنے کا اور (خاص کر) نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کا اور وہ سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔

اور سورۂ مائدہ میں بنی اسرائیل کے عہد کا ذکر فرمانے کے بعد فرمایا گیا:

وَ قَالَ اللّٰهُ اِنِّیْ مَعَكُمْ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَ اٰتَیْتُمُ الزَّكٰوةَ وَ اٰمَنْتُمْ بِرُسُلِیْ وَ عَزَّرْتُمُوْهُمْ وَ اَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَ لَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ۔ (المائدہ ۵: رکوع ۳)

ترجمہ: اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے (ان سے) کہ میں تمہارے ساتھ ہوں، اگر تم نے قائم رکھی نماز اور دیتے رہے زکوٰۃ اور ایمان لاتے رہے تم میرے رسولوں پر (جو بعد میں میری طرف سے آئیں گے) اور (ان کی دینی جد و جہد میں) تم ان کی مدد کرتے رہے اور خدا کے کام میں اپنی دولت اچھی طرح صرف کرتے رہے تو (تمہارے ان نیک اعمال کی وجہ سے) ضرور بالضرور مٹادوں گا تمہارے گناہوں کو (یعنی وہ معاف کر دیئے جائیں گے) اور بساؤں گا تمہیں ان جنتوں مین جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں۔

اور سورۂ بینہ میں اہل کتاب کے اختلاف وانکار کا ذکر کر کے فرمایا گیا ہے:

وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَآءَ وَيُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوا الزَّكٰوةَ وَذٰلِكَ دِيْنُ الْقَيِّمَةِ

ترجمہ: اور ان کو صرف یہی حکم تو دیا گیا تھا کہ وہ عبادت اور بندگی کریں اللہ کی پورے اخلاص کے ساتھ صرف اسی کے بندے ہو کر اور قائم کریں نماز اور ادا کریں زکوٰۃ اور (وہ بھی جانتے ہیں کہ) یہی دینِ قیم ہے (جس کی دعوت اللہ کے سب پیغمبروں نے دی ہے)۔

بہر حال قرآن مجید نے جا بجا یہ بتایا ہے کہ عبادت دین کا اہم رکن ہے اور پیغمبروں کے ذریعے ہر امت سے اس کا مطالبہ کیا گیا ہے۔

اور یہ اس لیے نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ہماری عبادت کی کوئی ضرورت ہے یا اس کی شان میں ہماری عبادت سے کوئی اضافہ ہوتا ہے یا ہمارے رکوع سجدے اور ہمارے صدقہ وخیرات سے اس کو کوئی نفع پہنچتا ہے بلکہ صرف اس لیے بندوں کو عبادت کا حکم دیا گیا ہے کہ عبادت ہی کے ذریعہ ہماری روحوں کو پاکیزگی حاصل ہوتی ہے اور اپنے مالک ومعبود سے ہمارا رابطہ قائم ہوتا ہے۔

سورۂ احزاب میں رسول ﷺ کی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو مخاطب کر کے چند باتوں کی خاص نصیحت اور تاکید فرمائی گئی ہے اور اس نصیحت کو ان الفاظ پر ختم کیا گیا ہے:

وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ اَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيْرًا (الاحزاب ۳۳: رکوع ۴)

ترجمہ: اور (اے نبی ﷺ کی گھر والیو) اچھی طرح ادا کرتی رہو نماز، اور دیتی رہو زکوٰۃ، اور فرمانبرداری کرتی رہو، اللہ ورسولؐ کے سب احکام کی (اس نصیحت اور ان احکام سے) اللہ تعالیٰ کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اے نبیؐ کے گھر والو تم سے ہر قسم کی آلائش اور گندگی دور ہو، اور تم کو کامل طور سے پاک کر دیا جائے۔

الغرض عبادت کا حکم اگلی امتوں کو بھی اسی لیے دیا گیا تھا اور ہم کو بھی اسی لیے دیا گیا ہے کہ اس کے ذریعے بندوں کی رُوحوں کو پاکیزگی حاصل ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی رضا اور قرب کا مقام حاصل کرنے کے قابل بنیں۔

اس تمہید کے بعد قرآن مجید کی چند وہ آیتیں پڑھ لیجئے جن میں ہم کو عبادت کا حکم دیا گیا ہے سورۂ حج میں ارشاد ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَ اسْجُدُوْا وَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَ افْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۞ (الحج ۲۲: رکوع ۱۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ کے لیے رکوع اور سجدہ کرو (یعنی نماز پڑھو) اور اپنے پروردگار کی عبادت کرتا کہ تمہارا بھلا ہو۔

اس آیت میں یہ بات بھی واضح کر دی گئی ہے کہ عبادت کا حکم صرف بندوں کی بھلائی کے لیے دیا گیا ہے۔ خدا کو ان کی عبادت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اور سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ۞ (البقرہ ۲: رکوع ۸)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور رکوع کرنے والوں کے ساتھ رکوع کرو۔

پھر سورۂ بقرہ میں آگے ارشاد ہے:

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۞ (البقرہ ۲: رکوع ۱۳)

ترجمہ: اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو نیکی بھی اپنے لیے آگے بھیجو گے، اس کو خدا کے پاس پالو گے، اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کو دیکھتا ہے۔

اور سورۂ ابراہیم میں ارشاد ہے:

قُلْ لِّعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَيُنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خِلٰلٌ ۞ (ابراھیم: ۵)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! میرے جو بندے ایمان لے آئے ہیں، ان کو پیغام دیجئے کہ وہ نماز قائم کریں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے پوشیدہ طور سے یا علانیہ طور سے (جیسا موقع ہو ہماری راہ میں) خرچ کریں (اور نیکی کے یہ سارے کام قیامت کے) اس دن کے آنے سے پہلے کر لیں جس دن نہ خرید و فروخت ہو گی نہ دوستی۔

یعنی اس دن نیک اعمال ہی پر نجات کا دارومدار ہو گا اور نیک عمل اگر بندہ خود اپنے ساتھ نہیں

لے گیا ہے، تو نہ وہاں کہیں سے خرید سکے گا نہ کوئی ایسا دوست وہاں ہو گا جو اس کو اپنے نیک اعمال بخش دے۔ لہٰذا بندوں کو چاہیے کہ جو وقت ملا ہوا ہے اس کو غنیمت سمجھیں اور نماز صدقہ و خیرات وغیرہ عبادات کا ذخیرہ جمع کر کے اپنی نجات کا سامان کریں۔

اس کے بعد چند وہ آیتیں پڑھیے جن میں عبادت گزار بندوں کو بشارتیں سنائی گئی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے پیار و محبت سے ان کا ذکر فرمایا ہے:

سورۂ حج میں ایک جگہ ارشاد ہے:

وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِيْنَ۝ الَّذِيْنَ إِذَا ذُكِرَ اللّٰهُ وَجِلَتْ قُلُوْبُهُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ عَلٰى مَآ أَصَابَهُمْ وَالْمُقِيْمِي الصَّلٰوةِ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ۝ (الحج ۲۲: رکوع ۵)

ترجمہ: اور اے پیغمبرؐ! بشارت دیجئے اور خوشخبری سنائیے ہمارے ان نیاز شعار اور عبادت گزار بندوں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب ذکر کیا جائے اللہ تعالیٰ کا تو خوفزدہ ہو جاتے ہیں ان کے دل، اور جو صبر کرتے ہیں اس پر جو ان پر پڑتی ہے اور جو قائم کرنے والے ہیں نماز کے اور (ہماری راہ میں) خرچ کرتے ہیں اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا ہے۔

اور سورۂ رعد میں ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَأَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً وَّيَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۝ (الرعد ۱۳: رکوع ۳)

ترجمہ: اور ہمارے جن بندوں نے اپنی نفس کو تھامے رکھا (اس کی بُری خواہشوں سے) اپنے رب کی رضا جوئی میں، اور قائم کی انہوں نے نماز، اور خرچ کیا انہوں نے اس میں سے جو ہم نے ان کو دیا تھا (موقع کے مطابق) پوشیدہ اور علانیہ) اور کرتے ہیں وہ برائی کے مقابلے میں بھلائی، اور ان کے ساتھ ان کے باپ دادوں اور ان کی بیویوں اور ان کی اولاد میں سے جو نیک ہوئے ہوں گے اور فرشتے آئیں گے ان کے پاس ہر دروازہ سے اور کہیں گے سلام ہو تم پر اے اللہ کے بندو! بدلہ اس کا جو تم نے صبر

کیا خوب ہے اور مبارک ہے تمہارا آخرت کا یہ گھر۔

اور سورۂ نور میں ارشاد ہے:

یُسَبِّحُ لَهٗ فِیْهَا بِالْغُدُوِّ وَ الْاٰصَالِ ۝ رِجَالٌ لَّا تُلْهِیْهِمْ تِجَارَةٌ وَّ لَا بَیْعٌ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَ اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّكٰوةِ یَخَافُوْنَ یَوْمًا تَتَقَلَّبُ فِیْهِ الْقُلُوْبُ وَ الْاَبْصَارُ ۝ لِیَجْزِیَهُمُ اللّٰهُ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَ یَزِیْدَهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ وَ اللّٰهُ یَرْزُقُ مَنْ یَّشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ۝ (النور ۲۴: رکوع ۵)

ترجمہ: ان عبادت خانوں میں (جن کا اوپر ذکر ہوا) اس (اللہ) کی تسبیح و تقدیس کرتے ہیں صبح شام وہ بندے (جن کے تعلق باللہ کا یہ حال ہے) کہ ان کو غافل نہیں کر سکتا کوئی تجارتی مشغلہ اور نہ کوئی خرید و فروخت کا کام اللہ کی یاد سے، اور نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے سے، وہ بندے لرزاں و ترساں رہتے ہیں اس دن کی فکر سے جس میں کہ الٹ جائیں گے دل اور آنکھیں تاکہ بدلہ دے ان کو اللہ ان کے بہترین اعمال کا اور مزید عطا فرمائے ان کو اپنے فضل خاص سے اور اللہ تعالیٰ دے گا جس کو چاہے گا بے حساب۔

اور سورۂ توبہ میں ایک جگہ ان بندوں کا ذکر فرماتے ہوئے جن کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنت کا خاص وعدہ ہے، ان کے خاص اوصاف بیان فرمائے گئے ہیں۔

اَلتَّآئِبُوْنَ الْعٰبِدُوْنَ الْحٰمِدُوْنَ السَّآئِحُوْنَ الرّٰكِعُوْنَ السّٰجِدُوْنَ الْاٰمِرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّاهُوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَالْحٰفِظُوْنَ لِحُدُوْدِ اللّٰهِ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (التوبہ ۹: رکوع ۱۴)

ترجمہ: وہ توبہ کرنے والے ہیں، عبادت گزار ہیں، اللہ کی حمد کرنے والے ہیں، روزہ رکھنے والے ہیں، رکوع سجود کرنے والے یعنی نمازیں پڑھنے والے ہیں، اچھے کاموں کے لیے کہنے والے اور برائیوں سے منع کرنے والے ہیں اور اللہ کی باندھی ہوئی حدود کی حفاظت کرنے والے ہیں اور اے رسول (ان صفات کے رکھنے والے) مومنین کو آپ (ہماری رحمت اور جنت کی) خوشخبری سنادیجیے۔

اور سورۂ مومنون میں ارشاد فرمایا گیا:

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝ الَّذِیْنَ هُمْ فِیْ صَلَاتِهِمْ خٰشِعُوْنَ ۝ وَ الَّذِیْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ

مُعۡرِضُوۡنَ ۝ وَ الَّذِيۡنَ هُمۡ لِلزَّكٰوةِ فٰعِلُوۡنَ ۝ (مومنون ۲۳: رکوع ۱)

ترجمہ: یقیناً فلاح پائی ان ایمان والوں نے (اور اپنی مراد کو پہنچ کر وہ کامیاب ہو گئے) جو اپنی نمازیں خشوع کی صفت کے ساتھ ادا کرنے والے ہیں اور جو لغو و فضول باتوں اور مشغلوں سے کنارہ کش رہتے ہیں اور جو زکوٰۃ دیا کرتے ہیں۔

اس کے بعد ان کی پاک دامنی اور امانت داری وغیرہ بعض اخلاقی محاسن کا ذکر فرما کر آخر میں ارشاد فرمایا:

اُولٰٓئِكَ هُمُ الۡوٰرِثُوۡنَ ۝ الَّذِيۡنَ يَرِثُوۡنَ الۡفِرۡدَوۡسَ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ۝

(سورۃ المومنون ۲۳: رکوع ۱)

ترجمہ: یہ وراثت پانے والے ہیں جو وراثت پائیں گے جنّت الفردوس کی وہ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے۔

اور سورۂ فاطر میں ارشاد ہے:

اِنَّ الَّذِيۡنَ يَتۡلُوۡنَ كِتٰبَ اللّٰهِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنۡفَقُوۡا مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً يَّرۡجُوۡنَ تِجَارَةً لَّنۡ تَبُوۡرَ ۝ لِيُوَفِّيَهُمۡ اُجُوۡرَهُمۡ وَ يَزِيۡدَهُمۡ مِّنۡ فَضۡلِهٖ ؕ اِنَّهٗ غَفُوۡرٌ شَكُوۡرٌ ۝ (الفاطر ۳۵: ۴)

ترجمہ: جن بندوں کا حال یہ ہے کہ پڑھتے ہیں اللہ کی کتاب اور قائم کرتے ہیں نماز، اور خرچ کرتے ہیں ہمارا دیا ہوا پوشیدہ اور علانیہ، وہ امید رکھتے ہیں ایسی سوداگری کی جس میں ہرگز ٹوٹا (خسارہ) نہیں، ان کا انجام یہ ہے کہ پورا دے گا اللہ ان کو ان کا ثواب اور مزید بخشش دے گا ان کو اپنے خاص فضل سے، وہ اللہ بہت بخشنے والا اور اپنے بندوں کی عبادت گزاری اور نیک کرداری کی بڑی قدر فرمانے والا ہے۔

اور سورۂ سجدہ میں ان ہی عبادت گزار بندوں کے متعلق ارشاد ہے:

تَتَجَافٰى جُنُوۡبُهُمۡ عَنِ الۡمَضَاجِعِ يَدۡعُوۡنَ رَبَّهُمۡ خَوۡفًا وَّ طَمَعًا وَّ مِمَّا رَزَقۡنٰهُمۡ يُنۡفِقُوۡنَ ۝ فَلَا تَعۡلَمُ نَفۡسٌ مَّاۤ اُخۡفِىَ لَهُمۡ مِّنۡ قُرَّةِ اَعۡيُنٍ ۚ جَزَآءًۢ بِمَا كَانُوۡا يَعۡمَلُوۡنَ ۝

(السجدہ ۳۲: رکوع ۲)

ترجمہ: ان کی کروٹیں اپنی خوابگاہوں سے الگ رہتی ہیں (یعنی جب سونے والے آرام

کی میٹھی نیند سوتے ہیں تو ہمارے یہ خاص عبادت گزار بندے بستروں سے الگ ہماری عبادت میں مشغول ہوتے ہیں) اس کے عذاب کے خوف سے اور اس کی رحمت کی طمع میں اس سے دعائیں کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے میں سے ہماری راہ میں خرچ کرتے ہیں، پس کوئی نفس نہیں جانتا ان کی آنکھ کی ٹھنڈک کے ان سامانوں کو جو ان بندوں کے لیے چھپا کے رکھے گئے ہیں بدلہ میں ان اچھے اعمال کے جو وہ کرتے تھے۔

اور سورۂ ذاریٰت میں ایسے بندوں کو جنّت اور اللہ تعالیٰ کی خاص الخاص نعمتیں عطا فرمائے جانے کا ذکر کرنے کے بعد ان کا حال خود اللہ تعالیٰ نے یہ بیان فرمایا ہے:

كَانُوْا قَلِيْلًا مِّنَ الَّيْلِ مَا يَهْجَعُوْنَ ۝ وَبِالْاَسْحَارِ هُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ ۝ وَفِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ ۝ (الذاریت ۵۱: رکوع ۱)

ترجمہ: ہمارے یہ بندے راتوں میں بہت کم سوتے تھے (بلکہ رات کے بڑے حصہ میں عبادت کرتے تھے) اور (رات اس طرح گزار کے) سحر کے اوقات میں مغفرت چاہتے اور معافی مانگتے تھے اور ان کے مالوں میں ایسے لوگوں کا حق تھا، جو (ضرورت سے مجبور ہو کر) سوال کرتے تھے یا جن پر کوئی آفت آپڑتی تھی۔

اس سلسلے میں ایک آیت سورۂ احزاب کی اور پڑھ لیجئے۔ ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ وَالْخٰشِعِيْنَ وَالْخٰشِعٰتِ وَالْمُتَصَدِّقِيْنَ وَالْمُتَصَدِّقٰتِ وَالصَّآئِمِيْنَ وَالصّٰٓئِمٰتِ وَالْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَالْحٰفِظٰتِ وَالذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّالذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا ۝ (الاحزاب ۳۳: رکوع ۵)

ترجمہ: بلاشبہ اللہ ورسولؐ کا حکم ماننے والے مرد اور ماننے والی عورتیں اور دل سے ایمان لانے والے مرد اور ایمان لانے والی عورتیں اور بندگی کرنے والے مرد اور بندگی کرنے والی عورتیں اور سدا سچ بولنے والے مرد اور سچ بولنے والی عورتیں اور نفس کی غلط خواہشوں کے مقابلے میں اللہ کے حکم پر مضبوطی سے جمے رہنے والے مرد اور جمی رہنے والی عورتیں اور عاجزی و مسکنت اختیار کرنے والے مرد اور اسی صفت کی عورتیں

اور صدقہ و خیرات کرنے والے مرد اور عورتیں، اور روزے رکھنے والے مرد اور روزے رکھنے والی عورتیں، اور کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور ایسے ہی اس کو یاد کرنے والی عورتیں، اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے اپنے ان سب بندوں اور سب بندیوں کے لیے رکھی ہے خاص بخشش اور بڑا اجر۔

یہ چند آیتیں اس کا اندازہ کرنے کے لیے کافی ہیں کہ قرآن مجید نے اللہ تعالیٰ کی عبادت پر کتنا زور دیا ہے اور عبادت کے ذریعے بندہ کیا کچھ کر سکتا۔ قرآن مجید کی بعض آیتوں میں خصوصیت سے رسول ﷺ کو مخاطب کرکے عبادت یا کثرت عبادت کا حکم دیا گیا ہے، ان میں سے بھی دو، چار آیتیں یہاں پڑھ لیجئے۔

سورۂ حج میں ارشاد ہے:

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝
(الحج ۲۲: رکوع ۶)

ترجمہ: آپ اپنے پروردگار کی حمد و ثناء کے ساتھ اس کی تسبیح و تقدیس میں مشغول رہیے اور اس کے حضور میں سجدہ کرنے والوں میں سے ہو جایئے اور موت کی گھڑی تک اپنے رب کی عبادت کرتے رہیے۔

اور سورۂ طٰہٰ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

فَاصْبِرْ عَلٰى مَا يَقُوْلُوْنَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَقَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآءِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَاَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝ (طٰہٰ ۲۰: ۸)

ترجمہ: یہ منکر لوگ جو تکلیف دہ باتیں کرتے رہتے ہیں آپ ﷺ ان پر صبر کیجئے اور اپنے پروردگار کی حمد و تسبیح کرتے رہیے۔ صبح طلوع آفتاب سے پہلے اور شام کو غروب آفتاب سے پہلے رات کی گھڑیوں میں بھی خدا کی تسبیح کیجئے اور دن کے حصوں میں بھی، شاید کہ آپ راضی ہوں۔

چونکہ نماز میں خاص عنصر اللہ کی حمد و تسبیح ہے، یہاں تک کہ قیام، قعود، رکوع، سجود، غرض نماز کا کوئی حصہ بھی حمد و تسبیح سے خالی نہیں، اس لیے قرآن مجید کی بعض آیات میں حمد و تسبیح ہی

کے عنوان سے نماز کا حکم دیا گیا ہے۔ اس آیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ اے پیغمبر ﷺ! آپ صبح و شام اور دن رات کے مختلف حصوں میں نماز پڑھنے کا اپنا طریقہ جاری رکھئے اور امید رکھئے کہ آپ کی دن رات کی اس عبادت گزاری کے وہ نتائج دنیا اور آخرت میں ظاہر ہوں گے کہ آپ کا جی خوش ہو جائے گا۔

اور سورۂ مزمل میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يَاأَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۞ قُمِ اللَّيْلَ إِلَّا قَلِيلًا ۞ نِّصْفَهُ أَوِ انقُصْ مِنْهُ قَلِيلًا ۞ أَوْ زِدْ عَلَيْهِ وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۞ (المزمل ۷۳: رکوع ۱)

ترجمہ: اے کمبل پوش کھڑے ہوا کرو (ہمارے حضور میں) رات کو (یعنی رات کو نماز میں مشغول رہا کرو) سوائے تھوڑے سے حصہ کے، یعنی رات کو بس تھوڑے سے حصے میں آرام کر لیا کرو) آدھی رات (نماز میں گزارا کرو) یا اس میں سے کم کر دو یا اس پر اضافہ کر لو۔ اور قرآن کو خوب صاف صاف پڑھا کرو۔

اور سورۂ دہر میں فرمایا گیا:

وَاذْكُرِ اسْمَ رَبِّكَ بُكْرَةً وَّأَصِيلًا ۞ وَمِنَ اللَّيْلِ فَاسْجُدْ لَهُ وَسَبِّحْهُ لَيْلًا طَوِيلًا ۞
(الدھر ۷۶: رکوع ۲)

ترجمہ: اور صبح شام اپنے پروردگار کا نام لیا کیجئے اور رات میں اس کے حضور سجدے کیا کیجئے اور اس کی تسبیح کیا کیجئے رات کے بڑے حصے میں۔

ان آیتوں میں لفظوں کے تھوڑے سے فرق کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ دن میں بھی اور خصوصیت سے صبح شام اور رات کے اوقات میں آپ نماز اور اللہ کی حمد و تسبیح میں زیادہ مشغول رہا کریں۔

ان آیتوں میں بظاہر خطاب اگرچہ رسول اللہ ﷺ کو ہے لیکن ظاہر ہے کہ یہی حکم بالواسطہ اور ثانوی درجہ میں آپ ﷺ کی امت کو بھی ہے۔ آخرت میں سورۃ کوثر اس سلسلے میں اور پڑھ لیجئے۔

إِنَّا أَعْطَيْنَاكَ الْكَوْثَرَ ۞ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ۞ إِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْأَبْتَرُ ۞ (الکوثر)

ترجمہ: ہم نے آپ ﷺ کو عطا کیا کوثر[1] پس آپ ﷺ نماز پڑھیے اپنے پروردگار کے لیے اور قربانی کیجیے بلاشبہ آپ ﷺ کے دشمن ہی بے نام ونشان ہوں گے۔

اس سورۃ میں یہ اشارہ کھلا ہوا ہے کہ اللہ کی عبادت (نماز و قربانی) دنیا میں بھی سرفرازی دلاتی ہے بشرطیکہ حقیقی نماز اور حقیقی قربانی ہو، نماز و قربانی کی صرف صورت نہ ہو۔

☆☆☆

[1] کوثر کے اصل معنی خیر کثیر کے ہیں، اس کے وسیع مفہوم میں دنیا اور آخرت کی وہ ساری نعمتیں داخل ہیں جو اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کو عطا فرمائی ہیں یا آپ ﷺ کو عطا فرمائی جانے والی ہیں، میدان قیامت کا حوضِ کوثر اور جنت کی نہر کوثر، جن کا ذکر حدیثوں میں آیا ہے وہ بھی اس میں داخل ہیں۔ ۱۲

بندوں کی خدمت اور حسن سلوک

قرآن مجید جس طرح خدا کے متعلق صحیح عقیدہ رکھنے اور اس کی اطاعت و فرمانبرداری اور اس کی عبادت کرنے کی زور و قوت کے ساتھ دعوت و تعلیم دیتا ہے، اسی طرح وہ بندوں کے حقوق ادا کرنے اور علیٰ قدر مراتب ان کی خدمت اور ان کے ساتھ حسن سلوک کی بھی سخت تاکید کرتا ہے۔ بلکہ اس میں بہت سے مقامات پر تو ان دونوں مطالبوں کو ایک ہی سلسلۂ بیان میں ایسے انداز سے ذکر کیا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بندوں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک کا مطالبہ بھی گویا خدائی توحید اور اس کی عبادت کے مطالبہ کی طرح قرآن مجید کے اولین اور بنیادی مطالبات میں سے ہے۔

مثلاً سورۂ نساء میں ارشاد ہے:

وَ اعْبُدُوا اللّٰهَ وَ لَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّ بِذِي الْقُرْبٰى وَ الْيَتٰمٰى وَ الْمَسٰكِيْنِ وَ الْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَ الْجَارِ الْجُنُبِ وَ الصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَ ابْنِ السَّبِيْلِ وَ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۔ (النساء ۴: رکوع ۶)

ترجمہ: اور عبادت کرو اللہ کی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور دوسرے قرابت داروں کے ساتھ بھی (اچھا سلوک کرو) اور (اسی طرح) یتیموں مسکینوں کے ساتھ بھی، اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ بھی جو قرابتدار ہوں اور ان پڑوسیوں کے ساتھ بھی جو اجنبی ہوں (جن سے کوئی رشتہ ناطہ نہ ہو صرف پڑوس کا تعلق ہو) اور ان کے ساتھ بھی (اچھا سلوک کرو) جن کا کہیں سنگ ساتھ ہو، اور مسافر پردیسیوں کے ساتھ اور ان کے ساتھ جو تمہارے قبضہ میں اور تمہارے زیر دست ہوں۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے ساتھ ساتھ سب سے پہلے ماں باپ اور پھر عام قرابت داروں اور ہر طرح پڑوسیوں، سنگ ساتھ والوں اور یتیموں مسکینوں اور پردیسیوں اور ماتحتوں کے

ساتھ حسن سلوک اور اچھے برتاؤ کا حکم دیا گیا ہے۔ اسی طرح سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے:

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِیَّاهُ وَ بِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا اِمَّا یَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِیْمًا ۝ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّیٰنِیْ صَغِیْرًا ۝

(بنی اسرائیل ۱۷: رکوع ۳)

ترجمہ: اور تیرے رب نے حتمی حکم دیا ہے کہ اس کے سوا تم کسی کی عبادت اور بندگی نہ کرو، اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو، اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو ان کو اونھ بھی نہ کہو اور ان سے خفگی کی بات نہ کرو اور ان سے ادب و تمیز سے بولو، اور خاکساری و نیاز مندی کے ساتھ ان کی اطاعت کرو اور ان کے حق میں اللہ سے اس طرح دعا کرتے رہو کہ اے پروردگار! تو میرے ماں باپ پر رحمت فرما جس طرح انہوں نے مجھے بچپن میں شفقت سے پالا، پرورش کیا۔

اسی سلسلۂ بیان میں ایک آیت کے بعد ارشاد ہے:

وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا ۝

(بنی اسرائیل ۱۷: رکوع ۳)

ترجمہ: اور اپنے قرابت داروں کا حق ادا کرو اور مسکینوں اور پردیسیوں، مسافروں کو بھی ان کا حق دو اور اللہ کا دیا ہوا مال فضولیات میں مت اڑاؤ۔

اور سورۂ روم میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

فَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِیْنَ وَ ابْنَ السَّبِیْلِ ذٰلِكَ خَیْرٌ لِّلَّذِیْنَ یُرِیْدُوْنَ وَجْهَ اللّٰهِ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (الروم ۳۰: رکوع ۴)

ترجمہ: پس ادا کرو قرابت داروں کو ان کا حق اور (اسی طرح دو) مسکینوں حاجتمندوں کو اور پردیسیوں مسافروں کو (جو ان کا حق ہے) یہی (طریقہ) بہتر ہے ان بندوں کے لیے جو اللہ تعالیٰ کو چاہتے ہیں (یعنی اس کی رضامندی کے طالب ہیں) اور یہ بندے فلاح یاب ہونے والے ہیں۔

مذکورہ بالا آیتوں میں ہمدردی اور اعانت کے مستحق کمزور طبقوں میں سے یتیموں، مسکینوں

غلاموں، ماتحتوں اور مسافروں، پردیسیوں کا ذکر آیا ہے اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے اور ان کے حقوق ادا کرنے اور ان کی اعانت و خدمت کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ بعض دوسری آیتوں میں اسیروں یعنی قیدیوں کی بھی اسی قسم کی خدمت کی ترغیب دی گئی ہے۔

سورۂ دہر میں جنتیوں کے وہ اوصاف اور اعمال بیان کرتے ہوئے جن کے بدلہ میں ان کو جنّت اور جنّت کی نعمتیں ملیں گی، ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَيُطْعِمُونَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِينًا وَّيَتِيمًا وَّاَسِيرًا ۝ (الدھر ۷۶: رکوع ۱)

ترجمہ: اور وہ بندگانِ خدا کھانا کھلاتے ہیں اللہ کی محبت کی بناء پر مسکینوں کو اور یتیموں کو اور قیدیوں کو۔

ان کمزور طبقوں کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کے سلسلے میں قرآن مجید کا ایک حکم یہ بھی ہے کہ جو بچہ باپ کی سرپرستی سے محروم ہو کر یتیم ہو گیا ہو اس سے شفقت کا برتاؤ کرو اور جو کوئی بے چارہ لاچاری، ناداری سے مجبور ہو کر تم سے سوال کرے اس کے ساتھ رحم دلی اور نرمی کا معاملہ کرو، اس کو کبھی نہ جھڑکو۔ ارشاد ہے:

فَاَمَّا الْيَتِيمَ فَلَا تَقْهَرْ ۝ وَاَمَّا السَّآئِلَ فَلَا تَنْهَرْ ۝ (الضحیٰ)

ترجمہ: پس جو یتیم ہو اسے مت ڈانٹو، مت دباؤ اور بے چارے مانگنے والے کو مت جھڑکو۔

یہاں یہ بات قابلِ لحاظ ہے کہ مذکورہ بالا آیتوں میں والدین اور دوسرے اعزہ و اقارب اور یتامیٰ و مساکین اور مسافرین و سائلین کے ساتھ حسنِ سلوک اور ان کی اعانت و خدمت کرنے کی جو تعلیم دی گئی ہے اس میں مسلم اور غیر مسلم کی بھی تفریق نہیں ہے۔ اگر بالفرض کسی مسلمان کے والدین یا اہلِ قرابت غیر مسلم ہوں یا اس کے سامنے کوئی غیر مسلم یتیم یا غیر مسلم مسکین یا غیر مسلم ضرورت مند پردیسی آئے تو قرآن مجید کا حکم ہے اس مسلمان کو ان سب کے ساتھ بھی اچھا سلوک کرنے کا اور اپنی استطاعت کے بقدر ان کی خدمت کرنے کا ہے۔ خاص کر والدین کے بارے تو قرآن مجید میں یہاں تک فرمایا گیا ہے اگر کسی کے ماں باپ بالفرض مشرک ہوں اور وہ اپنی مسلمان اولاد پر زور ڈالیں کہ وہ بھی اسلام اور توحید کو چھوڑ کر کفر و شرک اختیار کرے تو مسلمان اولاد کا فرض ہے کہ ان کی یہ بات تو نہ مانے، یعنی ان کے کہنے سے اسلام

اور توحید کو نہ چھوڑے لیکن دنیا میں ان کے ساتھ حسن سلوک اور اچھا برتاؤ ہی کرتا رہے۔

سورہ لقمان میں اولاد پر والدین کا حق بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَ اِنْ جٰهَدٰكَ عَلٰۤى اَنْ تُشْرِكَ بِیْ مَا لَیْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَ صَاحِبْهُمَا فِی الدُّنْیَا مَعْرُوْفًا۔ (لقمان ۳۱: رکوع ۱)

ترجمہ: اور اگر تمہارے ماں باپ تم پر زور ڈالیں کہ تم میرے ساتھ (یعنی اللہ کے ساتھ) کسی ایسی ہستی کو شریک کرو جس کا تمہیں کوئی علم اور پتہ نہیں ہے (بلکہ وہ بے حقیقت محض فرضی اور وہی ہے جیسے کہ مشرکوں کے سارے معبودوں کا حال ہے) تو تم ان کی یہ بات تو نہ مانو (لیکن اس کے باوجود) تم دنیا میں ان کے ساتھ اچھا معاملہ اور برتاؤ جاری رکھو (اور ان کی خدمت کرتے رہو)۔

اہل و عیال

ماں باپ کے بعد انسان کا سب سے بڑا تعلق بیوی بچوں سے ہوتا ہے اور انسانوں کی یہ عام فطرت ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو آرام ہی سے رکھنا چاہتے ہیں بلکہ اس بارے میں تو بہت سے لوگ اپنی حد سے بڑھ جاتے ہیں۔ اس لیے قرآن مجید میں اس پر زیادہ زور نہیں دیا گیا ہے کہ اہل و عیال کے ساتھ اچھا برتاؤ کیا جائے اور ان کا حق ادا کیا جائے۔ البتہ چونکہ بہت سے لوگوں سے اہل و عیال کی دینی اصلاح و تربیت کے بارے میں کوتاہی ہوتی ہے اس لیے قرآن مجید نے اہل و عیال کے اس حق کی طرف خصوصیت سے توجہ دلائی ہے کہ ان کو دیندار بنانے کی اور اللہ کی رضا کے راستے پر چلانے کی اسی طرح فکر اور کوشش کی جائے جس طرح کہ ہر صاحب ایمان کو اپنی جان دوزخ سے بچانے کی فکر کرنی چاہیے۔ سورہ تحریم میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِیْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَیْهَا مَلٰٓىٕكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ یَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ۝

(سورہ التحریم ۶۶: ۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، اس پر (عذاب دینے کے لیے) وہ فرشتے مقرر ہیں جو بڑے سخت دل (بنائے گئے ہیں) اور بڑے مضبوط ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان کو جو حکم

دے دیا ہے، وہ (ذرا بھی) اس کی خلاف ورزی نہیں کریں گے، اور جس کام کے لیے وہ مامور کیے گئے ہیں وہ اس کو (پورا پورا) انجام دیں گے۔

البتہ بیویوں کے معاملہ میں چونکہ بہت سوں سے کوتاہیاں ہوتی ہیں اس لیے ان کے ساتھ حسن سلوک اور ان کے حقوق کی ادئیگی کے بارے میں قرآن مجید نے خاص تاکید فرمائی ہے:

سورۂ بقرہ ہی میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (البقرہ ۲: رکوع ۲۸) (اور عورتوں کے مردو پر اسی طرح حقوق ہیں جیسے کہ مردوں کے حقوق عورتوں پر ہیں، دستور کے مطابق)۔

اور سورۂ نسا میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (اور ان کے ساتھ (یعنی اپنی بیویوں کے ساتھ) دستور کے مطابق اچھے طریقہ پر گزر بسر کرو)۔

اگر اللہ تعالیٰ کے کسی بندے کے بیوی بچے اپنی بد مزاجی یا بے دینی کی وجہ سے اس کے خلاف اور اس کو دکھ دینے والے ہوں اور اس کو ان کی طرف سے خطرہ ہو تو قرآن مجید کی ہدایت ہے کہ وہ ان کے شر سے تو اپنے کو بچاتا رہے اور ان کی طرف سے ہوشیار رہے لیکن جہاں تک گنجائش ہو انتقام اور سختی کی کوئی کارروائی نہ کرے بلکہ معاف کرے اور نظر انداز کرتا رہے، ان شاءاللہ یہ طرز عمل ان کی اصلاح کا بھی باعث ہوگا۔ سورۂ تغابن میں ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّ مِنْ اَزْوَاجِكُمْ وَ اَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوْهُمْ وَ اِنْ تَعْفُوْا وَ تَصْفَحُوْا وَ تَغْفِرُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (التغابن ۶۴: رکوع ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! تمہاری بعض بیویاں اور تمہاری بعض اولاد تمہاری دشمن ہیں پس تم ان کے شر سے بچے رہو اور اگر تم معاف کرو اور درگزر کرو اور بخشو تو (یہ تمہارے لیے بہتر اور خوش انجام ہوگا) بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

عام انسانوں کے حقوق اور ان کے ساتھ حسن سلوک

بندوں کے حقوق کے سلسلے میں ماں باپ، اہل و عیال عزیزوں، پڑوسیوں اور یتیموں، مسکینوں، اسیروں وغیرہ کمزور طبقوں کے حقوق اور ان کی خدمت و حسن سلوک کے بارے میں قرآن مجید کی تعلیم و تاکید آپ پڑھ چکے۔ اب دیکھیے کہ عام انسانوں کے حقوق اور ان کے

ساتھ حسن سلوک کے بارے میں قرآن مجید کی تعلیم کیا ہے۔

اس سلسلے میں اولاً تو قرآن مجید نے جابجا یہ واضح کر کے کہ سارے انسان ایک ہی مکرم و محترم جوڑے (آدمؑ و حواعلیہاالسلام) کی اولاد ہیں، پوری انسانی برادری کو اپنی اصل و فطرت کے لحاظ سے قابل احترام بنادیا ہے، پھر دوسری تمام مخلوقات کے مقابلہ میں انسان کو جو خاص علمی و عملی صلاحیتیں اور طاقتیں بخشی گئی ہیں جن کے ذریعے وہ اس پوری کائنات کو استعمال کر رہا ہے، اس کو بھی قرآن مجید میں پوری نسل انسانی کے لیے ایک خداوندی شرف و اعزاز بتایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَلَقَدْ كَرَّمْنَا بَنِيٓ اٰدَمَ وَحَمَلْنٰهُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ (بنی اسرائیل ۱۷: رکوع ۷)

ترجمہ: اور ہم نے بنی آدم کو ایک خاص شرف و اعزاز بخشا اور اس دنیا کے بحر و بر پر اس کو قابض اور متصرف بنادیا ہے۔

اس فطری اور تکوینی شرف و اعزاز کے علاوہ قرآن مجید نے اپنے ماننے والوں کو حکم دیا کہ وہ سب انسانوں سے اچھی بات کریں۔

وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (البقرہ ۲: رکوع ۲) (اور سب لوگوں سے اچھی بات کہو)۔

اسی طرح علی الاطلاق سب کے ساتھ انصاف اور احسان کا حکم دیا گیا۔ ایمان والوں کو سنایا گیا کہ: اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ (النحل ۱۶: رکوع ۱۳) (اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے انصاف کرنے کا اور احسان کرنے (سب کے ساتھ)۔

دوسری جگہ فرمایا گیا: وَاَحْسِنُوْا اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (البقرہ ۲: ۲۴) (اور اچھا سلوک کرو (سب کے ساتھ) اللہ سلوک کرنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔

حتیٰ کہ اگر کوئی تمہارا دشمن ہو اور تمہارے ساتھ برائی سے پیش آتا ہو تو اس کے حق میں بھی قرآن مجید کا حکم ہے کہ جہاں تک ہو سکے تم اس کے ساتھ اچھا ہی معاملہ کرو اور اس کی بدی کا جواب بھی نیکی ہی سے دو۔ ارشاد فرمایا:

لَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ اِدْفَعْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ۔ (حم سجدہ ۴۱: رکوع ۵)

ترجمہ: اچھا رویہ اور برا رویہ برابر نہیں (بلکہ اچھا رویہ نیکی ہے اور برا رویہ بدی ہے، لہذا تم کو چاہیے کہ) برائی کا جواب بھی تم نیکی ہی سے دو۔

دوسری جگہ فرمایا گیا:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ السَّیِّئَةَ نَحْنُ اَعْلَمُ بِمَا یَصِفُوْنَ۝ (مومنون ۲۳: رکوع ۶)

ترجمہ: تم برائی کا جواب بھی اچھے رویہ سے دو ہمیں خوب معلوم ہے جو کچھ وہ (تمہارے متعلق) کہتے ہیں۔

قرآن مجید میں ایک جگہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے جو نیک بندے بدی کا جواب بھی نیکی سے دیں اور برائی کرنے والوں کے ساتھ بھی اچھائی کریں وہ دوہرے ثواب اور دوہرے انعام کے مستحق ہوں۔ فرمایا گیا:

اُولٰٓئِکَ یُؤْتَوْنَ اَجْرَھُمْ مَّرَّتَیْنِ بِمَا صَبَرُوْا وَیَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّیِّئَةَ۔
(قصص ۲۸: رکوع ۶)

ترجمہ: اللہ کے ان بندوں کو دوہرا اجر و ثواب دیا جائے گا ان کے صبر کرنے کی وجہ سے اور بدی کا جواب نیکی سے دینے کی وجہ سے۔

عام انسانوں کے ساتھ رواداری اور حسن سلوک کے بارے میں قرآنی تعلیم کی روح کو کچھ اس سے سمجھا جا سکتا ہے کہ جو لوگ اپنی فریب کاریوں اور خیانت کارانہ معاہدوں کے ذریعے خود رسول اللہ ﷺ کو دھوکہ دیا کرتے تھے ان کے بارے میں بھی رسول اللہ ﷺ سے فرمایا گیا:

وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰی خَآئِنَةٍ مِّنْھُمْ اِلَّا قَلِیْلًا مِّنْھُمْ فَاعْفُ عَنْھُمْ وَاصْفَحْ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ۔ (مائدہ ۵: رکوع ۲)

ترجمہ: اور آپ ﷺ پر برابر ان کی خیانتوں کے راز فاش ہوتے رہیں گے اور سوا چند کے ان کی دھونہ بازیاں آئے دن آپ ﷺ کے علم میں آتی رہیں گی، پھر بھی آپ کو ان معاف کر دیا کریں اور ان کے قصور سے درگزر کیا کریں۔ دوسروں پر احسان کرنے والے بندے اللہ کو پیارے ہیں۔

اور یہ قرآن مجید کا عام منشور ہے جس کا ہر مسلمان مخاطب و مکلف ہے کہ بڑے سے بڑے دشمن کے ساتھ بھی پورا انصاف کیا جائے اور کسی کی عداوت اور دشمنی کی وجہ سے ان کا حق ادا کرنے میں کوئی کوتاہی نہ کی جائے۔ ارشاد ہے اور کس قدر زور اور تاکید کے ساتھ ارشاد ہے:

وَلَا یَجْرِمَنَّکُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓی اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا ھُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی (المائدہ ۵: رکوع ۲)

ترجمہ: اور کسی قوم کی دشمنی ہرگز تمہیں اس پر آمادہ نہ کرے کہ تم اس کے ساتھ بے انصافی کر بیٹھو، تم (دشمنوں کے ساتھ بھی) پورا پورا انصاف کرو، یہی قرین تقویٰ ہے۔

الغرض قرآن مجید میں جس طرح اللہ کی عبادت اور اپنے ماں باپ اور اعزہ و اقارب کی خدمت اور یتیموں، کمزوروں، مسکینوں، حاجت مندوں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے، اسی طرح عام انسانوں حتیٰ کہ اپنے دشمنوں اور بدخواہوں کے ساتھ بھی انصاف اور حسن معاملت کی تاکید کی گئی ہے۔

اسلامی برادری کے خاص حقوق

قرآن مجید نے خون اور نسب کے رشتوں کی طرح ایمان اور اسلام کو بھی ایک اہم مقدس روحانی رشتہ قرار دیا ہے اور اس رشتہ کی رو سے ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا بھائی بتایا ہے۔ ارشاد ہے: إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ إِخْوَةٌ (الحجرات ۴۹: رکوع ۲) (سارے مسلمان تو آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔

پھر اس روحانی اور ایمانی رشتہ کی وجہ سے ہر مسلمان پر دوسرے مسلمان بھائی کے کچھ خاص حقوق عائد کئے ہیں۔ مثلاً یہ کہ ان میں باہم شفقت اور ترحم ہو اور آپس میں ان کا معاملہ نرمی اور فروتنی کا ہو، ہر ایک دوسرے کا خیر خواہ، خدمت گزار اور نیاز مند ہو۔ چنانچہ ایک جگہ اہل ایمان کی شان یہ بیان کی گئی ہے کہ: رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ (الفتح ۴۸: رکوع ۴) (وہ آپس میں ترحم اور شفقت کا معاملہ کرنے والے ہیں)۔

اور دوسری جگہ ان کا حال یہ بیان کیا گیا ہے کہ: أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ (المائدہ ۵: رکوع ۸) (برادران ایمانی کے سامنے وہ نیاز مند اور اپنے کو نیچا رکھنے والے ہیں)۔

اور جو چیزیں تعلقات کو خراب کرنے والی اور دلوں میں کدورت پیدا کرنے والی ہو سکتی ہیں قرآن مجید نے مسلمانوں کے لیے سختی سے ان کی ممانعت فرمادی۔ مثلاً کسی کے ساتھ تمسخر کرنا، اس کا مذاق بنانا، ہنسی اڑانا، اس کو عیب لگانا، کسی برے اور مکروہ نام سے اس کو یاد کرنا، پیٹھ پیچھے اس کی برائی کرنا یا اس کے عیوب کا تجسس کرنا، یا صرف قیاس و خیال کی بناء پر اور اسی طرح بغیر تحقیق کے کسی افواہی شہرت کی بنیاد پر کسی کے بارے میں بدگمانی کرنا اور اس کے خلاف رائے قائم کر لینا، یہ وہ چیزیں ہیں جن میں لوگ زیادہ احتیاط نہیں کرتے لیکن چونکہ ان

باتوں سے دلوں میں رنجش اور کدورت پیدا ہوتی ہے اور تعلقات میں خرابی پڑتی ہے، اس لیے قرآن مجید میں صراحت اور تاکید کے ساتھ حکم دیا گیا ہے کہ کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان بھائی کے ساتھ ہرگز ایسا نہ کرے اور اس معاملے میں پوری احتیاط برتے۔ ارشاد فرمایا گیا:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُونُوا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَاءٌ مِّنْ نِّسَاءٍ عَسَىٰ أَنْ يَكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ وَلَا تَلْمِزُوا أَنْفُسَكُمْ وَلَا تَنَابَزُوا بِالْأَلْقَابِ بِئْسَ الِاسْمُ الْفُسُوقُ بَعْدَ الْإِيمَانِ وَمَنْ لَّمْ يَتُبْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۝ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اجْتَنِبُوا كَثِيرًا مِّنَ الظَّنِّ إِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ إِثْمٌ وَّلَا تَجَسَّسُوا وَلَا يَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا أَيُحِبُّ أَحَدُكُمْ أَنْ يَأْكُلَ لَحْمَ أَخِيهِ مَيْتًا فَكَرِهْتُمُوهُ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ تَوَّابٌ رَّحِيمٌ ۝ (الحجرات ۴۹: رکوع ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! نہ تو مردوں کے لیے جائز ہے کہ وہ دوسرے مردوں کا مذاق اڑائیں کیا عجب ہے کہ (جن لوگوں کا مذاق اڑایا جاتا ہے اللہ کے نزدیک) وہ ان مذاق اڑانے والوں سے بہتر ہوں، اور اسی طرح نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں، کیا عجب ہے کہ (مذاق اڑانے والیوں) سے وہی بہتر ہوں، اور تم آپس میں ایک دوسرے کو عیب بھی نہ لگاؤ، اور نہ برے القاب سے پکارو، ایمان لانے کے بعد گناہ کا نام لگنا (ہی) برا ہے اور جو لوگ (اس تنبیہ کے بعد بھی ان حرکتوں سے) باز نہ آئیں وہ بڑے ظالم ہیں۔

اے ایمان والو! بہت سے گمانوں سے بچا کرو، کیونکہ بعض گمان بالکل گناہ ہوتے ہیں، اور ایک دوسرے کے عیوب کا تجسّس نہ کرو (اس کی کمزوریوں کی ٹوہ میں نہ لگو) اور تم میں سے کوئی کسی کی غیبت بھی نہ کیا کرے، کیا تم میں سے کوئی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اپنے مرے ہوئے بھائی کا گوشت کھائے اور تمہیں اس سے کراہت اور گھن آئے اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو، بے شک اللہ تعالیٰ بہت معاف کرنے والا بڑا ہی مہربان ہے۔

مسلمانوں کے باہمی حقوق کے سلسلے میں قرآن مجید نے ایک رہنمائی یہ بھی کی ہے کہ ہر مسلمان اپنی اچھی دعاؤں میں سب مسلمان بھائیوں کو بھی شریک کیا کرے۔ قرآن مجید کی تعلیم فرمائی ہوئی اکثر دعاؤں میں جمع کے صیغوں کے استعمال کا یہ بھی ایک سبب ہے۔ قرآن

مجید کی ایسی بیسیوں دعاؤں میں سے صرف دو، چار دعائیں یہاں بھی پڑھ لیجئے:

رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۔ (البقرہ ۲: رکوع ۵)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! دے ہمیں دنیا میں بھلائی اور آخرت میں بھلائی اور بچا ہمیں آخرت کے عذاب سے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوبَنَا بَعْدَ إِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِن لَّدُنكَ رَحْمَةً إِنَّكَ أَنتَ الْوَهَّابُ ۝

(آل عمران ۳: رکوع ۱)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہم ایمان لے آئے، پس تو ہمارے گناہ بخش دے اور دوزخ کے عذاب سے ہمیں بچا۔

رَبَّنَا آتِنَا فِی الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِی الْآخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ۝

(سورہ آل عمران ۳: رکوع ۲)

ترجمہ: اے پروردگار ہمارے! ہم ایمان لے آئے پس تو ہم کو بخش دے اور ہم پر رحم فرما، تو سب مہربانوں سے بہتر اور بالاتر ہے۔

رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا وَلِإِخْوَانِنَا الَّذِينَ سَبَقُونَا بِالْإِيمَانِ وَلَا تَجْعَلْ فِي قُلُوبِنَا غِلًّا لِّلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا إِنَّكَ رَءُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ (المومنون ۲۳: ۶)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہماری مغفرت فرما اور ان سب بھائیوں کی بھی مغفرت فرما جو ہم سے آگے گئے ایمان کے ساتھ اور نہ کر ہمارے دلوں میں کدورت ایمان والوں کے ساتھ، اے پروردگار! یقیناً تو بڑا مہربان اور بہت رحم فرمانے والا ہے۔

☆☆☆

اخلاقِ حسنہ

اخلاق حسنہ کی دعوت و تعلیم بھی قرآن مجید کا خاص الخاص موضوع ہے اور یہ بات صرف عقیدت مندانہ نہیں بلکہ خالص علمی اور تحقیقی بات بھی ہے کہ اخلاق سے بارے میں قرآن مجید کی تعلیم اتنی مکمل، جامع، ایسی معتدل اور انسانی فطرت کے اس قدر مطابق ہے کہ اگر انسان اس پر عامل ہو جائے اور اپنی زندگی کے اخلاقی پہلو کو قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم و ہدایت کا پابند بنا لے تو وہ اس زمین پر انسان کی صورت میں رحمت کا ایک فرشتہ ہو گا۔ اس کا مکمل نمونہ خود رسول اللہ ﷺ کی ذات اقدس تھی۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کا مشہور ارشاد ہے:

كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنَ (آپ ﷺ کے اخلاق وہی تھے جو قرآن مجید کی تعلیم ہے)۔

قرآنی دعوت و تعلیم کا یہ باب اتنا وسیع ہے کہ بلا مبالغہ ایک ضخیم کتاب اسی باب پر لکھی جا سکتی ہے۔ اس لیے یہاں اس کے خاص خاص ہی عنوانات پر مختصر کچھ لکھا جائے گا۔

صبر

قرآن مجید نے جن اخلاق پر بہت زیادہ زور دیا ہے اور مختلف عنوانوں سے اور مختلف پیرایوں میں جن کی اہمیت اور فضیلت بیان فرمائی ہے ان میں صبر کا خاص مقام ہے۔

لیکن ہماری اردو زبان میں صبر کے معنی بڑے محدود ہو گئے ہیں۔ سمجھا جاتا ہے کہ صبر کا مطلب بس یہ ہے کہ موت اور بیماری اور فقر و تنگدستی جیسی مصیبتوں کو اس طرح سہہ لیا جائے کہ شور و فغاں اور شکوہ و شکایت کا اظہار نہ ہو اور کوئی ظالم اگر ظلم کرے تو اس کا انتقام نہ لیا جائے اور نہ نالہ و فریاد کی جائے۔

مگر قرآن کی زبان میں صبر کے معنی اس سے بہت زیادہ وسیع اور عمیق ہیں۔ مختصر الفاظ میں اس کی حقیقت کو کچھ اس طرح ادا کیا جا سکتا ہے کہ:

کسی عظیم اور مقدس مقصد کے لیے (مثلاً اللہ تعالیٰ کی رضا اور آخرت کے ثواب کے لیے یا دنیا میں نیکی پھیلانے اور برائیوں کو مٹانے کے لیے یا دوسروں کی خدمت اور راحت رسانی کے

لئے) صدموں، تکلیفوں اور ناگواریوں کو برداشت کرنا اور ناموافق حالات میں بھی حق اور سچائی پر مظبوطی سے جمے رہنا اور نیکی کے راستے پر چلتے رہنا صبر ہے۔

صبر کی اس حقیقت کو ذہن میں رکھ کر قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیتیں پڑھیے۔ سب سے پہلے سورۂ بقرہ کی یہ آیت پڑھیے:

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۝

(بقرہ ۲: رکوع ۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! (مشکلوں اور تکلیفوں میں) صبر اور نماز سے مدد حاصل کرو (یہ بات ناقابل شک اور بالکل یقینی ہے) کہ اللہ (اور اس کی پوری مدد) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

صبر سے مدد حاصل کرنے کا مطلب سورۂ اعراف کی ان آیتوں سے اور زیادہ واضح ہو جاتا ہے جن میں مذکور ہے کہ جب فرعون اور اس کی حکومت نے یہ فیصلہ کیا کہ بنی اسرائیل کے سارے لڑکے قتل کئے جائیں اور لڑکیاں اور عورتیں باقی رکھی جائیں تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم بنی اسرائیل کو تلقین فرمائی:

اسْتَعِیْنُوْا بِاللّٰهِ وَ اصْبِرُوْا اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ یُوْرِثُهَا مَنْ یَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ۔

(اعراف ۷: رکوع ۱۵)

ترجمہ: اللہ ہی سے مدد طلب کرو اور صبر کو اپنا شعار بناؤ (یعنی مضبوطی سے حق پر جمے رہنے کا فیصلہ کر لو اور کمر کس لو، پھر دیکھو اللہ تعالیٰ کیا کر کے دکھاتا ہے) ملک کا حقیقی مالک اللہ ہی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے ملک کو وارث بنا دیتا ہے۔

اس کے بعد سورۂ آل عمران کی آخری آیت پڑھئے جو گویا اس عظیم سورۃ کے دفتر ہدایت کا حرف آخر ہے۔ ارشاد ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَ صَابِرُوْا وَ رَابِطُوْا وَ اتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝

(آل عمران ۳: ۲۰)

ترجمہ: اے ایمان والو! صبر سے کام لو، اور ایک دوسرے کو صبر پر آمادہ کرو (راہ خدا میں جدوجہد کے لئے) مستعد اور کمربستہ رہو اور اللہ سے ڈرو (یعنی تقویٰ کو اپنا شعار

بناؤ) امید ہے کہ تم فلاح پاؤ گے۔

انسان کی یہ فطری کمزوری ہے کہ حق اور نیکی کے راستے پر چلتے ہوئے جب اس کو مسلسل مصائب اور تعلقات برداشت کرنے پڑتے ہیں اور اپنی قربانیوں کا کوئی پھل وہ نہیں دیکھتا تو اس میں مایوسی آتی ہے اور اس کی ہمت ٹوٹنے لگتی ہے۔ ایسے موقعوں کے لیے قرآن مجید میں فرمایا گیا:

وَاصْبِرْ فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِينَ ۝ (سورۂ ھود ۱۱: رکوع ۱۰)

ترجمہ: اور صبر کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ وہ نیکوکاروں کے اجر کو ضائع نہیں کرتا (دیر سویر ان کی نیکوکاری کا صلہ ضرور ملے گا)۔

اور سورۂ نحل میں صبر کے حکم کے ساتھ یہ بھی واضح فرمادیا گیا ہے کہ صبر کی صفت وہ دولت عظمیٰ ہے جو اللہ تعالیٰ کی خاص توفیق ہی سے نصیب ہو سکتی ہے۔ ارشاد ہے: وَاصْبِرْ وَمَا صَبْرُكَ إِلَّا بِاللّٰهِ (اور صبر اختیار کرو اور (یاد رکھو کہ) تمہارا صبر کرنا بھی اللہ تعالیٰ ہی کی مدد اور توفیق سے ہوگا)۔

اب رہا یہ سوال کہ اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق بندہ کیسے حاصل کرے؟ اس کا جواب قرآن مجید ہی سے یہ ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عزم و ارادہ کی جو طاقت بندہ کی فطرت میں ودیعت کر رکھی ہے وہ ایک طرف تو اس سے کام لے، یعنی مصیبتوں اور تکلیفوں کو برداشت کرنے اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی میں ثابت قدم رکھنے کا ارادہ کرے اور اس کے لیے اپنی خداداد ہمّت کو استعمال کرے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ سے صبر اور ثابت قدمی کی دعا کرے۔

سورۂ بقرہ میں اگلے دور کی ایک جماعت مجاہدین کا ذکر کیا گیا ہے کہ ان کا سابقہ ایک بڑے طاقتور اور جرار فوج رکھنے والے دشمن (جالوت) سے پڑا تو کچھ کمزور دل اور کمزور ایمان رکھنے والے تو جالوت اور اس کے لشکروں کو دیکھ کر ہی ہمّت ہار بیٹھے اور انہوں نے کہا کہ ان سے ٹکر لینے کی ہم میں طاقت نہیں لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوتَ وَجُنُودِهِ لیکن جن کے دلوں میں ایمان کی طاقت تھی انہوں نے کہا فتح و شکست کا تعلق صرف قلت و کثرت سے نہیں بلکہ تاریخ میں اس کی مثالیں موجود ہیں کہ:

كَمْ مِنْ فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِينَ۔ (بقرہ ۲: رکوع ۳۳)

ترجمہ: قلیل تعداد رکھنے والے کتنے ہی گروہ اپنے مقابل کے کثیر التعداد گروہ پر اللہ

تعالیٰ کے حکم اور اس کی مدد سے غالب ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ اور اس کی مدد صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

بہر حال قرآن مجید کا بیان ہے کہ اللہ کے ان بندوں نے اپنے دلوں کو مضبوط کیا اور پھر اللہ سے صبر و ثبات اور فتح و نصرت کی دعا مانگی اور عرض کیا:

رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ۔

(سورہ بقرہ ۲: رکوع ۳۳)

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمیں صبر سے سرشار کر دے اور ہمارے قدم جمادے اور اس کافر گروہ پر فتح حاصل کرنے میں ہماری مدد فرما۔

پھر اس معرکہ کا انجام قرآن مجید میں اس دعا کے بعد ہی متصلاً ان الفاظ میں بیان فرمایا گیا ہے کہ: فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ (البقرہ ۲: رکوع ۳۳) (پھر یہ ہوا کہ اللہ کی مدد اور اس کے حکم سے ایمان رکھنے والے اس قلیل التعداد گروہ نے دشمن کی کثیر التعداد فوج کو شکست دے دی)۔

اس پوری روداد سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق حاصل کرنے کا راستہ یہ ہے کہ بندہ خود عزم و ہمت سے کام لے اور پورے اخلاص و الحاح کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے صبر کی توفیق اور اس کا فیضان مانگے۔ جو بندہ ایسا کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو صبر کی دولت اور طاقت عطا فرمائے گا۔

صبر والوں کا انجام اور مقام

اگرچہ مندرجہ بالا اکثر آیتوں میں بھی صبر کے حکم اور اس کی تلقین کے ساتھ اس کے اجر اور اس کی خوش انجامیوں کی طرف اشارات موجود ہیں، تاہم دو تین آیتیں خاص صبر کے اجر و انجام ہی کے متعلق اور بھی پڑھ لیجئے:

سورۂ رعد میں ایک جگہ ان بندوں کے خاص اوصاف و اخلاق کا ذکر کیا گیا ہے جن پر اللہ تعالیٰ کا خاص الخاص انعام ہوگا۔ اس سلسلۂ بیان میں ان بندوں کا ایک خاص حال یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے:

وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ۔ (رعد ۱۳: ۲)

ترجمہ: وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی رضا طلبی میں (ہر قسم کی ناگواریوں اور سختیوں پر) صبر کیا۔

پھر ان کا آخری انجام بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ﴿۲۳﴾ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ ﴿۲۴﴾ (الرعد ۱۳: رکوع ۲)

ترجمہ: اور وہاں (جنّت میں) ان کے گھر کے ہر دروازے سے فرشتے ان کے پاس ان کے اکرام کے لیے آئیں گے اور کہیں گے کہ سلام ہو تم پر بہ سبب اس کے کہ تم نے دنیا میں صبر کو اپنا شعار بنایا، کیا ہی اچھا ہے یہ عاقبت کا ٹھکانہ۔

اور سورۂ آل عمران میں جنتی بندوں کے اوصاف و اخلاق بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے ان کی صفت صبر ہی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ۔ (آل عمران ۳: رکوع ۲)

ترجمہ: صبر کرنے والے، سچ بولنے والے، اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کرنے والے۔

اسی طرح سورۂ احزاب میں جہاں مسلمان مردوں اور عورتوں کو ان کے ایمانی اوصاف و اخلاق کی بنا پر مغفرت و رحمت کی بشارت سنائی گئی ہے وہاں بھی صبر کی صفت کا ذکر خصوصیت کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے: وَالصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰبِرٰتِ (الاحزاب ۳۳: رکوع ۵) (صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں)۔

اس کے بعد اسی قسم کی ان کی چند اور اخلاقی صفات بیان کرنے کے بعد ارشاد فرمایا گیا ہے:

اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا۔ (احزاب ۳۳: رکوع ۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں اور بندیوں کے لیے مغفرت (کا فیصلہ فرمایا ہے) اور اجر عظیم تیار کیا ہے۔

ان ہی چند آیات سے سمجھا جا سکتا ہے کہ قرآنی دعوت و تعلیم میں صبر کا کیا مقام ہے اور صابرین کے لیے دنیا اور آخرت ہی میں کیسی کیسی خوش انجامیوں کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ضمانت ہے۔

سچائی اور راست بازی

قرآن مجید سے جن اخلاق کی بہت زیادہ اہمیت اور فضیلت معلوم ہوتی ہے، ان میں سے ایک سچائی اور راست بازی بھی ہے۔ پھر قرآن مجید ہی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ

صداقت اور سچائی کا مطلب صرف یہی نہیں ہے کہ زبان سے غلط اور خلافِ واقعہ بات نہ کہی جائے اور سچ بولا جائے بلکہ اس کا دائرہ بہت وسیع ہے۔ اس میں دل کی سچائی اور عمل کی سچائی بھی شامل ہے۔

دل کی سچائی کا مطلب یہ ہے کہ اس میں کسی قسم کا نفاق اور کوئی دغا فریب نہ ہو اور عمل کی سچائی یہ ہے کہ جو عقیدہ اور قول ہو وہی عمل بھی ہو اور ظاہر و باطن میں پوری یکسانیت ہو۔ جن بندوں کا یہ حال ہو وہی قرآن مجید کی اصطلاح میں صادق ہیں اور اگر اس صفت میں کامل ہوں تو صدیق ہیں۔ اور قرآن مجید کی دعوت و تعلیم یہ ہے کہ آدمی کو ایسا ہی ہونا چاہیے اور ایسوں ہی کے ساتھ رہنا چاہیے تاکہ "صحبت صالح ترا صالح کند" کے فطری اصول پر ان کی ہم رنگی نصیب ہو۔ سورۂ توبہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَكُونُوا مَعَ الصّٰدِقِينَ۝ (توبہ ۹: رکوع ۱۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور صادقین کے ساتھ ہو جاؤ۔

صدق اور سچائی کے معنی کی اس وسعت پر سورۂ بقرہ کی ان آیات سے بھی روشنی پڑتی ہے جن میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک بندے وہ ہیں اور اصلی نیکی انہی کی نیکی ہے جن کے دلوں میں اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت اور دوسرے ایمانی حقائق پر ایمان ہو اور اس ایمان کی وجہ سے وہ اپنا کمایا ہوا مال اللہ تعالیٰ کے حاجت مند بندوں، یتیموں، مسکینوں وغیرہ پر صرف کرتے ہوں اور عہد کے پورا کرنے والے اور حق و صداقت کی راہ میں پڑنے والی مصیبتوں اور تکلیفوں کو صبر و ثابت قدمی کے ساتھ برداشت کرنے والے ہوں۔ ان بندوں کے یہ تمام اوصاف بیان فرمانے کے بعد آخر میں فرمایا گیا ہے:

اُولٰٓئِكَ الَّذِينَ صَدَقُوا وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ۝ (بقرہ ۲: رکوع ۲۲)

ترجمہ: یہی بندے ہیں جو سچے ہیں اور یہی ہیں متقی پرہیزگار۔

اسی طرح سورۂ حجرات میں فرمایا گیا ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ اٰمَنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُولِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجٰهَدُوا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُونَ۝ (الحجرات ۴۹: رکوع ۲)

ترجمہ: اصل مومن بندے تو بس وہی ہیں جو ایمان لائے اللہ پر اور اس کے

رسول ﷺ پر پھر کسی طرح کا شک و شبہ نہیں کیا اور اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنے جان و مال سے پوری جدوجہد کی، بس یہی بندے ہیں سچے۔

اور اسی وجہ سے کہ صدق اور سچائی کے معنی میں دل کی اور عمل کی سچائی بھی شامل ہے، سورۂ احزاب کی ایک آیت میں صادقین کے مقابلے میں منافقین کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

لِّيَجْزِيَ اللّٰهُ الصّٰدِقِيْنَ بِصِدْقِهِمْ وَ يُعَذِّبَ الْمُنٰفِقِيْنَ اِنْ شَآءَ۔ (احزاب ۳۳: رکوع ۳)

ترجمہ: تاکہ اللہ تعالیٰ سچوں کو ان کی سچائی کا عوض اور صلہ دے اور سزا دے منافقین کو اگر چاہے۔

صدق و سچائی کے یہ معنی اور اس کی یہ وسعت اور گہرائی معلوم ہونے کے بعد آپ سے آپ یہ بات معلوم ہو جاتی ہے کہ جن بندوں کو ایمان کے ساتھ صدق و سچائی کی یہ صفت پوری طرح نصیب ہو وہ اللہ تعالیٰ کے کامل ترین بندے ہیں اور نبیوں کے سوا ان سے اونچا مقام کسی کا نہیں اسی لیے قرآن مجید میں جہاں اہل ایمان کے ان چار طبقوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کو اللہ تعالیٰ کا خاص قرب اور مقبولیت و محبوبیت کا خاص مقام حاصل ہے اور جن پر اللہ تعالیٰ کا خصوصی انعام ہے، وہاں نبیوں کے بعد دوسرے نمبر پر صدیقین ہی کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَ مَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَ الرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ وَ حَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا (النساء ۴: رکوع ۹)

ترجمہ: اور جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت و فرمانبرداری کریں، پس وہ (جنت میں) اللہ کے ان خاص بندوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ کی خصوصی نوازش ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور یہ لوگ بڑے ہی اچھے ساتھی ہیں۔

صداقت و صدیقیت کی صفت کی بلند مقامی کا اندازہ اس سے بھی کیا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید میں حضرت ابراہیم خلیل اللہ جیسے جلیل القدر پیغمبر کی تعریف میں فرمایا گیا ہے کہ ان میں صدیقیت کی صفت موجود تھی۔ سورۂ مریم میں ارشاد ہوا ہے:

وَ اذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا (مریم ۱۹: رکوع ۳)

ترجمہ: اور اس کتاب میں ابراہیم کا ذکر کرو، وہ تھے صدیق نبی!

اسی طرح اسی سورۂ مریم کے اس سے اگلے رکوع میں حضرت ادریسؑ کے متعلق بھی بالکل یہی الفاظ فرمائے گئے ہیں اور اسی طرح حضرت مریمؑ کی شان میں بھی بڑے سے بڑا تعریفی کلمہ قرآن مجید میں یہ فرمایا گیا ہے وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مسیح کی والدہ حضرت مریمؑ "صدیقہ" تھیں۔ نیز قرآن مجید کا بیان ہے کہ حضرت یوسفؑ کے قید خانہ کے اس ساتھی نے جو ان سے بہت متاثر اور ان کا بڑا معتقد ہو گیا تھا ان کو صدیق ہی کی صفت سے پکارا اور کہا: يُوْسُفُ اَيُّهَا الصِّدِّيْقُ اے بڑے صادق اور راستباز یوسف۔

پھر اس سے بڑی بات یہ ہے کہ قرآن مجید میں صدق اور سچائی کو اللہ تعالیٰ کی بھی صفت بتایا گیا ہے بلکہ فرمایا گیا ہے کہ وہ سب سے بڑا سچا ہے: وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا۔
(اور اللہ سے زیادہ کون سچا ہو سکتا ہے قول میں؟ (کوئی نہیں)۔
وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا۔ (اور کون اللہ سے زیادہ سچا ہو سکتا ہے بات میں؟ (کوئی نہیں)

صدق اور سچائی کی صفت کی یہ عظمت اور اہمیت معلوم ہو جانے کے بعد خود ہی سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس صفت کا کتنا بڑا درجہ ہے اور اس کا کیسا عظیم صلہ ملنے والا ہے، تاہم قرآن مجید کی چند آیتیں اس سلسلہ میں بھی پڑھ لیجیے۔

ابھی صبر کے بیان میں سورۂ آل عمران کی وہ آیت ذکر کی جا چکی ہے جس میں جنتی بندوں کے اوصاف و اخلاق بیان کرتے ہوئے سب سے پہلے ان کی صفت صبر اور صدق ہی کا ذکر کیا گیا ہے: اَلصّٰبِرِيْنَ وَ الصّٰدِقِيْنَ وَ الْقٰنِتِيْنَ (صبر کرنے والے، سچے اور راست باز اور اللہ کے فرمانبردار بندے)۔

اور سورۂ احزاب میں صاحب ایمان بندوں اور بندیوں کے لیے جن صفات پر اللہ تعالیٰ کی خاص مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت سنائی گئی ہے، ان میں ایمان و اسلام اور اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری کے بعد سب سے پہلے ان کی صفت صداقت اور سچائی ہی کا ذکر کیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْقٰنِتٰتِ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالصّٰدِقٰتِ۔ (احزاب ۳۳: رکوع ۵)

ترجمہ: اسلام و ایمان لانے والے بندے اور بندیاں اور اللہ کی فرمانبرداری کرنے والے بندے اور بندیاں اور صدق و سچائی کی صفت رکھنے والے بندے اور بندیاں۔

آگے ان کی چند اور صفات بیان فرمانے کے بعد ان کو بشارت سنائی گئی ہے کہ:

أَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّأَجْرًا عَظِيْمًا۔ (احزاب ۳۳: رکوع ۸)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے مغفرت (کا فیصلہ فرمایا ہے) اور اجر عظیم تیار کر کے رکھا ہے۔

اور سورۂ مائدہ کے آخری رکوع میں قیامت کے دن کے بارے میں ارشاد ہوا ہے:

هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ أَبَدًا رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ (مائدہ ۵: رکوع ۱۶)

ترجمہ: یہ وہ دن ہے کہ نفع دے گا صادقین کو یعنی سچوں کو ان کا صدق اور ان کی راست بازی۔ ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے ان کا اللہ تعالیٰ ان سے راضی، اور وہ اپنے اللہ سے خوش، یہ بڑی عظیم الشان کامیابی ہے۔

قرآن مجید نے صادقین کو مغفرت و جنّت اور اجر عظیم اور رضائے الٰہی کی یہ روح پرور بشارتیں سنا کر دراصل ایک خاص انداز سے صدق و سچائی کی نہایت مؤثر دعوت اور دلکش ترغیب دی ہے۔

وفائے عہد

عہد کا پورا کرنا بھی دراصل صدق اور سچائی ہی کی ایک خاص شکل ہے بلکہ قرآن مجید میں بعض مقامات پر تو اس کے لیے صدق ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔ سورۂ احزاب میں ارشاد ہے:

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (احزاب ۳۳: رکوع ۳)

ترجمہ: ایمان والوں میں کچھ لوگ وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے جو عہد کیا تھا اس میں وہ سچے اترے۔

اس آیت میں وفائے عہد کو صدق ہی کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے۔ بہر حال یہ صدق ہی کی ایک خاص قسم ہے لیکن قرآن مجید میں چونکہ اس کا مطالبہ وفائے عہد اور وفائے عقد کے

مستقل عنوان سے کیا گیا ہے، اس لیے ہم نے بھی یہی مناسب سمجھا کہ اس سلسلے کے قرآن مجید کے ارشادات کو مستقل عنوان کے ذیل میں ذکر کریں۔ سورۂ مائدہ کی سب سے پہلی آیت جس سے یہ سورۃ شروع ہوتی ہے، سنئے! ارشاد ہے: یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ (المائدہ ۵: رکوع ۱) (اے ایمان والو! تمہارے جو عہد، معاہدے اور جو معاملے ہوں ان کو پورا کرو)۔

اور سورۂ بنی اسرائیل میں فرمایا گیا ہے: وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا (بنی اسرائیل ۱۷: رکوع ۲) (عہد کو پورا کرو، یقیناً عہد کے بارے میں (قیامت کے دن) پوچھ ہوگی)۔

وفائے عہد کی اس صریح دعوت و تعلیم اور اس طرح کے سیدھے اور براہ راست مطالبے کے علاوہ اس کی ترغیب قرآن مجید میں اس طرح بھی دی گئی ہے کہ عہد کے پورا کرنے والوں کو جابجا جنّت کی اور اخروی فوز و فلاح کی اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی بشارت سنائی گئی ہے۔

سورۂ بقرہ کے بائیسویں رکوع کی ان آیات کا تذکرہ ابھی اوپر صدق کے بیان میں ہو چکا ہے جن میں اللہ تعالیٰ کے نیک اور متقی بندوں کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، وہاں ایک خاص وصف ان کا یہ بھی بیان ہوا ہے: وَ الْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا (اور وہ بندے جو پورا کرنے والے ہیں اپنا عہد جب وہ عہد کریں)۔

اسی طرح سورۂ مومنون کے شروع میں جہاں فلاح پانے والے اہل ایمان کے اوصاف و اخلاق بیان کئے گئے ہیں، وہاں ان کا ایک خاص وصف یہ بھی بیان کیا گیا ہے: وَالَّذِیْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَ عَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ (وہ جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس لحاظ رکھتے ہیں)۔

اور سورۂ معارج میں جہاں جنتی مسلمانوں کے اوصاف کا کسی قدر تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے وہاں بھی ان کی اس صفت کو بالکل انہی الفاظ میں ذکر کیا گیا ہے۔ (معارج ع ۱)

قرآن مجید نے وفائے عہد کی عظمت کو ایک دوسرے انداز میں اس طرح بھی ظاہر کیا ہے کہ اس کو حق تعالیٰ کی صفت بتایا ہے۔ ارشاد ہے: وَ مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ مِنَ اللّٰهِ (التوبہ ۹: رکوع ۱۴) (اور اللہ سے زیادہ کون اپنے عہد کو پورا کرنے والا ہے؟)۔

اور دوسری جگہ منفی انداز میں فرمایا: وَعْدَ اللّٰهِ لَا یُخْلِفُ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (الروم ۳۰: رکوع ۱) (اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہوا ہے، اللہ وعدہ کے خلاف نہیں کرتا)۔

اور ایک جگہ تاکید کے صیغہ کے ساتھ فرمایا گیا ہے: وَ لَنْ یُّخْلِفَ اللّٰهُ وَعْدَهٗ (حج ۲۲: رکوع

۱) (اور اللہ تعالیٰ ہرگز وعدہ خلافی نہیں کرے گا)۔

اور ایک جگہ فرمایا گیا ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ (الرعد ۱۳: رکوع ۴) (یقین کرو کہ اللہ تعالیٰ اپنے وعدے کے خلاف نہیں کرے گا، جو اس کا وعدہ ہے ضرور پورا ہوگا)۔

ان آیتوں کا مفاد یہی ہے کہ وفائے عہد اللہ کی صفت ہے۔ وہ اپنے ہر عہد اور وعدہ کا پورا کرنے والا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس میں بندوں کے لیے اس کی کس قدر مؤثر اور دلکش ترغیب ہے کہ وہ بھی عہد کو پورا کیا کریں اور عہد شکنی سے بچیں۔

امانت

امانت بھی دراصل سچائی اور راست بازی ہی کی ایک شکل ہے۔ اردو محاورہ میں تو اس کا مطلب صرف اتنا ہی سمجھا جاتا ہے کسی نے جو چیز کسی کے پاس رکھ دی ہو اس میں کوئی خیانت اور کوئی بددیانتی نہ کی جائے اور اس شخص کے مطالبہ پر یوں ہی وہ جوں کی توں واپس کر دی جائے۔ اور یہ بھی بلاشبہ ایک اخلاقی نیکی ہے لیکن عربی زبان اور خاص کر قرآنی محاورہ میں امانت کا مفہوم اس سے بہت زیادہ وسیع ہے اور تمام حقوق و فرائض کا دیانت داری کے ساتھ ادا کرنا اور ہر قابل لحاظ بات کا لحاظ رکھنا اس میں داخل ہے۔

امانت کے مفہوم کی اس وسعت کو ذہن میں رکھ کر اس کے متعلق قرآن مجید کی آیات پڑھیے۔ سورۂ نساء میں ارشاد ہوا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا۔ (النساء ۴: رکوع ۸)

ترجمہ: بیشک اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے کہ (تمہارے پاس اور تمہارے ذمہ) جن کی امانتیں ہیں ان کو وہ امانتیں ادا کرو۔

پس اس آیت کی رو سے ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اس کے پاس کسی شخص کی کوئی بھی امانت ہو یا کسی کا مالی یا غیر مالی کوئی حق ہو تو اس کو پوری دیانت داری کے ساتھ ادا کرے اور اس کے ادا کرنے میں کوئی کوتاہی اور خیانت نہ کرے۔ یہاں تک کہ اگر کوئی کسی معاملہ میں اس سے مشورہ لے تو پوری خیر خواہی کے ساتھ مشورہ دے۔ اسی طرح اگر کسی کا کوئی راز معلوم ہو جائے تو اس کو بھی امانت ہی سمجھے اور اس کا افشاء نہ کرے۔

الغرض ادائے امانت کے اس قرآنی حکم میں اس طرح کی تمام صورتیں داخل ہیں۔

نیز قرآن مجید میں ادائے امانت کے اس حکم کے علاوہ اس کی ترغیب اس طرح بھی دی گئی ہے کہ امانتیں ٹھیک ادا کرنے والوں کو فلاح یاب اور جنتی بتلایا گیا ہے۔ چنانچہ سورۂ مومنون اور سورۂ معارج کے پہلے رکوع میں فلاح پانے والوں اور جنّت میں جانے والوں کے اوصاف ذکر کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے کہ:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِاَمٰنٰتِهِمْ وَعَهْدِهِمْ رٰعُوْنَ۔ (المومنون ۲۳: رکوع ۱، المعارج ۷۰: رکوع ۱)

ترجمہ: اور جو اپنی امانتوں اور اپنے عہد کا پاس کرتے ہیں۔

قرآن مجید میں اس وصف امانت کی عظمت کو اس طرح بھی ظاہر کیا گیا ہے کہ اس کو اللہ تعالیٰ کے مقدس رسولوں کی اور اس کے مقرب ترین فرشتہ جبرئیلؑ کی خاص صفت بتایا گیا ہے۔ سورۂ شعراء میں متعدد پیغمبروں کے تذکرے میں فرمایا گیا ہے کہ انہوں نے اپنی امتوں سے کہا:

اِنِّیْ لَكُمْ رَسُوْلٌ اَمِيْنٌ۝ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ۝ (الشعراء ۲۶: رکوع ۶، ۷، ۸، ۹، ۱۰)

ترجمہ: میں تمہارے لیے اللہ کا امانت دار پیغامبر ہوں (میرا خاص پیغام یہ ہے کہ) اللہ سے ڈرو اور میرے لائے ہوئے احکام کی فرمانبرداری کرو۔

اور قرآن مجید کے بارے میں اسی سورۂ شعراء میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے: نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ۝ (لے کر اترا ہے اس کو روح الامین)۔

پس اللہ تعالیٰ کے جن بندوں کی یہ چاہت اور آرزو ہو کہ اللہ تعالیٰ کے نبیوں اور رسولوں اور اس کے مقرب فرشتوں سے ان کو کوئی نسبت حاصل ہو اور ان کے پاکیزہ اوصاف و اخلاق میں ان کا کوئی حصہ ہو تو انہیں چاہیے کہ وہ امانت کے وصف کو اپنائیں اور جس کا جو حق ان کے ذمہ ہو اور جو ان کی ڈیوٹی ہو اس کو پوری امانت داری اور دیانت داری کے ساتھ ادا کریں۔

عدل و انصاف

قرآن مجید کی دعوت و تعلیم میں جن اخلاقی اور معاشرتی امور پر بہت زیادہ زور دیا گیا ہے ان میں ایک عدل و انصاف بھی ہے، یہ بھی دراصل سچائی اور راست بازی ہی کی ایک خاص قسم ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ہر شخص کے ساتھ بلا رو رعایت وہ معاملہ کیا جائے اور اس کے بارے میں وہ خدا لگتی بات کہی جائے جس کا وہ واقعہ میں مستحق ہے۔ اسی عدل و انصاف پر دنیا کا نظام قائم ہے، جس قوم اور جس سماج میں عدل و انصاف نہ ہو وہ اللہ کی رحمت سے محروم رہے گی

اور دنیا میں بھی اس کا انجام بہت ہی برا ہوگا۔ قرآن مجید نے اپنی دعوت و تعلیم میں عدل و انصاف کو جو خاص درجہ اور مقام دیا ہے اس کا اندازہ سورۂ حدید کی ایک آیت سے لگایا جاسکتا ہے:

ارشاد ہے:

لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ۔

(الحدید۵۷: رکوع۳)

ترجمہ: ہم نے اپنے رسول بھیجے، کھلے کھلے، احکام لے کر، اور اتاریں ہم نے ان کے ساتھ (ہدایت کی) کتابیں اور عدل و انصاف کا فرمان، تاکہ لوگ اپنے معاملات میں عدل و انصاف سے کام لیں۔

اس آیت میں المیزان سے مراد عدل او انصاف کے احکام و قوانین ہیں، اس بنا پر آیت کا مفہوم یہ ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسولوں کے ساتھ جس طرح مختلف صحیفے اتارے اسی طرح عدل و انصاف کے فرامین اور احکام و قوانین بھی اتارے تاکہ اس کے بندے ان صحیفوں کی روشنی میں اس کی بندگی کے راستے پر چلیں اور عدل و انصاف کے فرامین کی راہنمائی میں آپس میں عدل و انصاف کے برتاؤ کریں۔

الغرض اس آیت میں المیزان یعنی عدل و انصاف کا ذکر جس طرح الکتاب کے ساتھ کیا گیا ہے اس سے سمجھا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اور قرآن مجید کی دعوت و تعلیم میں عدل و انصاف کی کتنی غیر معمولی اہمیت ہے۔

قرآن میں ایک دوسری جگہ بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب کے ساتھ عدل و انصاف کے ایک فرمان کا ذکر اسی طرح کیا گیا ہے۔ سورۂ شوریٰ میں رسول اللہ ﷺ کو حکم ہے:

قُلْ اٰمَنْتُ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنْ كِتٰبٍ وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَيْنَكُمْ اَللّٰهُ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ۔

(شوریٰ۴۲: رکوع۲)

ترجمہ: اے پیغمبرؐ! آپؐ (ان یہودیوں اور عیسائیوں سے) کہہ دیجئے کہ میں ایمان لایا ہوں اس مقدس کتاب پر جو اللہ تعالیٰ نے اتاری ہے اور مجھے اس کا فرمان ہے کہ میں تمہارے درمیان انصاف کروں، اللہ ہمارا بھی مالک و رب ہے اور تمہارا بھی۔

اس آیت میں بھی عدل و انصاف کے فرمان کا ذکر جس طرح ایمان بالکتاب کے ساتھ کیا گیا

ہے وہ قرآن مجید کے اشارہ شناسوں کو یہ سمجھنے کے لیے کافی ہے کہ قرآنی دعوت و تعلیم میں عدل و انصاف کی کتنی اہمیت ہے۔

اور یہی وجہ ہے کہ سورۂ نحل میں جہاں ایمان والوں کو بہت سے اہم اخلاقی احکام دیئے گئے ہیں، وہاں سب سے پہلا حکم انصاف ہی کا دیا گیا ہے۔ وہ رکوع شروع ہی ان الفاظ سے ہوتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ الخ۔ (النحل ۱۶: رکوع ۱۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے انصاف کا اور اچھا سلوک کرنے کا۔

اور سورۂ انعام میں جہاں اللہ تعالیٰ کے اہم اوامر نواہی کو یکجا بیان کیا گیا ہے، وہاں بھی عدل و انصاف کی تاکید کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى۔ (الانعام ۶: رکوع ۱۹)

ترجمہ: جب (کسی نزاعی معاملہ میں) تمہیں کچھ کہنا یا فیصلہ دینا ہو تو پورا انصاف کرو، اگرچہ فریق معاملہ میں) تمہارا کوئی قرابت دار ہو۔

سورۂ نساء کی ایک آیت میں اور زیادہ وضاحت و تفصیل سے فرمایا گیا ہے کہ ایمان والوں کا فرض ہے کہ وہ بے لاگ انصاف کرنے والے اور خدا کے لیے سچی گواہی دینے والے بنیں۔ اگرچہ اس سے خود ان کو یا ان کے ماں باپ یا اور قرابت داروں کو نقصان پہنچے۔ ارشاد ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰۤى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗۤا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝ (النساء ۴: ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہو جاؤ خوب انصاف پر قائم رہنے والے اور انصاف کے حامی اور اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے، اگرچہ (وہ انصاف اور گواہی) تمہارے ہی خلاف پڑے یا تمہارے ماں باپ اور دوسرے اقرباء کے خلاف پڑے، اگر فریق معاملہ دولت مند ہیں یا محتاج (دونوں صورتوں میں) اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ ان کا خیر خواہ ہے، پس تم انصاف کرنے میں اپنے نفس کی خواہش کی پیروی نہ کرو، اگر تم (کسی قرابت یا امیری غریبی کے لحاظ سے فیصلے میں یا گواہی میں) لاگ لپیٹ یا اینچ پیچ کی بات کرو گے یا خدا لگتی بات کہنے سے پہلو تہی کرو گے تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ تمہارے

(اعمال سے پوری طرح خبر دار ہے)۔

عدل وانصاف کے حکم کے بارے میں یہ آیت کتنی جامع اور کیسی محکم اور واضح ہے، فرمایا گیا ہے کہ معاملات میں عدل وانصاف کو اور سچی خدا لگتی بات کہنے کو اپنا اصول اور نصب العین بنالو، اور پوری دیانت داری اور للّٰہیت کے ساتھ اس فرض کو ادا کرو خواہ اس سے خود تم کو یا تمہارے اعزاء واقربا کو کتنا ہی نقصان پہنچے، لیکن اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں اور سچائی اور انصاف کے معاملے میں کسی کی جانب داری نہ کرو، نہ کسی امیر کی امیری کی وجہ سے ان کی طرف داری کرو، اور نہ کسی غریب کی غربت و ناداری پر ترس کھا کر اس کی بے جا حمایت کرو، انصاف اور سچائی سب سے مقدم ہے، غریبوں کی غربت کو بھی اللہ تعالیٰ تم سے زیادہ دیکھنے والا ہے اور وہی سب کا حقیقی والی اور کارساز ہے۔

آخر میں یہ بھی فرمایا کہ کسی ایک فریق کی یا دونوں فریقوں کی ناراضگی سے بچنے کے لیے بات گول لپٹی اور اینچ پیچ والی بھی نہ کہی جائے اور فیصلہ اور گواہی سے پہلو تہی بھی نہ کی جائے، یہ دونوں باتیں بھی عدل وانصاف کے خلاف اور گناہ ہیں۔

آخر میں ایک آیت سورۂ مائدہ کی اور پڑھ لیجئے جس میں عدل وانصاف کے حکم کے ساتھ ساتھ یہ بھی تاکید فرمائی گئی ہے کہ اگر کچھ لوگ تمہارے دشمن اور بدخواہ ہوں تب بھی ان کے ساتھ تم انصاف ہی کرو۔ ارشاد ہے:

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلّٰهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ۔ (المائدہ۵: رکوع۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہو جاؤ کھڑے ہونے والے اللہ کے لئے، کہنے والے عدل و انصاف کے ساتھ خدا لگتی اور لوگوں کی عداوت و بدخواہی تم کو اس گناہ کے ارتکاب پر آمادہ نہ کر دے (یعنی کسی کی دشمنی سے متاثر ہو کر تم ایسے نہ ہو جاؤ) کہ ان کے ساتھ بے انصافی کرنے لگو (تم ہر حال میں) انصاف کرتے رہو، یہی طرزِ عمل قرین تقویٰ ہے۔

اوپر کی آیتوں میں یہ تاکید فرمائی گئی تھی کہ اپنے ذاتی نفع نقصان کے خیال سے یا رشتہ اور قرابت کی وجہ سے یا کسی امیری کے لحاظ سے یا کسی کی غربت پر ترس کھا کر اسے نفع پہنچانے کی نیت

سے کوئی بے انصافی اور جانبداری نہ کی جائے بلکہ صرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کے لیے اور سچائی کا حق ادا کرنے کے لیے ہر معاملے میں عدل وانصاف کیا جائے اور بات سچی اور خدا لگتی کہی جائے۔

اب سورۂ مائدہ ۵: کی اس آیت میں فرمایا گیا کہ کسی دشمن کی دشمنی کی وجہ سے بھی اس کے ساتھ بے انصافی نہ کی جائے بلکہ اس کی دشمنی اور بدخواہی کے باوجود معاملات میں اس کے ساتھ پورا انصاف کیا جائے، اور کسی معاملہ میں اگر وہ برسر حق ہو تو اس کی حمایت کی جائے اور اس کے حق میں فیصلہ دیا جائے۔

یہ ہے قرآن مجید کی دعوت و تعلیم عدل وانصاف کے باب میں۔

کاش! اگر مسلمانوں میں یہی ایک بات موجود ہوتی تو اس میں شبہ کی گنجائش نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا کا انتظام آج بھی انہی کے ہاتھوں میں دیتا اور مصیبت زدہ دنیا انھی کو سربراہی کے لیے منتخب کرتی۔

سماحت وسخاوت

جن اخلاقی نیکیوں پر قرآن مجید میں خاص طور سے زور دیا گیا ہے ان میں سے ایک سماحت وسخاوت بھی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی بندے کو جو دولت و قوت اور جو نعمت اس دنیا میں دی ہے، وہ اس سے صرف خود ہی فائدہ نہ اٹھائے بلکہ اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندوں پر بھی اس کو خرچ کرے اور اس سے ان کو فائدہ پہنچائے۔ اس کا دائرہ ظاہر ہے کہ بہت وسیع ہے اور بندگانِ خدا کی خدمت واعانت کی تمام صورتیں اس عنوان کے تحت آجاتی ہیں۔

دوسرے ضرورت مندوں پر اپنی دولت خرچ کرنا، اپنے علم وفن اور اپنی قابلیت سے ان کی کوئی خدمت کرنا، خود تکلیف اٹھا کر ان کے کام کر دینا اور جس مدد کے وہ محتاج ہوں اپنے وسائل سے ان کی وہ مدد کر دینا، یہ سب شکلیں سماحت وسخاوت ہی کی شاخیں ہیں۔ اور قرآن مجید نے اس کو بنیادی نیکی قرار دے کر مختلف عنوانوں سے اس کی ترغیب دی ہے۔

سورۂ بقرہ کے پہلے رکوع میں (جس کو قرآن مجید کا تمہیدی حصہ کہنا صحیح ہے) قرآنی ہدایت سے فائدہ اٹھا کر فلاح یاب ہونے والے گروہ کے جو بنیادی اوصاف ذکر کیے گئے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ: مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرہ ۲: رکوع ۱) (اور ہم نے ان کو جو کچھ دیا

ہے وہ اس میں سے (ہماری راہ میں دوسرے بندوں پر بھی) خرچ کرتے ہیں۔

مفسرین نے لکھا ہے کہ مال و دولت کے علاوہ جو خداداد قوت و طاقت، قابلیت اور محنت وغیرہ اللہ کے بندوں کی نفع رسانی کے لیے خرچ کی جائے وہ سب بھی اس میں داخل ہے، پھر اسی سورۂ بقرہ کے آخری حصے میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ۔ (البقرہ۲: رکوع۳۴)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہم نے جو کچھ تم کو دیا ہے اس میں سے (ہماری راہ میں دوسروں پر بھی) خرچ کرو، قبل اس کے کہ (قیامت کا) وہ دن آجائے جس میں نہ کوئی خرید و فروخت ہوگی نہ کسی یار کی یاری، نہ کسی کی سفارش کام آئے گی۔

اور تین رکوع کے بعد اسی سورۂ بقرہ میں راہِ خدا میں اپنی دولت وغیرہ خرچ کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے اس کی نافعیت اور اس کے اجر و ثواب کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ۝ (البقرہ۲: رکوع۳۷)

ترجمہ: اور جو اچھی چیز تم (اللہ کے بندوں پر) خرچ کروگے اس کا نفع اور ثواب تم ہی کو پہنچے گا اور تمہارا خرچ کرنا لوجہ اللہ ہی ہونا چاہیے اور جو اچھی چیز بھی تم راہ خدا میں صرف کروگے تم کو اس کا پورا پورا صلہ ملے گا اور تمہاری کوئی تلفی حق نہ ہوگی۔

ایک دو آیتوں کے بعد پھر ارشاد ہوا ہے:

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ۝ (البقرہ۲: رکوع۳۸)

ترجمہ: جو بندے خرچ کرتے ہیں (اللہ کی راہ میں دوسروں پر) اپنا سرمایہ رات میں اور دن میں خفیہ اور علانیہ، پس ان کے واسطے ان کے رب کے ہاں (جنت میں) ان کا اجر ہے (جو اس کریم رب کے شان کے لائق ہے) اور (ان کا حال یہ ہوگا کہ) نہ انہیں کوئی خوف ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

راہِ خدا میں اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندے پر اپنی چیزیں صرف کرنے کی ترغیب کے

سلسلے میں ایک بات قرآن مجید نے یہ بھی کہی ہے کہ اس راہ میں خرچ کرنے والا جتنا خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا سینکڑوں گنا اس کو دیا جائے گا، اس لیے اس راہ میں خرچ کرنا گویا ایک انتہائی نفع بخش تجارت اور ایک ایسی کھیتی ہے جس سے ایک ایک دانہ کے عوض سینکڑوں، ہزاروں دانے کاشتکار کو حاصل ہوتے ہیں۔ اسی سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝ (البقرہ ۲: رکوع ۳۵)

ترجمہ: جو لوگ راہ خدا میں اپنا مال خرچ کرتے ہیں، ان (کے اس مال) کی مثال اس دانہ کی سی ہے جس سے سات بالیں اگیں، ان میں سے ہر بالی میں سو دانے ہوں، اور اللہ تعالیٰ جس کے لیے چاہے (اس سے اور زیادہ بھی) بڑھاتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔"

راہ خدا میں خرچ کرنے کی ترغیب کے لیے ایک نہایت مؤثر انداز قرآن مجید میں یہ بھی استعمال کیا گیا ہے کہ اس مد میں خرچ کرنے کو اللہ تعالیٰ کو قرض دینے سے تعبیر کیا گیا ہے۔

سورۂ مزمل میں ارشاد ہوا ہے: وَاَقْرِضُوا اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا (مزمل ۷۳: رکوع ۲) (اور اللہ کو اچھا قرض دو (یعنی چیز بھی اچھی ہو اور نیت بھی اچھی ہو)۔

اور اس سے بھی زیادہ دلکش انداز میں سورۂ بقرہ میں ارشاد ہوا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً۔ (البقرہ ۲: ۳۲)

ترجمہ: کون وہ بندہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو اچھا قرض دے، پھر اللہ تعالیٰ (اس کے بدلہ میں) اس کو بہت گنا بڑھا کر دے۔

اسی طرح سورہ حدید میں فرمایا گیا ہے:

مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗٓ اَجْرٌ كَرِيْمٌ ۝

(سورۂ حدید ۵۷: رکوع ۲)

ترجمہ: کون ایسا بندہ ہے جو اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دے، پھر اللہ تعالیٰ اس کو اس کے واسطے بڑھا دے اور اس کے واسطے کریمانہ اجر ہے۔

ایک اور مقام پر ارشاد ہوا ہے:

اِنۡ تُقۡرِضُوا اللّٰہَ قَرۡضًا حَسَنًا یُّضٰعِفۡہُ لَکُمۡ وَ یَغۡفِرۡ لَکُمۡ ؕ وَ اللّٰہُ شَکُوۡرٌ حَلِیۡمٌ ۙ﴿۱۷﴾

(تغابن ۶۴: رکوع ۲)

ترجمہ: اگر تم اللہ تعالیٰ کو قرض حسن دو گے تو اللہ تعالیٰ اس کو تمہارے لیے خوب بڑھائے گا اور تمہیں بخش دے گا اور اللہ بڑا قدر دان اور صاحب حلم ہے۔

اس نیکی کی ترغیب کے لیے یہ قرض حسن دینے کی تعبیر، ظاہر ہے کہ محض بندہ نوازی ہے، ورنہ اللہ تعالیٰ تو غَنِیٌّ عَنِ الۡعٰلَمِیۡنَ ہے۔ اس کی پاک ذات قرضہ لینے دینے اور اس قسم کے ہر معاملہ اور کاروبار سے وراء الوراء ہے۔

اس سلسلے میں قرآن پاک کی ایک ہدایت اور تعلیم یہ بھی ہے کہ اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پر اچھی اور مرغوب و محبوب چیز خرچ کی جائے، ایسا نہ ہو کہ جب کوئی چیز اپنے لیے ناقابل استعمال اور ناکارہ اور بے قیمت ہو جائے تو اس کو اٹھا کر اللہ تعالیٰ کی راہ میں دے دیا جائے۔

سورۂ بقرہ کے اواخر میں جہاں راہ خدا میں خرچ کرنے کی بار بار ترغیب دی گئی ہے وہیں یہ ہدایت بھی فرمائی گئی ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَنۡفِقُوۡا مِنۡ طَیِّبٰتِ مَا کَسَبۡتُمۡ وَ مِمَّاۤ اَخۡرَجۡنَا لَکُمۡ مِّنَ الۡاَرۡضِ ۪ وَ لَا تَیَمَّمُوا الۡخَبِیۡثَ مِنۡهُ تُنۡفِقُوۡنَ وَ لَسۡتُمۡ بِاٰخِذِیۡهِ اِلَّاۤ اَنۡ تُغۡمِضُوۡا فِیۡهِ ؕ

(سورۃ البقرہ ۲: ۳۷ رکوع)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم اپنی کمائی میں سے اور زمین سے ہماری نکالی ہوئی پیداوار میں سے اچھی عمدہ چیزیں (ہماری راہ میں) خرچ کرو، اور ایسا نہ ہو کہ بالقصد اور سوچ سمجھ کر ردی اور خراب چیزیں اس میں سے (اس کی راہ میں) خرچ کرو، اور حال یہ ہے کہ (اگر تمہیں کوئی ایسی ردی چیز دے تو) نہیں ہو تم اس کے لینے والے، الا یہ کہ تم اس میں چشم پوشی سے کام لو۔

اور سورۂ آل عمران میں ارشاد ہوا ہے:

لَنۡ تَنَالُوا الۡبِرَّ حَتّٰی تُنۡفِقُوۡا مِمَّا تُحِبُّوۡنَ ۬ؕ وَ مَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ شَیۡءٍ فَاِنَّ اللّٰہَ بِهٖ عَلِیۡمٌ ﴿۹۲﴾

(آل عمران ۳: رکوع ۱۰)

ترجمہ: ہر گز تم نیکی کو نہیں پا سکتے جب تک تم (راہ خدا میں) اس میں سے خرچ نہ کرو

جو تم کو محبوب اور عزیز ہے اور تم جو چیز بھی (اچھی یا بری) خرچ کرو گے تو یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کو اس کا خوب علم ہے۔

اس سلسلے میں ایک خاص ہدایت یہ بھی دی گئی ہے کہ اللہ کی راہ میں اس کے بندوں پر جو کچھ خرچ کیا جائے اور ان کی جو بھی خدمت اور مدد کی جائے اس کی غایت اور اس کا مقصد بس رضائے الٰہی ہونا چاہیے۔

سورۂ بقرہ میں ۳۷رکوع کی وہ آیت اوپر نقل ہو چکی ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا ہے: وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ (اور نہیں خرچ کرتے ہو تم (اے اہل ایمان) مگر صرف رضائے الٰہی کی طلب میں)۔

اور سورۂ لیل میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا جو پرہیز گار بندہ اپنا مال (اس کے دوسرے بندوں پر) صرف اس کی رضا کے لیے خرچ کرتا ہے اور رضائے الٰہی کے سوا اس سے اس کا کوئی مقصد نہیں ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی رضا بھی حاصل ہو جائے گی اور دوزخ کے عذاب سے بھی وہ بالکل محفوظ رہے گا۔ ارشاد ہے:

وَ سَيُجَنَّبُهَا الْاَتْقَى۝ الَّذِيْ يُؤْتِيْ مَالَهٗ يَتَزَكّٰى۝ وَ مَا لِاَحَدٍ عِنْدَهٗ مِنْ نِّعْمَةٍ تُجْزٰٓى۝ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِ الْاَعْلٰى۝ وَلَسَوْفَ يَرْضٰى۝ (اللیل)

ترجمہ: اور اس آتش دوزخ سے وہ پرہیز گار بندہ دور رکھا جائے گا جو (اپنا مال اللہ تعالیٰ کے لیے اس کے دوسرے بندوں کو) اس لیے دیتا ہے کہ اس کے عمل کے ذریعے اس کو پاکیزگی حاصل ہو، اور یہ بات نہیں ہے کہ اس پر کسی کا احسان ہو جس کا بدلہ دیا جائے بلکہ اپنے بزرگ و برتر پروردگار کی رضا طلبی ہی کے لیے دیتا ہو۔ اور بلاشبہ اس کا پروردگار اس سے راضی ہو جائے گا۔

اس سلسلے میں ایک اہم ہدایت قرآن مجید میں یہ بھی دی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کے لیے جس بندہ کو کچھ دیا جائے یا اس کی کچھ خدمت اور مدد کی جائے تو اس پر اس کا احسان ہرگز نہ جتایا جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس سے وہ نیکی بالکل اکارت ہو جائے گی۔

سورۂ بقرہ ہی میں ارشاد ہوا ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَ الْاَذٰى۔ (البقرہ ۲: رکوع ۳۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور اذیت دے کر رائیگاں نہ کرو۔

یعنی اگر کسی نے کسی بندۂ خدا کو کچھ دیا اور اس کی کوئی خدمت اور مدد کی اور پھر کبھی اس پر احسان دھرا یا طعنہ کے طور پر تذکرہ کر کے اس بیچارے کا دل دکھایا تو گویا اپنی کی ہوئی نیکی کو بالکل ملیامیٹ کر دیا۔

ایثار

سماحت اور سخاوت ہی کی ایک اعلیٰ شکل یہ ہے کہ آدمی خود ضرورت مند ہوتے ہوئے اپنی چیزوں کو دوسروں پر صرف کرے اور دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم رکھے۔ خود بھوکا رہے اور دوسروں کو کھلائے، خود تکلیف اٹھائے اور دوسروں کو آرام پہنچائے۔

قرآن مجید میں انصار مدینہ کی تعریف میں فرمایا گیا ہے:

وَيُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ۔ (الحشر ۵۹: رکوع ۱۱)

ترجمہ: اور وہ مقدم رکھتے ہیں (ضرورت مند مہاجرین کو) خود اپنے پر، اگرچہ خود ان کو تکلیف اور تنگی ہو۔

اور ایک دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کے نیک اور مقبول جنتی بندوں کی تعریف میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَيُطْعِمُوْنَ الطَّعَامَ عَلٰى حُبِّهٖ مِسْكِيْنًا وَّيَتِيْمًا وَّاَسِيْرًا (الدھر ۷۶: رکوع ۲)

ترجمہ: اور اللہ کے یہ بندے کھانے کی چاہت اور رغبت کے باوجود کھلا دیتے ہیں وہ کھانا کسی مسکین یا یتیم یا کسی بے چارے قیدی کو۔

اس وصف پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کی یہ تعریف و تحسین بلاشبہ دوسرے بندوں کو اس کی بڑی موثر دعوت و ترغیب ہے کہ وہ اپنے میں یہ خلق پیدا کر کے اللہ کے مقبول بندے بنیں۔

بخل

سماحت اور سخاوت کی ضد یعنی اس نیکی کے مقابلے کی برائی کا نام بخل ہے، اس لیے

قرآن مجید نے جس طرح سماحت و سخاوت کی ترغیب و تعلیم دی ہے، اسی طرح بخل کی ممانعت اور اس کی سخت ترین مذمت فرمائی ہے۔ ایک دو آیتیں اس سلسلے کی بھی یہیں پڑھ لی جائیں۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَبْخَلُونَ بِمَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِن فَضْلِهِ هُوَ خَيْرًا لَّهُم بَلْ هُوَ شَرٌّ لَّهُمْ سَيُطَوَّقُونَ مَا بَخِلُوا بِهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (آل عمران ۳: رکوع ۱۸)

ترجمہ: اور جو لوگ بخل کرتے ہیں اس میں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل و کرم سے دیا ہے (یعنی جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی دولت و قوت وغیرہ دوسرے بندوں پر خرچ نہیں کرتے وہ) یہ خیال نہ کریں کہ یہ (طرز عمل) ان کے لیے کچھ اچھا اور نفع مند ہے (ہرگز ایسا نہیں ہے) بلکہ یہ ان کے لیے نہایت برا ہے جو دولت ازراہِ بخل وہ بچا بچا کر رکھ رہے ہیں، یقیناً وہ (قیامت کے دن) ان کے گلے کا طوق بنے گی۔

یہی بات سورۂ توبہ میں اور زیادہ واضح اور مؤثر الفاظ میں اسی طرح فرمائی گئی ہے۔

وَالَّذِينَ يَكْنِزُونَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنفِقُونَهَا فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَبَشِّرْهُم بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ۝ يَوْمَ يُحْمَىٰ عَلَيْهَا فِي نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوَىٰ بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوبُهُمْ وَظُهُورُهُمْ هَٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِأَنفُسِكُمْ فَذُوقُوا مَا كُنتُمْ تَكْنِزُونَ ۝ (التوبہ ۹: رکوع ۵)

ترجمہ: اور جو لوگ اپنی دولت، سونا چاندی (وغیرہ) کو بطور ذخیرہ کے جمع کرتے اور جوڑتے رہتے ہیں، اور اس کو اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے، پس اے پیغمبر! آپ ان (پرستارانِ دولت) کو دوزخ کے دردناک عذاب کی خوشخبری سناء دیجئے (یہ دردناک عذاب انہیں اس دن ہوگا) جس دن کہ ان کی جمع کردہ دولت کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا۔ پھر اس سے ان کے ماتھے، ان کے پہلو اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی (اور ان سے کہا جائے گا) یہ ہے (تمہاری وہ دولت) جس کو تم نے اپنے لیے جوڑا اور ذخیرہ کیا تھا، پس مزہ چکھو تم اپنی اس دولت اندوزی کا۔

بخل و کنجوسی کی مذمت اور بد انجامی کے بیان میں اگر قرآن مجید میں صرف یہی ایک آیت ہوتی تو کافی تھی، اس اخلاقی اور روحانی لعنت سے انسانوں کو بچانے کے لیے اس سے زیادہ اور

کیا کہا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمارے قلوب کو ان حقائق کا اذعان و یقین نصیب فرمائے۔

استغناء و قناعت

سماحت و سخاوت کی طرح استغناء و قناعت بھی انسان کے اعلیٰ شریفانہ اخلاق میں سے ہے، بلکہ کہنا چاہیے کہ یہ دونوں نفس انسانی کی ایک ہی پاکیزہ صفت کے دو رخ ہیں۔

استغناء و قناعت کا مطلب یہ ہے کہ انسان کو جو کچھ اپنے جائز ذرائع اور اپنی محنت کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملے وہ اسی کو اپنا حق و حصہ اور اپنے لیے کافی سمجھے اور دوسروں کی چیز پر للچائی ہوئی نگاہیں نہ ڈالے اور نہ مخلوق میں سے کسی کے سامنے احتیاج و طلب کا ہاتھ پھیلائے۔

قرآن مجید کی ہدایت ہے کہ ہر انسان اللہ تعالیٰ کا بندہ ہے اور اللہ تعالیٰ ہی اس کا رحیم و کریم رب ہے، لہٰذا اس کو چاہیے کہ اپنی حاجتوں کے لیے اس سوا کسی کے سامنے اپنا ہاتھ نہ پھیلائے۔ اللہ تعالیٰ کے خزانے میں سب کچھ ہے اور اس کی رحمت بندوں کے لیے کافی ہے۔

اس مضمون کی متعدد آیتیں توحید کے بیان میں ذکر کی جا چکی ہیں، ایک آیت یہاں اور بھی پڑھ لیجئے۔ ارشاد ہے: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ (الزمر ۳۹: رکوع ۴) (کیا للہ تعالیٰ اپنے بندے کے لیے کافی نہیں؟ (پھر کیوں کسی دوسرے کے سامنے ہاتھ پھیلا ...)۔

اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو جو کچھ اس دنیا میں دے رکھا ہے اس کی حرص نہ کرے اور اس کی طرف طمع کی نگاہ سے نہ دیکھنے کا براہ راست حکم دیتے ہوئے ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

لَا تَمُدَّنَّ عَيْنَيْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ۔ (طٰہٰ ۲۰: رکوع ۸)

ترجمہ: اور ہرگز آنکھ اٹھا کے نہ دیکھو ان سامانوں کی طرف جن سے ہم نے ان میں کے مختلف لوگوں کو متمتع کر رکھا ہے۔

ایک دوسری جگہ ہدایت فرمائی ہے:

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔ (النساء ۴: رکوع ۵)

ترجمہ: اور مت تمنّا اور ہوس کرو اس چیز کی جس میں اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بڑائی اور فوقیت دی ہے۔

مطلب یہی ہے کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے اس دنیا میں کسی کو دی اور تمہیں نہیں دی، تو تم اس کی

ہوس مت کرو بلکہ اس کی طرف آنکھ اٹھا کے بھی نہ دیکھو، بس اسی کا نام قناعت ہے۔

توکل

استغنا اور قناعت کی جڑ بنیاد توکل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے جس بندے کو توکل یعنی اللہ تعالیٰ کی رحمت و ربوبیت پر اعتماد اور بھروسہ نصیب ہو اور اس کا دل اس پر مطمئن ہو کہ اللہ تعالیٰ میری ہر ضرورت کے لیے کافی ہے اور وہ میرا رحیم و کریم پروردگار اور کارساز ہے۔ اس میں استغناء و قناعت کی صفت کا بدرجہ کمال ہونا بالکل قدرتی بات ہے۔ علاوہ ازیں توکل بذات خود اور بجائے خود اعلیٰ ترین ایمانی صفت ہے، جس بندے کو توکل نصیب ہو وہ اللہ تعالیٰ کو اور اس کی قدرت، اس کے سارے خزانوں اور لشکروں کو ہر وقت اپنے ساتھ سمجھتا اور دیکھتا ہے، اس لیے قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو توکل کی صفت اپنے اندر پیدا کرنے کی خاص طور سے تلقین اور تاکید کرتا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہے:

اِنْ یَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ وَ اِنْ یَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِیْ یَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ (آل عمران ۳: رکوع ۱۷)

ترجمہ: اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے تو کوئی تم پر غالب نہیں آسکتا اور اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد سے ہاتھ اٹھالے تو اس کے بعد کون تمہاری مدد کر سکتا ہے، اور ایمان والوں کو اللہ ہی پر توکل اور بھروسہ کرنا چاہیے۔

ایک دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ وَ عَلَى اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝ (تغابن ۶۴: رکوع ۱)

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں (صرف وہی مالک و معبود ہے) اور ایمان والوں کو بس اللہ ہی پر توکل کرنا چاہیے۔

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے: وَ تَوَكَّلْ عَلَى الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ (الفرقان ۲۵: رکوع ۵) (اور تم بھروسہ کرو اس زندۂ جاوید ہستی پر جس کو فناء اور موت نہیں (اور اس کے سوا سب فانی ہیں)۔

ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

وَ مَنْ یَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ۔ (طلاق ۶۵: رکوع ۱)

ترجمہ: اور جو بندہ توکل کرے اللہ تعالیٰ پر، تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے بالکل کافی ہے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ اپنا کام پورا کرنے والا ہے۔

تواضع

قرآن مجید نے جن اخلاق پر خاص طور سے زور دیا ہے ان میں سے ایک تواضع بھی ہے۔ تواضع تکبّر کی ضد ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی دوسروں سے اپنے کو کمتر سمجھے، اس کی روش اللہ تعالیٰ کے عاجز بندوں کی سی ہو اور دوسروں کے ساتھ معاملت و برتاؤ نیچا بن کے کرے۔

تواضع کا ظہور رفتار میں بھی ہوتا ہے، گفتار میں بھی اور کردار میں بھی، حتےٰ کے نشت و برخاست میں بھی۔

سورۂ فرقان میں جہاں اللہ پاک کے خاص مقبول بندوں کے اوصاف و اطوار بیان فرمائے گئے ہیں، وہاں ایک صفت ان کی یہ بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ وہ فروتنی کی چال چلتے ہیں۔ ارشاد ہے:

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا۔ (الفرقان ۲۵: ٦)

ترجمہ: اور رب رحمن کے (خاص) بندے تو وہ ہیں جو چلتے ہیں زمین پر نیچے بن کر۔

اور سورۂ بنی اسرائیل میں جہاں اخلاص توحید اور اعمال و اخلاق وغیرہ کے متعلق قریباً دو رکوع میں واضح ہدایات دی گئی ہیں، وہاں آخری ہدایت یہ دی گئی ہے:

وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝

(بنی اسرائیل ۱۷: رکوع ۴)

ترجمہ: اور زمین پر اکڑتے اور اینٹھتے نہ چلو نہ تو تم زمین کو پھاڑ سکتے ہو، نہ پہاڑوں کی لمبائی کو پہنچ سکتے ہو۔

اور سورۂ لقمان میں حضرت لقمان کی زبان سے تواضع کے بارے میں یہ جامع نصیحت نقل فرمائی گئی ہے۔

انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تُصَعِّرْ خَدَّكَ لِلنَّاسِ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ كُلَّ مُخْتَالٍ

فَخُوْرٍ ۝ وَ اقْصِدْ فِيْ مَشْيِكَ وَ اغْضُضْ مِنْ صَوْتِكَ اِنَّ اَنْكَرَ الْاَصْوَاتِ لَصَوْتُ الْحَمِيْرِ ۝ (لقمان ۳۱: رکوع ۲)

ترجمہ: اور اپنے گال نہ پھلا لوگوں کے لیے (یعنی ان کے ساتھ غرور کے ساتھ پیش نہ آ) اور زمین پر اتراتا ہوا اور اکڑ کے نہ چل، اللہ تعالیٰ کسی متکبر اور مغرور کو پسند نہیں کرتا اور اپنی رفتار میں اعتدال پیدا کر اور اپنی آواز نیچی رکھ (یعنی متکبروں کی طرح گرج کر نہ بولا کر) آوازوں میں سب سے بری گدھوں کی آواز ہے۔

بلاشبہ ان آیتوں میں تواضع کا نہایت ہی جامع اور بڑا ہی موثر درس ہے "فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ" قرآن مجید میں تواضع کی تاکید رسول اللہ ﷺ کی ذات خاص کو مخاطب بنا کر بھی کی گئی ہے تاکہ سمجھ لیا جائے کہ دنیا میں کسی کو خواہ کتنی ہی بڑائی اور عظمت حاصل ہو، اس کے لیے ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ تواضع اور فروتنی سے پیش آئے اور ان کے سامنے اپنی بڑائی کا مظاہرہ نہ کرے۔ دنیا میں فضیلت و عظمت کا سب سے بلند مقام رسول اللہ ﷺ کو حاصل ہے، تاہم قرآن مجید میں آپ ﷺ کی ذات پاک کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِلْمُؤْمِنِيْنَ۔ (الحجر ۱۵: رکوع ۶)

ترجمہ: اور اپنے بازو نیچے کرو، ایمان والے بندوں کے لیے (یعنی ان کے ساتھ تواضع کا برتاؤ کرو۔

دوسری جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ (الشعراء ۲۶: رکوع ۱)

ترجمہ: اور جھکا دو اپنے بازو ان اہل ایمان کے لیے جنہوں نے آپ ﷺ کی پیروی اختیار کی ہے۔

ان دونوں آیتوں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تواضع اور فروتنی ان ہی بندوں کا حق ہے جو صاحب ایمان ہوں۔ ان کے علاوہ جو لوگ ایمان سے محروم اور کفر و شرک کی گندگیوں میں مبتلا ہیں، اگر وہ ہمارے خلاف برسرپیکار اور درپے آزار نہیں ہیں تو ان کے ساتھ رواداری اور حُسنِ اخلاق اور حسب موقع احسان و ترحم کا معاملہ تو کیا جائے گا۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اس کا حکم دیا گیا ہے

لیکن کفر شرک کی وجہ سے وہ نواں سے کے مستحق نہیں ہیں، ان کے ساتھ تواضع سے پیش آنا غیرت ایمانی کے خلاف ہے، اس لیے قرآن مجید میں تواضع کا حکم صرف اہل ایمان کے لیے دیا گیا ہے۔

تکبّر اور غرور

جیسا کہ اوپر عرض کیا گیا تواضع کی ضد تکبّر اور غرور ہے، اس لیے تواضع اللہ تعالیٰ کو جس قدر محبوب ہے، غرور اور تکبّر اسی قدر مبغوض ہے۔ قرآن مجید میں جابجا تکبّر اور متکبرین کی مبغوضیت کا اظہار فرمایا گیا ہے۔ ایک جگہ ارشاد ہوا ہے:

لَا جَرَمَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْتَكْبِرِيْنَ ۝

(النحل ١٦: رکوع ٣)

ترجمہ: ضروری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سب کے ظاہر وباطن کو جانتا ہے، یقینی ہے کہ وہ تکبّر کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔

دوسری جگہ ارشاد ہے: اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا (النساء ٤: رکوع ٦) (یقیناً اللہ تعالیٰ ایسے آدمی کو پسند نہیں کرتا ہے جو متکبر و مغرور اور اپنی بڑائی ظاہر کرنے والا ہو)۔

ایک اور جگہ فرمایا گیا ہے کہ جنّت ان ہی بندوں کا گھر بنے گی جو دنیا میں بلند و بالا ہونے کے خواہش مند نہ ہوں اور ان کا مزاج تکبّر پسند نہ ہو۔ ارشاد ہے:

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا۔

(سورۂ قصص ٢٨: ١

ترجمہ: رہنے کا وہ آخری گھر (یعنی جنّت) ہم اس کو کر دیں گے، ان بندوں کے لیے جو نہیں چاہتے دنیا میں اونچا بننا اور فساد کرنا۔

اس آیت کے اشارہ سے معلوم ہوا اور تجربہ بھی بتلاتا ہے کہ دنیا کے سارے فساد، بڑائی اور بالاتری کی خواہش ہی سے پیدا ہوتے ہیں، اس لیے تکبّر ہی سارے فساد کی جڑ بنیاد ہے۔

تکبّر کی ایک بڑی نحوست یہ بھی ہے کہ وہ حق و ہدایت کے قبول کرنے سے بھی مانع ہو جاتا ہے، قرآن مجید میں کتنے ہی پیغمبروں کے تذکرہ میں بتایا گیا ہے کہ ان کی قوموں کے متکبرین نے صرف غرور و تکبّر ہی کہ وجہ سے ان پر ایمان لانے اور ان کا اتباع کرنے سے انکار

کیا۔

سورۂ نحل میں فرعون اور اس کی قوم کے بارے میں تو صراحت سے یہاں تک فرمایا گیا ہے کہ موسیٰؑ ان کے پاس اللہ تعالیٰ کی جو نشانیاں لے کر آئے انہیں دیکھ کر ان کے دلوں کو اگرچہ اس کا پورا یقین ہو گیا کہ یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اور ان کے لانے والے موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ لیکن اپنی متکبرانہ ذہنیت کی وجہ سے انہوں نے زبان سے پھر بھی انکار کیا اور کفر ہی پر قائم رہے اور انجام کار عذاب الٰہی کا شکار ہوئے:

وَ جَحَدُوْا بِهَا وَ اسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّ عُلُوًّا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِيْنَ۝ (النحل ١٦: رکوع ١)

ترجمہ: اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کی ان نشانیوں کا انکار کیا، حالانکہ ان کے دلوں نے ان کا یقین کر لیا تھا (اس دلی یقین کے بعد بھی انہوں نے انکار) صرف ظلم اور غرور تکبّر کی بناء پر کیا، پھر دیکھو کیسا انجام ہوا ان مفسدین کا۔

اور سورۂ الصّفٰت میں جہنمیوں کے ایک طبقے کا حال بیان کرتے ہوئے ان کی بدبختی کا خاص سبب یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

اِنَّهُمْ كَانُوْٓا اِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ يَسْتَكْبِرُوْنَ۝ وَ يَقُوْلُوْنَ اَئِنَّا لَتَارِكُوْٓا اٰلِهَتِنَا لِشَاعِرٍ مَّجْنُوْنٍ۝ (الصفت ٣٧: رکوع ٢)

ترجمہ: ان لوگوں کا وطیرہ یہ تھا کہ جب ان کو توحید کا پیغام دیا جاتا اور صرف اللہ کی پرستش کو کہا جاتا تو وہ ازراہ تکبّر ناک بھوں چڑھاتے تھے اور کہتے تھے کہ کیا ہم ایک دیوانے شاعر کے کہنے سے اپنے دیوتاؤں کو چھوڑنے والے ہیں۔

اور شیطان کی مردودیت کا بنیادی سبب بھی قرآن مجید نے اس غرور تکبّر ہی کو بتایا ہے۔

قرآن پاک کا بیان ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اس کو آدمؑ کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو اس نے اس حکم کی تعمیل نہیں کی، اللہ تعالیٰ نے اس سے پوچھا کہ: مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ (کس چیز نے تجھے سجدہ کرنے سے روکا؟ جبکہ میں نے تجھے حکم دیا تھا)۔

اس نے کہا: اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ (میں اس سے بہتر ہوں اور وہ مجھ سے گھٹیا ہے۔ (پھر میں اس کو کیوں سجدہ کروں)۔

بہر حال شیطان کو اس کے غرور تکبّر ہی نے اس سرکشی اور بغاوت پر آمادہ کیا۔

اَبٰی وَ اسۡتَکۡبَرَ وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ۔ (البقرہ۲: رکوع۴)

ترجمہ: اس نے حکم ماننے سے انکار کیا اور تکبّر کا رویہ اختیار کیا اور ہو گیا کافروں میں سے۔

تکبّر عزازیل را خوار کرد بزندانِ لعنت گرفتار کرد

حلم اور در گزر

حِلم اور در گزر کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایذا رسانی اور اشتعال انگیزی کو فراخ حوصلگی اور عالی ظرفی سے برداشت کر لیا جائے اور انتقام لینے اور سزا دینے کی پوری قدرت رکھنے کے باوجود اس غلط کار اور قصور وار شخص سے کوئی تعرض نہ کیا جائے اور اس کی جہالت اور ناسمجھی کو لائق نظر اندازی سمجھ کر اس کو معاف کر دیا جائے، بلاشبہ اخلاق میں اس کا بڑا بلند مقام ہے۔ اور قرآن مجید نے اس کی بڑی ترغیب دی ہے:

سورۂ آل عمران میں ایک جگہ اللہ تعالیٰ کی مغفرت اور جنّت اور اس کی خاص محبت کے حق دار بندوں کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَ الضَّرَّآءِ وَ الۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَ الۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ وَ اللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۳۴﴾ (آل عمران۳: رکوع۱۴)

ترجمہ: وہ بندے جو راہ خدا میں خرچ کرتے ہیں خوشحالی میں بھی اور تنگی میں بھی، اور جو پی جانے والے ہیں غصہ کو اور معاف کر دینے والے ہیں لوگوں کے قصور، اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکوکار بندوں سے محبّت کرتا ہے۔

اور سورۂ شوریٰ میں ہر ظلم و زیادتی کا مناسب بدلہ لینے کا قانونی جواز بیان فرمانے کے بعد برداشت کر لینے اور معاف کر دینے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَ لَمَنۡ صَبَرَ وَ غَفَرَ اِنَّ ذٰلِکَ لَمِنۡ عَزۡمِ الۡاُمُوۡرِ ﴿۴۳﴾ (شوریٰ۴۲: رکوع۴)

ترجمہ: اور جو بندے برداشت کر لیں اور معاف کر دیں تو یہ بڑی عزیمت اور بلند ہمتی کی بات ہے۔

اور اسی سورۃ کے اسی رکوع میں چند آیتیں پہلے، آخرت میں اللہ تعالیٰ کے خاص انعامات سے سرفراز ہونے والے اہل ایمان کے اوصاف بیان کرتے ہوئے ان کا ایک خاص وصف یہ بھی بیان کیا گیا ہے:

وَإِذَا مَا غَضِبُوا هُمْ يَغْفِرُونَ۔ (شوریٰ ۴۲: رکوع ۴)

ترجمہ: اور جب کسی شرارت اور بد تمیزی پر) ان کو غصہ آتا ہے، تو وہ (انتقام نہیں لیتے بلکہ) معاف کر دیتے ہیں۔

اور سورۂ نور میں اپنے قصور واروں کو معاف کر دینے کی ترغیب کس قدر مؤثر انداز اور کیسے دلنشین پیرایہ میں دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

وَلْيَعْفُوا وَلْيَصْفَحُوا أَلَا تُحِبُّونَ أَنْ يَغْفِرَ اللَّهُ لَكُمْ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔

(سورہ النور ۲۴: رکوع ٦)

ترجمہ: اور ایمان والوں کو چاہیے کہ (جس سے ان کے حق میں کوئی زیادتی اور قصور ہو جائے اس کو) وہ معاف اور نظر انداز کر دیا کریں۔ کیا تم یہ نہیں چاہتے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں معاف کر دے، اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور بہت مہربان ہے۔

مطلب یہ ہوا کہ جو بندہ یہ چاہے اور اس کی تمنّا و آرزو رکھے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ مہربانی اور بخشش کا معاملہ کریں اسے چاہیے کہ وہ اپنے قصورواروں کے ساتھ مہربانی کا معاملہ کرے اور ان کو معاف کر دیا کرے۔ اگر وہ ایسا کرے گا تو اللہ تعالیٰ بھی اس کے ساتھ بخشش اور رحمت کا معاملہ فرمائے گا اور اللہ تعالیٰ کی یہ بخشش و رحمت اس کی عالی شان کے مطابق ہو گی۔

پھر ترغیب کا ایک دوسرا پہلو اس آیت میں یہ بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ جس طرز عمل کا ہم کو حکم دے رہا ہے وہ فرماتا ہے کہ خود میرا بھی وہی طرز عمل ہے، میں اپنے گناہگار بندوں کو بخشنے والا اور ان پر رحم کرنے والا ہوں، تم بھی اپنے قصوروار بھائیوں کے قصور معاف کر دیا کرو۔ اور اس طرح میرا صفاتی قرب حاصل کر کے میرے رنگ میں رنگ جاؤ۔

قرآن پر اور قرآن نازل فرمانے والے رب رحیم پر ایمان رکھنے والا کون بندہ ہو گا جو اس پیام رحمت سے متاثر نہ ہو۔

وَإِنْ تَعْفُوا وَتَصْفَحُوا وَتَغْفِرُوا فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ۔ (تغابن ۶۴: رکوع ۲)

ترجمہ: اور اگر تم در گزر کیا کرو اور نظر انداز کر دیا کرو اور معافی دے دیا کرو، تو اللہ تعالیٰ بھی بہت بخشنے والا اور مہربان ہے۔

یہاں تک جو آیتیں درج ہوئی ہیں وہ خطابِ عام کی قبیل سے تھیں، اب ایک آیت سورۂ اعراف کے آخری رکوع کی پڑھیے جس میں خاص طور سے رسول اللہ ﷺ کو مخاطب کر کے فرمایا گیا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِیْنَ۝ (الاعراف ۷: رکوع ۲۴)

ترجمہ: لوگوں کی بیہودہ باتوں اور جاہلانہ حرکتوں سے) آپ ﷺ در گزر کرنے اور معاف کر دینے کا شیوہ اختیار کیجئے اور نیک کاموں کے لیے کہتے رہیے اور ان جاہلوں، ناسمجھوں (کی جاہلانہ باتوں) کا کچھ خیال نہ کیجئے اور کوئی اثر نہ لیجئے۔

اور سورۂ قصص میں اللہ تعالیٰ کے خاص فضل و انعام کے مستحق اہل ایمان کے اوصاف و اخلاق کا بیان کرتے ہوئے ان کی ایک خاص صفت یہ بیان فرمائی گئی ہے:

وَاِذَا سَمِعُوا اللَّغْوَ اَعْرَضُوْا عَنْهُ وَقَالُوْا لَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ لَا نَبْتَغِي الْجٰهِلِيْنَ۝ (القصص ۲۸: ۶)

ترجمہ: اور جب وہ سنتے ہیں (جاہلوں، اوباشوں سے) کوئی بے ہودہ بات تو اس کو نظر انداز کر دیتے ہیں، کہ بھائی! ہمیں اپنے کئے کا بدلہ ملے گا اور تم کو تمہارے کئے کا بس ہمارا سلام لو، ہم جاہلوں سے الجھنا نہیں چاہتے۔

اسی طرح سورۂ فرقان میں بھی اللہ تعالیٰ کے خاص مقبول بندوں کی یہ صفت بیان کی گئی ہے:

وَاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ (الفرقان ۲۵: ۶)

ترجمہ: اور جب جاہل لوگ ان سے جہالت کی باتیں کرتے ہیں تو وہ (ان سے الجھتے نہیں بلکہ) کہتے ہیں بس بھائی! ہمارا سلام۔

اگر قرآن مجید کی اس تعلیم و تلقین پر عمل کیا جائے تو دنیا کے کتنے جھگڑے فساد ختم ہو جائیں اور باغِ عالم میں امن و سکون اور الفت و محبت کی کیسی بہار آ جائے۔

ہاں ایک بات یہاں قابل لحاظ ہے اور وہ یہ کہ حلم و درگزر کی اس قرآنی تعلیم کا تعلق ذاتی اور

نجی معاملات و حقوق سے ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص میری ذات کو دکھ پہنچاتا ہے اور میرا ہی قصور وار ہے، تو میرے لیے بہتر یہی ہے کہ میں اس کو معاف کر دوں۔ قرآن مجید کی تعلیم و ترغیب میرے لیے یہی ہے۔ لیکن اگر کوئی فرد یا گروہ دنیا میں فساد برپا کرتا یا گمراہی پھیلاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدوں کو توڑتا ہے اور اس طرح فضا کو خراب کرتا ہے تو وہ ہرگز اس حلم اور درگزر کا مستحق نہیں ہے اور اس کے ساتھ نرمی اور درگزر کا برتاؤ کرنے میں اللہ تعالیٰ کی مخلوق کی اور اللہ تعالیٰ کے مقرر کئے ہوئے قانون کی حق تلفی ہوگی، اس لیے اس کے شر و فساد کے انسداد کے لیے مناسب کارروائی کرنی ضروری ہوگی۔ قرآن عزیز میں جہاں جہاں مختلف قسم کے مجرموں اور بدکاروں کے حق میں سختی اور شدت کے برتنے کا حکم دیا گیا ہے وہ ایسے ہی مواقع کے لیے ہے، اس فرق کو ہمیشہ ملحوظ رکھنا چاہیے۔

جرأت و شجاعت

قرآن کریم جس طرح تواضع و خاکساری اور درگزر بردباری کی تعلیم دیتا ہے، اسی طرح وہ اپنے موقع پر بہادری اور جانبازی اور جرأت و اظہار قوت کی بھی تلقین کرتا ہے۔ مثلاً اگر حق و باطل کا معرکہ ہو تو قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ فولادی انسانوں کی طرح پوری بہادری اور ثابت قدمی کے ساتھ جنگ کریں۔

ایک موقع پر ارشاد ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِيْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا۔ (الانفال ۸: رکوع ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! جب تمہارا مقابلہ (دشمن کی) کسی فوج سے ہو تو تم ثابت قدم رہو۔

ایک دوسرے موقع پر ارشاد فرمایا گیا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝

(سورۃ الصف ۶۱: رکوع ۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ اپنے ان بندوں سے محبت کرتا ہے جو اس کی راہ میں صف بستہ ہو کر اور ایسے جم کر جنگ کرتے ہیں کہ گویا وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں۔

ایک موقع پر رسول اللہ ﷺ کے اصحاب کرامؓ کی اس ایمانی قوت اور شجاعت کا ذکر خاص

پیار اور تحسین کے انداز میں کیا گیا ہے کہ جب ان کو مرعوب اور دہشت زدہ کرنے کے لیے یہ خبریں پہنچائی گئیں کہ تمہارے دشمنوں نے تمہیں ختم کرنے کے لیے بڑی تیاریاں کی ہیں، اور بہت سامان جنگ جمع کیا ہے تو وہ بالکل مرعوب نہیں ہوئے بلکہ اس سے ان کی ایمانی قوت میں اور ترقی ہوئی اور انہوں نے کہا کہ ہمیں ہما اللہ کافی ہے، ہم سب دیکھ لیں گے۔

سورۂ آل عمران میں ارشاد ہے:

اَلَّذِیۡنَ قَالَ لَہُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدۡ جَمَعُوۡا لَکُمۡ فَاخۡشَوۡہُمۡ فَزَادَہُمۡ اِیۡمَانًا ٭ۖ وَّ قَالُوۡا حَسۡبُنَا اللّٰہُ وَ نِعۡمَ الۡوَکِیۡلُ ﴿﴾ (آل عمران ۳: رکوع ۱۸)

ترجمہ: ہمارے وہ صاحب ایمان بندے جن سے لوگوں نے کہا (تمہارے مٹانے کے لئے) سارے لوگ جمع ہوئے ہیں اور انہوں نے بڑا سامان جمع کیا ہے، تم کو ان سے ڈرنا چاہیے، تو اس بات نے ان کی ایمانی کیفیت میں اور اضافہ کیا اور انہوں نے کہا ہمیں اللہ تعالیٰ کافی ہے اور وہ اچھا کارساز ہے۔ اسی طرح غزوۂ احزاب میں دشمنوں کی ٹڈی دل فوجوں کو دیکھنے کے بعد اہل ایمان نے جس ایمانی جرأت و ہمت اور شجاعت کا ثبوت دیا تھا، اس کا ذکر بھی قرآن پاک میں بڑی تحسین کے انداز میں ہوا ہے۔ ارشاد ہوا ہے:

وَ لَمَّا رَاَ الۡمُؤۡمِنُوۡنَ الۡاَحۡزَابَ ۙ قَالُوۡا ہٰذَا مَا وَعَدَنَا اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ وَ صَدَقَ اللّٰہُ وَ رَسُوۡلُہٗ ۫ وَ مَا زَادَہُمۡ اِلَّاۤ اِیۡمَانًا وَّ تَسۡلِیۡمًا ﴿﴾ (الاحزاب ۳۳: رکوع ۳)

ترجمہ: اور جب دیکھا ایمان والوں نے دشمن کی فوجوں کو، تو ان کی زبان سے نکلا، یہ تو وہی ہے جس کی ہم کو اللہ و رسولؐ نے پہلے سے خبر دے دی تھی، اور بیشک سچ فرمایا تھا اللہ و رسول ﷺ نے، اور اس سے ان کے ایمان و یقین میں اور ان کی اطاعت کی صفت میں اور ترقی ہوئی۔

اس سلسلے میں ایک بات یہ بھی سمجھنے کی ہے کہ موت کا خوف یا کسی تکلیف یا نقصان کا اندیشہ ہی وہ چیز ہے جو جرأت و شجاعت کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے اور آدمی کو بزدل بنا دیتی ہے۔

قرآن مجید نے بزدلی کی اس جڑ ہی کو کاٹ دیا، جا بجا فرمایا گیا ہے کہ موت کا وقت مقرر ہے

اگر وہ وقت آگیا ہے تو کوئی بچا نہیں سکتا اور اگر وہ وقت ابھی نہیں آیا ہے تو کوئی مار نہیں سکتا۔

اسی طرح جابجا فرمایا گیا ہے کہ کسی تکلیف یا نقصان کا پہنچنا اللہ تعالیٰ کی مشیئت اور اراداہ پر موقوف ہے، جب تک اس کا ارادہ اور حکم نہ ہو ہمیں کوئی گزند اور نقصان کسی طرف سے نہیں پہنچ سکتا اور جب اس کا حکم ہو تو کوئی تکلیف اور نقصان سے بچا نہیں سکتا۔ دو تین آیتیں اس سلسلے میں بھی پڑھ لیجئے۔ سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا۔ (آل عمران ۳: رکوع ۱۵)

ترجمہ: اور کسی کو موت نہیں آسکتی بغیر حکم خدا کے، لکھا جاچکا ہے معین وقت (موت کا)۔

ایک دوسرے موقع پر ارشاد ہے: اِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ فَلَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّ لَا يَسْتَقْدِمُوْنَ (یونس ۱۰: رکوع ۵) (جب آوے گا وقت ان کی موت کا تو نہ ایک گھڑی پیچھے رہ سکیں گے اور نہ آگے جاسکیں گے (ٹھیک مقرر وقت پر اٹھا لیے جائیں گے)۔

اسی طرح ایک جگہ فرمایا گیا ہے: مَآ اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (تغابن ۶۴: رکوع ۲) (کوئی مُصیبت نہیں آسکتی بدوں حکم خدا کے)۔

اور سورۂ توبہ میں ارشاد ہے:

قُلْ لَّنْ يُّصِيْبَنَآ اِلَّا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَنَا هُوَ مَوْلٰنَا وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ۝

(توبہ ۹: رکوع ۷)

ترجمہ: اے رسول! آپ ﷺ فرما دیجئے کہ ہمیں ہرگز کوئی مُصیبت نہیں پہنچ سکتی سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے مقدر کر دیا ہے، وہ ہمارا مالک ہے اور ایمان والوں کو سب کام اسی اللہ کے سپرد کر دینے چاہئیں۔

غور کیا جائے جس دل میں یہ تعلیم اتر جائے پھر اس میں بزدلی کے لیے کہاں گنجائش رہ سکتی ہے؟ اور جرأت و شجاعت کی راہ میں اس کے لیے کیا رکاوٹ ہو سکتی ہے؟

وقار و خودداری

جرأت شجاعت سے قریبی مناسبت رکھنے والی ایک اخلاقی صفت یہ بھی ہے جسے ہم اپنی زبان میں وقار اور خودداری کہتے ہیں۔ قرآن مجید اپنے ماننے والوں کو اس کی بھی ہدایت کرتا ہے کہ

وہ باوقار اور خودار ہو کر رہیں، ایسا رویہ اختیار نہ کریں کہ لوگوں کی نظروں میں ذلیل و خوار ہوں، حتیٰ کہ اگر کسی وقت ناداری اور حالات کی ناسازگاری سے نوبت فقرہ فاقہ کی بھی آجائے تو بھی اپنے اس حال کو جہاں تک ہوسکے دوسروں پر ظاہر نہ ہونے دیں۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سورہ بقرہ میں ایک جگہ فرمایا گیا ہے:

يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ أَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيمٰهُمْ۔ (البقرہ ۲: رکوع ۳۷)

ترجمہ: ناواقف آدمی ان کے بے سوالی کی وجہ سے ان کو آسودہ حال سمجھے گا، تم پہچان سکتے ہو ان کو ان کے چہرہ کی خاص کیفیت سے۔

اور سورۂ فرقان میں جہاں اللہ تعالیٰ کے خاص مقبول بندوں کے امتیازی اخلاق و اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے، وہاں ان کا ایک وصف یہ بھی بیان فرمایا گیا ہے:

وَإِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا كِرَامًا۔ (الفرقان ۲۵: رکوع ۶)

ترجمہ: اور جب ان کا گزر ہوتا ہے لوگوں کے بے ہودہ باتوں پر تو وہ باوقار شریفوں کی طرح گزر جاتے ہیں۔

حیا اور عفت

شرم و حیاء و عفت و پاکدامنی بھی ان اخلاق میں سے ہے جن پر قرآن مجید نے خاص طور سے زور دیا ہے، اور اس کی ضد بے حیائی اور اخلاقی آلودگی سے (جس کے لیے جامع الفاظ قرآن مجید میں فاحشہ اور فحشاء کا استعمال کیا گیا ہے) بچنے کی سخت تاکید فرمائی ہے، بلکہ منہیات و محرمات کے بیان میں کئی جگہ پہلے نمبر پر اسی کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً سورۂ نحل کی اس آیت میں جو مختصر ہونے کے باوجود قرآن مجید کا ایک جامع ہدایت نامہ ہے (اور اسی وجہ سے جمعہ وغیرہ کے خطبوں کے آخر میں عاطور سے اس کو پڑھا جاتا ہے)۔

ارشاد فرمایا گیا ہے کہ:

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو عدل و انصاف اور احسان وغیرہ مکارم اخلاق کا حکم دیتا ہے۔ اور وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔
(سورۂ النحل ۱۶: رکوع ۱۳)

ترجمہ: منع فرماتا ہے بے حیائی سے اور عام برائی سے اور ظلم و زیادتی کرنے سے اللہ

تعالیٰ تم کو یہ نصیحت کرتا ہے تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

اسی طرح سورۂ اعراف میں جہاں بنیادی محرمات کا ذکر فرمایا گیا ہے وہاں بھی سب سے پہلے نمبر پر فواحش ہی کا نام لیا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

(الاعراف ۷: رکوع ۴)

ترجمہ: اے رسول ﷺ! آپ لوگوں کو فرمایئے کہ میرے رب نے حرام کر دیا ہے سب بے حیائی کی باتوں کو، جو ان میں سے علانیہ ہوں اور جو چھپی ہوں (یعنی بے حیائی کی یہ باتیں علانیہ کرنا بھی حرام ہیں اور پردہ میں بھی) اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے گناہ کو اور ناحق ظلم و زیادتی کو، اور اس بات کو کہ تم شریک کرو اس کے ساتھ کسی بھی ہستی کو جس کی اللہ نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور یہ کہ تم اللہ تعالیٰ کے متعلق وہ بات کہو جس کا تمہیں (کسی صحیح ذریعے سے) علم نہ ہو۔

ان دونوں آیتوں میں اور ان کے علاوہ بھی جن آیتوں میں بے حیائی کی باتوں (فحشاء یا فاحشہ یا فواحش) کی ممانعت فرمائی گئی ہے، تو یہ ممانعت دراصل نہی کی شکل میں حیاء اور عفت کا امر د حکم ہے۔

اس کے علاوہ قرآن مجید نے ان باتوں سے بھی منع فرمایا ہے جو بذات خود اگرچہ بے حیائی کی باتیں نہیں ہیں لیکن ان سے بے حیائی اور اخلاقی آلودگی کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ اسی بنا پر حکم دیا گیا ہے کہ نامحرم مردوں اور عورتوں کا جب سامنا ہو جائے تو دونوں نگاہیں نیچی کر لیا کریں۔ ایک دوسرے کی طرف نہ دیکھیں۔

سورۂ نور میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قُلْ لِّلْمُؤْمِنِیْنَ یَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَیَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ذٰلِكَ اَزْكٰی لَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ خَبِیْرٌۢ بِمَا یَصْنَعُوْنَ ۝ وَقُلْ لِّلْمُؤْمِنٰتِ یَغْضُضْنَ مِنْ اَبْصَارِهِنَّ وَیَحْفَظْنَ فُرُوْجَهُنَّ ۝ (النور ۲۴: رکوع ۴)

ترجمہ: اے رسول ﷺ! آپ ﷺ ایمان والوں کو حکم دیجیے کہ (جب نامحرم عورتوں

کا سامنا ہو تو وہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں، یہ ان کے لیے زیادہ پاکیزگی کی بات ہے اور جو کچھ وہ کرتے ہیں اور کریں گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔ اور (اسی طرح) ایمان والی ہماری بندیوں کو آپ حکم سنایئے کہ وہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا کریں اور شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

خود آیت کے الفاظ سے ظاہر ہے کہ آنکھوں پر یہ پابندی حیا اور عفت و عصمت کی حفاظت ہی کے لیے لگائی گئی ہے بلکہ پردہ سے متعلق سارے احکام کی اصل نوعیت یہی ہے کہ وہ حیاء اور عفت و عصمت کی حفاظت کے لیے دیئے گئے ہیں۔ سورۂ احزاب میں جہاں یہ حکم دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی گھر والیوں سے جب کوئی چیز مانگنی ہو تو پردے کی اوٹ سے مانگا کرو وَ اِذَا سَاَلْتُمُوْهُنَّ مَتَاعًا فَسْـَٔلُوْهُنَّ مِنْ وَّرَآءِ حِجَابٍ (1) (تو وہیں اس کی حکمت اور وجہ بیان فرمادی گئی ہے۔

ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَ قُلُوْبِهِنَّ۔ (الاحزاب ۳۳: رکوع ۷)

ترجمہ: یہ طرز عمل تمہارے اور ان کے دلوں کو زیادہ پاک رکھنے والا ہے۔

نیز اسی سورۂ احزاب میں جن ایمانی اخلاق و اوصاف رکھنے والے مرد اور عورتوں کو مغفرت اور اجر عظیم کی بشارت سنائی گئی ہے ان میں سے ایک وصف یہ پاکدامنی بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔ ارشاد ہے:

وَ الْحٰفِظِيْنَ فُرُوْجَهُمْ وَ الْحٰفِظٰتِ وَ الذّٰكِرِيْنَ اللّٰهَ كَثِيْرًا وَّ الذّٰكِرٰتِ اَعَدَّ اللّٰهُ لَهُمْ مَّغْفِرَةً وَّ اَجْرًا عَظِيْمًا۝ (الاحزاب ۳۳: رکوع ۵)

ترجمہ: اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں اور اللہ تعالیٰ کا کثرت سے ذکر کرنے والے مرد اور اسی طرح کثرت سے اس کا ذکر کرنے والی عورتیں، اللہ تعالیٰ نے ان سب کے لیے مغفرت کا فیصلہ فرمار کھا ہے اور اجر عظیم کا سامان تیار کیا ہے۔

اسی طرح سورۂ مومنون اور سورۂ معارج میں اللہ کی رحمت اور جنت کے مستحق مومنین

---

(1) یہ آیت اگرچہ اپنے سیاق کے لحاظ سے ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے متعلق ہے لیکن حکم عام ہے۔ ۱۲

کے جن امتیازی اوصاف کا ذکر کیا گیا ہے ان میں ان کی عفت اور پاکدامنی بھی ہے، دونوں جگہ الفاظ بالکل یکساں ہیں۔ ارشاد ہے:

وَالَّذِيْنَ هُمْ لِفُرُوْجِهِمْ حٰفِظُوْنَ۔ (مومنون ۲۳: رکوع ۱، معارج ۷۰: رکوع ۱)

ترجمہ: اور وہ بندے جو اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے ہیں (یعنی وہ جنت کے وارث ہوں گے اور جنت میں ان کا بڑا اعزاز و اکرام ہوگا۔

بہر حال قرآن مجید کی تعلیم کے مطابق حیا و عفت بھی ان خاص ایمانی اوصاف میں سے ہیں جن سے انسانوں کی نجات و فلاح کا مسئلہ وابستہ ہے۔

طہارت و پاکیزگی

اخلاق و آداب ہی کے سلسلے کی قرآن مجید کی ایک تعلیم یہ بھی ہے کہ ہر قسم کی نجاست اور گندگی سے اپنے آپ کو پاک صاف رکھا جائے سورۂ مدثر میں رسول اللہ ﷺ کو مخاطب بنا کر ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَالرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ (مدثر ۷۴: رکوع ۱)

ترجمہ: اور اپنے کپڑے (بھی) پاک صاف رکھو اور ہر طرح کی گندگی اور میل کچیل سے دور رہو۔

اور سورۂ توبہ میں اصحاب نبی ﷺ کے ایک خاص طبقے کی صفائی پسندی اور اس کے خاص اہتمام کا ذکر فرما کر ارشاد فرمایا گیا ہے: وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ (اور اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو محبوب رکھتا ہے جو خوب پاک و صاف رہتے ہیں اور اس کا اہتمام کرتے ہیں)۔

اور سورہ بقرہ میں ایک جگہ ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ۝ (بقرہ ۲: ۲۸)

ترجمہ: اور اللہ تعالیٰ محبت رکھتا ہے توبہ کرنے والے اور پاک صاف رہنے والے بندوں سے۔

گویا طہارت و پاکیزگی ان اوصاف میں سے ہے جن کی وجہ سے بندہ اللہ تعالیٰ کی محبوبیت کا مستحق ہو جاتا ہے۔

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنَا مِنَ التَّوَّابِيْنَ وَاجْعَلْنَا مِنَ الْمُتَطَهِّرِيْنَ۔

معاملات میں پاکبازی اور اکل حلال

قرآن مجید نے انسانی زندگی کے تزکیہ اور اس کی سیرت کی تعمیر کے سلسلے میں جو ہدایات اپنے ماننے والوں کو دی ہیں، ان میں سے ایک اہم ہدایت یہ بھی ہے کہ وہ اپنے لین دین کے معاملات میں پورے پاکباز ہوں اور اپنی روزی صرف جائز اور پاک ذریعوں سے حاصل کریں۔ کسی ناجائز طریقے سے ایک پیسہ بھی نہ کمائیں۔

سورۂ بقرہ میں ماہ رمضان کے روزوں کی فرضیت اور ان کے متعلق چند خاص احکام بیان فرمانے کے بعد متصلاً ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ (البقرہ ۲: رکوع ۲۳)

ترجمہ: اور تم ایک دوسرے کا مال آپس میں ناحق اور ناروا طریقوں سے نہ کھاؤ (یعنی حرام و ناجائز روزی سے ہمیشہ ہی بچو۔

اور قریب قریب انہی الفاظ میں سورۂ نساء میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ ءَامَنُوا لَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ۔ (النساء ۴: رکوع ۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! تم ایک دوسرے کے مال آپس میں ناجائز طریقوں سے ہضم نہ کرو، ہاں اس میں حرج نہیں کہ باہمی رضامندی سے تمہارے درمیان جائز تجارتی لین دین ہو۔

ان دونوں آیتوں میں ناجائز کمائی کی ممانعت کے لیے ایسا وسیع اور عام عنوان اختیار کیا گیا ہے جس میں کمائی کے سارے ہی ناجائز طریقے آجاتے ہیں۔ اس طرح ان آیتوں سے سود، رشوت، جو، سٹہ، لاٹری، دھوکہ، فریب کی تجارت اور ان کے علاوہ بھی کمائی کے سارے ناجائز طریقے خواہ پرانے ہوں یا نو ایجاد، ان آیتوں کی رو سے ممنوع اور حرام ہو گئے۔

پھر سود اور جوئے وغیرہ کی حرمت قرآن مجید میں جابجا مستقلاً بھی بیان فرمائی گئی ہے مثلاً سورۂ بقرہ کے اڑتیسویں رکوع میں سود خوروں کی مذمت اور ان کے برے انجام کے ذکر کے

ساتھ حَرَّمَ الرِّبٰوا کے صاف صریح الفاظ میں سود کی حرمت کا اعلان فرمایا گیا پھر یَمْحَقُ اللّٰہُ الرِّبٰوا کے الفاظ سے سود کی نحوست اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں اس کی مبغوضیت وملعونیت کو اور زیادہ واضح کیا گیا ہے۔ پھر جو لوگ یہ سب کچھ سننے کے بعد بھی سودی کاروبار نہ چھوڑیں ان کو مخاطب کر کے سنایا گیا:

فَأْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ یعنی تمہیں اب خبردار رہنا چاہیے کہ تم سے اللہ ورسول کی جنگ ہے، تم اب اللہ ورسول کے دشمن ہو اور اللہ ورسول تمہارے دشمن ہیں۔ (نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ ثم نعوذ باللہ)

کمائی اور کھانے پینے ہی کے سلسلے میں شراب اور جوا وغیرہ جو چند ناپاکیاں عربوں کی زندگی کا گویا جزبنی ہوئی تھیں، ان کے بارے میں سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَ الْمَیْسِرُ وَ الْاَنْصَابُ وَ الْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝ (المائدہ ۵: رکوع ۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! یہ شراب اور جوئے بازی اور یہ استھان (یعنی معبودان باطل کے آستانے اور ان کے چڑھاوے) اور یہ پانسے (یعنی پانسوں کے ذریعہ قرعہ اندازی جو جوئے ہی کی ایک خاص شکل ہے) یہ سب گندے ناپاک شیطانی کام ہیں ان سے بچو تو تمہاری فلاح کی امید ہو سکتی ہے۔

ناپ تول میں کمی بیشی جو بہت پرانی اور بہت عام بددیانتی ہے اس کے بارے میں قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَاَوْفُوا الْکَیْلَ اِذَا کِلْتُمْ وَزِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِیْمِ۔ (بنی اسرائیل ۱۷: رکوع ۴)

ترجمہ: اور جب تمہیں کوئی چیز کسی کو ناپ کر دینی ہو تو پیمانہ پورا بھر کر دو اور (جب کسی کو تول کر کچھ دینا ہو تو) ٹھیک ترازو سے تولو (باٹ ترازو میں کوئی پھیر اور بل نہ ہو)۔

اور سورۂ رحمٰن میں ارشاد فرمایا:

وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ ۝ (الرحمٰن ۵۵: رکوع ۱)

ترجمہ: اور حق وانصاف کے مطابق ٹھیک تولو اور وزن میں کمی نہ کرو (ڈنڈی نہ مارو)۔

قرآن مجید نے ان واضح اور صریح احکام کے علاوہ ناپ تول میں بددیانتی کرنے والوں کو

قیامت کے عذاب سے ایسے انداز میں ڈرایا ہے کہ جس دل میں خدا کے خوف اور ڈر کی کچھ بھی گنجائش ہو وہ لرز کے رہ جائے اور پھر کبھی بھول کے بھی اس سے یہ بد دیانتی سرزد ہو۔

ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۝ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۝ وَ اِذَا كَالُوْهُمْ اَوْ وَّزَنُوْهُمْ يُخْسِرُوْنَ ۝ اَلَا يَظُنُّ اُولٰٓئِكَ اَنَّهُمْ مَّبْعُوْثُوْنَ ۝ لِيَوْمٍ عَظِيْمٍ ۝ يَّوْمَ يَقُوْمُ النَّاسُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۝ (تطفیف)

ترجمہ: بڑی خرابی اور بہت برا انجام ہے ناپ تول میں بد دیانتی کرنے والوں کے لیے (جن کا طرز عمل یہ ہے کہ) جب لوگوں سے وہ اپنے لیے ناپ کر لیتے ہیں تو بھرپور لیتے ہیں اور جب دوسروں کے لیے وہ کوئی چیز ناپتے یا تولتے ہیں تو کم دیتے ہیں کیا انہیں اس کا خیال نہیں ہے کہ وہ (مرنے کے بعد حساب اور جزا کے) یوم عظیم کے لیے پھر زندہ کر کے اٹھائے جائیں گے، جس دن کہ سارے انسان جلال و جبروت والے رب العلمین کے حضور کھڑے ہوں گے۔

جو شخص سچے دل سے قرآن مجید کو اللہ تعالیٰ کی کتاب مانے وہ ان آیتوں کے سننے کے بعد ناپ تول میں بد دیانتی کس طرح کر سکتا ہے، اگر ایمان کا دعویٰ کرنے والوں میں بھی ایسے لوگ کہیں نظر آتے ہیں تو سمجھنا چاہیے کہ ان کے دل حقیقت ایمان سے محروم ہیں۔

حرام خوری کی ایک نہایت ہی لعنتی شکل یہ ہے کہ کوئی شخص مذہبی و روحانی پیشوائی کا لبادہ پہن کر یعنی عالم دین یا درویش بن کر حیلوں اور ہتھکنڈوں سے اللہ تعالیٰ کے سادہ دل بندوں سے نذرانے، چڑھاوے وصول کرے۔ ایسے لوگوں کا عام طریقہ یہ ہوتا ہے کہ تحصیل وصول کے اس سلسلہ کو ہمیشہ باقی رکھنے اور اپنی آنے والی نسلوں کے لیے بھی محفوظ کرنے کے لیے وہ اس کی پوری کوشش کرتے ہیں کہ ان کے یہ دام افتادہ عوام دین کی صحیح تعلیم سے کبھی آشنا نہ ہونے پائیں اور اللہ تعالیٰ کے مخلص بندوں اور دین کے حق سچے خادموں اور داعیوں سے ہمیشہ دور دور اور الگ تھلگ رہیں۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایسے لوگ زیادہ تر یہودیوں میں تھے۔ لیکن ہمارے اس زمانے میں بد قسمتی سے خود مسلمانوں میں ایسے پیشہ ور مولویوں اور پیروں کا ایک پورا طبقہ موجود ہے جس کا یہی کردار اور کاروبار ہے۔

بہر حال ایسے لوگ خواہ وہ یہودیوں، عیسائیوں میں ہوں یا مسلمانوں میں، قرآن مجید میں ان کے بارے میں فرمایا گیا ہے:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَ الرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَ يَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ (التوبہ ۹: رکوع ۵)

ترجمہ: اے ایمان والو! بہت سے عالم مولوی اور پیر فقیر بندگان خدا کا مال ناجائز حیلوں اور ترکیبوں سے کھاتے ہیں (اور بجائے اس کے کہ ان بے چاروں کو کوئی دینی فائدہ پہنچاتے اور اللہ تعالیٰ راستہ بتاتے، الٹے ان کو) اللہ کے راستہ سے روکتے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں یہود کے مذہبی پیشواؤں کا ایک طبقہ تھا جو پہلی آسمانی کتابوں (تورات وغیرہ) کے ان مضامین سے خوب واقف تھا جن سے رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین شریعت کی تصدیق ہوتی تھی، لیکن وہ اپنے عوام کے سامنے اس حقیقت کو ظاہر نہیں کرتا تھا، بلکہ تحریف و تاویل کے پردے ڈال کر اس کو چھپانا چاہتا تھا تاکہ یہ بے چارے عوام اسی طرح ان کے جال میں پھنسے رہیں اور نذرانوں، چڑھاووں کے سلسلہ میں کوئی فرق نہ پڑے۔ قرآن مجید میں سورۂ بقرہ میں ان لوگوں کو سخت وعید سنائی گئی ہے، فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَ يَشْتَرُوْنَ بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ مَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ اِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (البقرہ ۲: ۲۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جو کتابیں نازل کیں، جو لوگ ان مضامین کو لوگوں سے چھپاتے ہیں اور اس حق پوشی کے ذریعے تھوڑے سے پیسے (نذرانے چڑھاوے) حاصل کرتے ہیں وہ اپنے پیٹ صرف آگ سے بھر رہے ہیں (وہ لوگوں کو دھوکہ دینے کے لیے یہاں خدا رسیدہ اور اللہ والے بنے ہوئے ہیں، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ان بہروپیوں سے سخت ناراض اور بیزار ہے) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان سے بات بھی نہیں کرے گا اور ان کو (بخش کر) گناہوں سے پاک بھی نہیں کرے گا اور ان کے لیے وہاں صرف دردناک عذاب ہے۔

قرآن مجید نے ایک طرف تو کمائی کے ناجائز طریقوں اور حرام غذاؤں کو ممنوع قرار دیا اور ان پر سخت وعیدیں سنائیں اور دوسری طرف اس کی بھی ترغیب دی کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں اور جن کمائیوں کو حلال وطیب قرار دیا ہے (جن کا دائرہ بہت وسیع ہے) ان کو اللہ تعالیٰ کی نعمت سمجھ کر اس کے حکم کے مطابق آزادی سے استعمال کیا جائے اور اس کا شکر ادا کیا جائے، اپنے کو خواہ مخواہ تنگی میں نہ ڈالا جائے۔ سورۂ بقرہ میں ارشاد فرمایا گیا:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَ اشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۞ (البقرہ ۲: رکوع ۲۱)

ترجمہ: اے ایمان والو! ہم نے جو پاک طیب چیزیں تمہیں بخشی ہیں، ان کو بے تکلف کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو، اگر تم صرف بندگی کرنے والے ہو (تو تمہارا طرز عمل یہی ہونا چاہیے)۔ اور سورۂ نحل میں فرمایا گیا:

فَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ اشْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۞ (النحل ۱۶: رکوع ۱۵)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے جو حلال وطیب چیزیں تم کو عطا فرمائی ہیں، ان کو بے تکلف کھاؤ اور اللہ تعالیٰ کی نعمت کا شکر ادا کرو، اور اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو تو تمہیں ایسا ہی کرنا چاہیے۔

اور سورۂ مائدہ میں ارشاد فرمایا گیا:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ۞ وَ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا وَّ اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ۞ (المائدہ ۵: رکوع ۱۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ نے جو پاکیزہ چیزیں تمہارے لیے حلال کی ہیں ان کو اپنے لیے حرام مت کرو اور اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی حدود سے تجاوز نہ کرو، ایسا کرنے والے اللہ تعالیٰ کو سخت ناپسند ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو حلال طیب چیزیں تمہیں عطا فرمائی ہیں (ان کو بے تکلف کھاؤ پیو اور جس اللہ پر تمہارا ایمان ہے اس سے ڈرو (اور اس کے حدود واحکام کے پابند رہو۔

حق اور نیکی کو پھیلانے اور عام کرنے کی جد وجہد اور اس کی راہ میں جانبازی

عقائد اور اعمال، اخلاق اور معاملات وغیرہ زندگی کے مختلف شعبوں میں قرآن مجید نے جو ہدایات دی ہیں (جو کسی قدر تفصیل سے گذشتہ اوراق میں ذکر کی جاچکی ہیں) کوئی عقل سلیم والا اس میں شک نہیں کر سکتا کہ یہ سب حق اور نیکی کی ہدایات ہیں، قرآن مجید ان ہدایات پر عمل کرنے کے مطالبے کے ساتھ اپنے ماننے والوں سے اس کا بھی مطالبہ کرتا ہے کہ وہ اس حق اور نیکی کو دوسروں میں پھیلانے اور عام کرنے کی بھی جد وجہد کریں۔ یعنی اس کی پوری کوشش کریں کہ اللہ تعالیٰ کے زیادہ سے زیادہ بندے حق اور نیکی کے اس راستے کو اختیار کر کے اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت اور آخرت میں جنّت کے حق دار بنیں۔

حالات کے مطابق اس کوشش کی شکلیں اور اس کے درجے مختلف ہوتے ہیں، دعوت الی الخیر، امر بالمعروف، نہی عن المنکر، جہاد فی سبیل اللہ، ان مختلف شکلوں کے عنوانات ہیں۔ یہ ناچیز اس موضوع پر تفصیلی کلام اپنی کتاب دین وشریعت میں کر چکا ہے، یہاں صرف یہی بتانا مقصود ہے کہ قرآن مجید کا مطالبہ اور اس کی دعوت وہدایت اس بارے میں کیا ہے؟ اس لیے یہاں صرف اس سلسلے کی چند آیات درج کی جاتی ہیں۔

سورۃ آل عمران میں ارشاد ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ (آل عمران ۳: رکوع ۱۱)

ترجمہ: اور ضروری ہے کہ تم میں ایک ایسی امت ہو جو لوگوں کو بھلائی کی طرف دعوت دے نیکی کے لیے لوگوں سے کہے اور برائی سے روکے اور یہ کام کرنے والے ہی فلاح یاب ہوں گے۔

اس آیت میں لفظ مِنْكُمْ سے لوگوں کو یہ شبہ ہو جاتا ہے کہ اس کام کا مطالبہ اس آیت میں

قرآن کی ماننے والی پوری امت سے نہیں کیا گیا ہے بلکہ یہ اس کے کسی خاص طبقہ کی ذمہ داری ہے۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو اس آیت ہی کے آخری جملہ وَأُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ سے اس غلط فہمی کی تردید ہو جاتی ہے، کیونکہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاح و سعادت کے حق دار صرف وہی لوگ ہوں گے جو اس کام کو انجام دیں اور جس عمل پر فلاح و سعادت کا حصول موقوف ہو ظاہر ہے کہ اس کا مطالبہ صرف کسی خاص طبقے سے نہیں کیا جا سکتا، بلکہ اس کی دعوت پوری امت کو دی جانی ضروری ہے، علاوہ ازیں اس آیت سے ۴، ۵ ہی آیتوں کے بعد قرآن نے اس مطالبہ کو پھر ان الفاظ میں دہرایا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ۔ (آل عمران ۳: رکوع ۱۲)

ترجمہ: اے پیروان محمد ﷺ! تم تمام امتوں میں بہترین امت ہو جو لوگوں (کی اصلاح و ہدایت) کے لیے ظہور میں لائی گئی ہے، تمہارا کام یہ ہے کہ تم نیکی کا حکم دیتے ہو برائی سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔

اس آیت میں اس امت کے وجود و ظہور کی غرض و غایت ہی یہ بتائی گئی ہے کہ اس کو ایمان باللہ کے ساتھ امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور لوگوں کی اصلاح و ہدایت کی خدمت انجام دینی ہے۔

الغرض اس آیت سے بھی یہ بات بالکل صاف ہو جاتی ہے کہ امت کا کوئی خاص طبقہ اس کام کا ذمہ دار نہیں ہے، بلکہ پوری امت سے اس کا مطالبہ ہے۔

ہاں اس کام کی خاص نوعیت ایسی ہے کہ اکثر حالات میں امت کے ہر فرد کا اس میں لگنا ضروری نہیں ہوتا، بلکہ اس کی اہلیت و صلاحیت رکھنے والے افراد اگر بقدر کفایت اس کام میں لگے رہیں اور دوسروں کا تعاون انہیں حاصل رہے تو بھی کام پورا ہوتا رہتا ہے اور اس عاجز کا خیال ہے کہ غالباً اسی طرف اشارہ کرنے کے لیے پہلی آیت میں لفظ مِنْكُمْ لایا گیا ہے۔ واللہ اعلم!

اور سورۂ حٰم سجدہ میں فرمایا گیا:

وَمَنْ أَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا إِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ إِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ۝
(حٰم سجدہ ۴۱: رکوع ۵)

ترجمہ: اور کون زیادہ اچھا ہو سکتا ہے اس شخص سے بات میں جس نے بلایا اللہ تعالیٰ کی طرف اور خود بھی نیک کرداری اختیار کی اور کہا کہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبرداروں میں سے ہوں۔

یعنی سب سے اچھی بات اس بندہ کی ہے جو ایمان و عمل صالح کا ذاتی سرمایہ رکھنے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے دوسرے بندوں کو بھی اس کی طرف بلاتا ہو اور ان کی اصلاح کی کوشش کرتا اور اس راہ میں جان کھپاتا ہو۔

اور سورۃ العصر میں فرمایا گیا:

وَالْعَصْرِ ۝ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ ۝ اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ تَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ ۝ (العصر)

ترجمہ: زمانہ کی گردش کی قسم! سارے انسان خسارہ میں ہیں، خسارہ سے بچنے والے اور فلاح پانے والے صرف وہ بندگانِ خدا ہیں جو ایمان لائیں، نیک اعمال کریں، اور راہ حق پر چلنے کی اور نفس کو بری خواہشوں سے تھامے رکھنے کی ایک دوسرے کو وصیت و نصیحت بھی کریں۔

اس صورت میں خسارہ سے بچنے اور فلاح پانے کے لیے ایمان اور عمل صالح کے ساتھ تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی بھی شرط لگائی ہے۔ اس تواصی بالحق کا مطلب ظاہر ہے کہ یہی ہے کہ عقائد میں، ایمان میں، اخلاق میں، معاملات میں (گویا مقصود یہ ہے کہ معبودانِ باطل کی غلامی سے نجات دلا کر ان کو اللہ تعالیٰ کی بندگی میں لانے کے لیے اور ان کی زندگی کو پاکیزہ اور نورانی بنا کر ان کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور جنت کا مستحق بنانے کے لیے جو کوشش اور قربانی تم کر سکتے ہو اس میں دریغ نہ کرو۔ قرآن مجید میں اس کام کو اتنی عظمت دی گئی ہے کہ اس کو خود اللہ تعالیٰ کی نصرت اور اس کے کرنے والوں کو انصار اللہ یعنی اللہ کے مددگار کہا گیا ہے اور ان کے لیے دنیا اور آخرت کی بڑی سے بڑی سرفرازیوں اور سربلندیوں کے وعدے کئے گئے ہیں۔ سورۂ صف کی یہ چند آیتیں پڑھئے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ تُجَاهِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ ذٰلِكُمْ خَیْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ

تَعْلَمُوْنَ ۝ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَيُدْخِلْكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ وَمَسٰكِنَ طَيِّبَةً فِيْ جَنّٰتِ عَدْنٍ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ۝ وَاُخْرٰى تُحِبُّوْنَهَا نَصْرٌ مِّنَ اللّٰهِ وَفَتْحٌ قَرِيْبٌ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۝ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْٓا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ لِلْحَوَارِيّٖنَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۝

(الصف ۶۱: رکوع ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! کیا میں تمہیں ایک ایسا کاروبار بتادوں جو دردناک عذاب سے تمہیں نجات دلادے ؟ (سنو وہ یہ ہے) ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر (اور اس ایمان کے تقاضوں کو پورا کر کے اپنے حقیقی مومن ہونے کا ثبوت دو) اور اپنے جان و مال سے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اور اس کے دین کے لیے جدوجہد کرو اس میں تمہارے لیے سراسر بہتری ہے اگر تم کو حقیقت کا علم ہو۔

(تم نے اگر ایسا کیا) تو اللہ تعالیٰ تمہارے گناہ بخش دے گا اور تم کو بہشت کے ان باغات میں پہنچادے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں اور سدا بہار جنتوں کے نہایت ہی نفیس محلوں میں تمہیں بسائے گا یہی عظیم الشان کامیابی ہے (اور آخرت کی اس جنت اور کامیابی کے علاوہ اور اس سے پہلے) ایک دوسری نعمت بھی تم کو عطا کرے گا جس کی تمہیں چاہت ہے (اور وہ ہے) دشمنوں کے مقابلہ میں انفرادی ہوں یا اجتماعی شخصی ہوں یا قومی یا بین الاقوامی، اپنوں کے ساتھ ہوں یا غیروں کے ساتھ) غرض زندگی کے ہر معاملہ اور شعبہ میں حق پر چلنے کے لیے لوگوں کو دعوت دی جائے۔

اسی طرح تواصی بالصبر کا مطلب یہ ہے کہ غلط راہوں پر چلنے اور غلط کام کرنے کی جو خواہش مختلف محرکات کی وجہ سے نفس میں پیدا ہوتی ہیں، ان سے باز رہنے اور نفس کو قابو میں رکھ کر حق وہدایت کا پابند رکھنے کی بھی دوسروں کو دعوت دی جائے اور وصیت و نصیحت کی جائے۔

بہر حال اس سورۃ میں بتایا گیا ہے کہ ایمان اور عمل صالح کی طرح یہ کام بھی ہمارے ان بنیادی فرائض میں سے ہے جن کو ادا کئے بغیر ہم فلاح و سعادت سے ہمکنار نہیں ہوسکتے۔

اس کام کا ایک جامع اور وسیع تر عنوان جیسا کہ عرض کیا گیا جہاد فی سبیل اللہ بھی ہے، جس کا اصل مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں پوری محنت اور کوشش کرنا، یعنی اللہ تعالیٰ کے بندوں

کو اللہ کے راستے پر لگانے اور اس کی رضا و رحمت کا مستحق بنانے کے لیے جس وقت جس محنت و کوشش اور جس قربانی کی ضرورت ہو اور جو اپنے امکان میں ہو وہ کر گزرنا۔

جہاد کے اصل معنی یہی ہیں، ہاں اس کی شکلیں جیسا کہ عرض کیا جا چکا حالات کے لحاظ سے مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً رسول اللہ ﷺ مکہ معظمہ کے بارہ تیرہ سالوں میں جس طرح یہ کام کرتے رہے وہ جہاد کی ایک شکل تھی، پھر مدینہ طیبہ کے ابتدائی دور میں آپ ﷺ نے اور آپؐ کی رہنمائی میں آپ ﷺ کے اصحاب کرامؓ نے جو دعوتی اور تبلیغی کوششیں فرمائیں اور مشقتیں اس سلسلہ میں اٹھائیں وہ بھی جہاد کی ایک شکل تھی اور اس کے بعد بدر و اُحد اور دوسرے غزوات میں جنگ و قتال کے جو معرکے ہوئے وہ بھی جہاد ہی کی ایک شکل تھی۔

پس قرآن مجید میں جہاں جہاں اہل ایمان سے جہاد فی سبیل اللہ کا مطالبہ کیا گیا ہے، اس کا مطلب یہی ہے کہ اللہ کے بندوں کو اللہ والا بنانے کے لیے اور شیطان و نفس اللہ تعالیٰ کی مدد اور قریبی فتح اور اے پیغمبر! آپ ﷺ ایمان والے بندوں کو اس کی خوشخبری سنا دیجئے۔ اے ایمان والو! ہو جاؤ اللہ کے مددگار جیسا کہ عیسیٰ بن مریمؑ نے حواریوں سے کہا تھا کہ کون ہیں میری مدد کرنے والے اللہ کے راستہ میں؟ تو حواریوں نے کہا کہ ہم ہیں اللہ کے انصار اور اس کے راستہ میں آپ کے مددگار۔

اور سورۂ مائدہ میں فرمایا گیا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ۝ (المائدہ ۵: رکوع ۶)

ترجمہ: اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے (قرب و رضا) کا راستہ تلاش کرو (یعنی ایسے عمل کرو جن سے اس کی رضا اور قرب حاصل ہو، اس سلسلہ کا خاص الخاص عمل یہ ہے کہ) اس کے دین کی راہ میں (یعنی اس کے بندوں کو اس کی راہ پر لگانے کے لئے) بھرپور کوشش کرو تاکہ تم فلاح پاسکو۔

اور سورۂ حج کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَ جَاهِدُوْا فِي اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهٖ هُوَ اجْتَبٰىكُمْ وَ مَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ وَ فِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا

عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ ۞ (الحج ۲۲: رکوع ۸)

ترجمہ: اور جد وجہد کرو اللہ کی راہ میں (یعنی اس کے بندوں کو اس کے راستہ پر لگانے کے لیے پوری محنت اور کوشش کرو) جیسی محنت اور کوشش کا اس کا حق ہے (اے امت محمد ﷺ اب) اللہ نے تم کو اس خدمت کے لیے چنا ہے، طریقہ ہے تمہارے باپ ابرہیمؑ کا، اس نے تمہارا (کیسا اچھا) نام مُسلم رکھا ہے، اس (کتاب قرآن مجید) میں، اور اس سے پہلے (والی کتابوں میں) تو ایسا ہو کہ رسول ﷺ تو تمہیں بتانے والا ہو اور تم باقی دنیا کے بتانے والے بنو۔

اور سورۂ حجرات میں اس جہاد فی سبیل اللہ یعنی دین کے لیے محنت و قربانی کو لازمۂ ایمان بتایا گیا ہے اور صاف فرمایا گیا ہے کہ سچے مومن بس وہی ہیں جن کو اللہ ورسول ﷺ پر اور ان کی باتوں پر یقین ہو۔ دل میں کسی شک وشبہ کا گزر نہ ہو اور وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں جد وجہد اور قربانی کرتے ہوں۔ ارشاد ہوا ہے:

إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوا وَجَاهَدُوا بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ ۞ (الحجرات ۴۹: رکوع ۲)

ترجمہ: اصلی مومن تو بس وہی بندے ہیں جو یقین لائے اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر، پھر وہ کسی شک وشبہ میں گرفتار نہیں ہوئے اور انہوں نے خوب کوشش کی اور قربانی دی اپنے جان ومال کی اللہ کے راستہ میں، بس وہی بندے (ایمان کے دعوے میں) صادق اور سچے ہیں۔

آخر میں سورۂ توبہ کی ایک آیت اور پڑھ لی جائے جس میں بتایا گیا ہے کہ اہل ایمان کی شان یہ ہونی چاہیے کہ دنیا کی ہر محبوب اور پسندیدہ چیز حتیٰ کہ اپنے ماں باپ اور بیوی بچوں سے بھی زیادہ اللہ اور رسول ﷺ کی محبت اور اللہ کی راہ میں جد وجہد اور جانبازی محبوب ہو۔ اگر کسی کا یہ حال نہ ہو تو وہ اللہ کی رحمت وعنایت کا نہیں بلکہ سزا کا مستحق ہے۔ العیاذ باللہ!

سورۂ توبہ میں فرمایا گیا:

قُلْ إِنْ كَانَ آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَإِخْوَانُكُمْ وَأَزْوَاجُكُمْ وَعَشِيرَتُكُمْ وَأَمْوَالٌ اقْتَرَفْتُمُوهَا وَتِجَارَةٌ تَخْشَوْنَ كَسَادَهَا وَمَسَاكِنُ تَرْضَوْنَهَا أَحَبَّ إِلَيْكُمْ مِنَ

اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ جِهَادٍ فِيْ سَبِيْلِهٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ وَ اللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ۝ (التوبہ ۹: رکوع ۳)

تَرجَمہ: اے پیغمبر ﷺ! مسلمانوں سے کہئے کہ اگر تمہارے ماں باپ اور تمہاری اولاد اور تمہارے بھائی بند اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ قبیلہ اور تمہاری کمائی ہوئی دولت اور تمہاری وہ تجارت جس کے ٹھپ ہو جانے کا تمہیں خطرہ ہے اور تمہارے رہنے کے مکانات جو تمہیں عزیز ہیں (تو اگر یہ چیزیں) زیادہ پیاری ہیں، تم کو اللہ سے اور اس کے رسول ﷺ سے، اور اس کی راہ میں محنت و جانبازی سے تو منتظر رہو، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ اپنا فیصلہ کر دے (اور تم کو اس کی سزا مل جائے) اور اللہ تعالیٰ کا دستور یہ ہے کہ وہ نافرمانوں کو ہدایت کی نعمت عطا نہیں فرماتا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مومن کی اصل شان یہ ہے کہ راہ خدا میں جانبازی اور دین کے لیے جد و جہد اس کو دنیا کی ساری چیزوں سے زیادہ محبوب و مرغوب ہو۔

-- گویا صرف یہ عمل ہی نہیں بلکہ اس عمل سے عشق ہونا چاہیے۔ اور بے شک عشق ہی کی طاقت سے اس راستہ کی مشکلات کو عبور کیا جا سکتا ہے۔

در رہ منزل لیلیٰ کہ خطرہاست بسے
شرط اول قدم آنست کہ مجنوں باشی

☆☆☆

قرآنی خطباتؐ و مواعظ

یوں تو سارا قرآن ہی نصیحت و موعظت ہے اور مختلف عنوانات کے تحت جو کئی سو آیتیں ہم نے یہاں تک اس کتاب میں درج کی ہیں، وہ سب ہی کسی نہ کسی نصیحت و موعظت کی حامل ہیں لیکن قرآن پاک میں بہت سے مقامات ایسے بھی ہیں جن کی حیثیّت مستقل خطبات و مواعظ کی ہے اور گذشتہ عنوانوں میں سے کسی کے تحت ہم نے ان کو درج بھی نہیں کیا ہے۔ اب اس عنوان کے تحت ان ہی کو درج کرنا چاہتے ہیں۔

اگرچہ قرآن مجید میں ایسے مقامات پچاسوں کیا بلکہ سینکڑوں ہیں لیکن یہاں ہم صرف دس مقامات کی چند چند آیتیں قرآن مجید کی ترتیب ہی کے لحاظ سے درج کرنے پر اکتفا کریں گے۔ یہی ہماری اس کتاب کا آخری عنوان اور گویا خاتمۃ الکتاب ہے۔

وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۝

آزمائشوں کے دور میں صبر اور نماز سے مدد حاصل کی جائے

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَ الصَّلٰوۃِ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الصّٰبِرِیْنَ۝ وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ یُّقْتَلُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَمْوَاتٌ بَلْ اَحْیَاءٌ وَّلٰکِنْ لَّا تَشْعُرُوْنَ۝ وَلَنَبْلُوَنَّکُمْ بِشَیْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَ الْجُوْعِ وَ نَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَ الْاَنْفُسِ وَ الثَّمَرٰتِ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِیْنَ۝ الَّذِیْنَ اِذَآ اَصَابَتْھُمْ مُّصِیْبَۃٌ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّآ اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ۝ اُولٰٓئِکَ عَلَیْھِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّھِمْ وَ رَحْمَۃٌ وَاُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُھْتَدُوْنَ۝ (البقرہ ۲: رکوع ۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! (مشکلات و مصائب کے مقابلے کے لئے) صبر اور نماز سے مدد لو، اللہ تعالیٰ (کی نصرت) صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (اور نماز کے ذریعے بندہ اپنے رب سے خاص رابطہ پیدا کرتا اور اس کے حضور میں پہنچ جاتا ہے) اور (اے اہل ایمان تم میں سے) جو لوگ اللہ تعالیٰ کی راہ میں شہید کردیئے جائیں ان کے بارے میں نہ (تو ایسا خیال کرو اور نہ زبان سے) کہو کہ وہ مردے ہیں (وہ مرے نہیں ہیں) بلکہ ایک خاص حیات کے ساتھ وہ زندہ ہیں لیکن تم ان کی اس خاص زندگی کا شعور

نہیں رکھتے ہو۔ اور ہم ضرور تمہیں آزمائشوں کی بھٹی میں ڈالیں گے اور خوف و خطر اور فاقہ کشی اور جان و مال کے نقصانات اور پیداوار کی کمی میں تم کو ہم مبتلا کریں گے (کیونکہ حق پر چلنے والوں اور حق کی دعوت دینے والوں کے لیے ان منزلوں سے گزرنا ضروری ہے) اور اے پیغمبر! فلاح و کامرانی کی بشارت دیجئے ان صابر بندوں کو جن کا حال یہ ہے کہ جب ان پر کوئی مصیبت آتی ہے تو وہ (دل و زبان سے) کہتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ہیں اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں اور (یہاں کی چند روزہ زندگی ختم کر کے) ہمیں اسی کی طرف پلٹ کے جانا ہے۔ یہ وہ بندے ہیں جن پر ان کے پروردگار کی خاص عنایتیں اور رحمتیں ہیں اور یہی ہدایت یاب ہیں۔

مصیبتوں اور آزمائشوں کے وقت کے لیے ان آیتوں میں اہل ایمان کی تسلی اور رہنمائی کا کتنا کافی سامان ہے۔

صبر کی صفت اپنے اندر پیدا کرنا اور نماز کے ذریعے اللہ تعالیٰ سے رابطہ قائم کرنا اور اس حقیقت کا استحضار اور مراقبہ کہ ہم اور ہمارا سب کچھ اللہ تعالیٰ ہی کا ہے اور اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہے اور ہم کو پلٹ کر اسی کے حضور میں جانا ہے، یہ تینوں طاقت کے وہ خزانے ہیں جن کے اپنے پاس ہوتے ہوئے کوئی صاحب ایمان اپنے کو کبھی کمزور نہیں محسوس کر سکتا۔

بندوں کو ان کے مالک کا بلاوا جنّت اور رحمت کی طرف

سورۂ آل عمران میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَأَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ ۝ وَسَارِعُوا إِلَىٰ مَغْفِرَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمَاوَاتُ وَالْأَرْضُ أُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِينَ ۝ الَّذِينَ يُنفِقُونَ فِي السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ وَالْكَاظِمِينَ الْغَيْظَ وَالْعَافِينَ عَنِ النَّاسِ وَاللَّهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِينَ ۝ وَالَّذِينَ إِذَا فَعَلُوا فَاحِشَةً أَوْ ظَلَمُوا أَنفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللَّهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوبِهِمْ وَمَن يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا اللَّهُ وَلَمْ يُصِرُّوا عَلَىٰ مَا فَعَلُوا وَهُمْ يَعْلَمُونَ ۝ أُولَٰئِكَ جَزَاؤُهُم مَّغْفِرَةٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَجَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا وَنِعْمَ أَجْرُ الْعَامِلِينَ ۝ (آل عمران ۳: رکوع ۱۴)

ترجمہ: اور فرمانبرداری کرو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول ﷺ کی تاکہ تم رحمت کے

مستحق ہو جاؤ (اللہ ورسول ﷺ کے فرمانبردار بندے ہی رحمت کے مستحق ہوتے ہیں)
اور تیزی سے بڑھو اپنے پروردگار کی بخشش کی طرف اور اس جنّت کی طرف جس کی
وسعت تمام آسمان و زمین کی وسعت کے برابر ہے جو اہل تقویٰ کے لیے تیار اور
آراستہ کی گئی ہے (جن کا طریقہ یہ ہے کہ) وہ (نیکی کی راہوں میں) خرچ کرتے ہیں
فراغت و خوشحالی میں بھی اور تکلیف و تنگدستی کی حالت میں بھی، اور وہ پی جانے
والے ہیں غصہ کو، اور معاف کر دینے والے ہیں لوگوں کے قصور، اور اللہ تعالیٰ
محبّت کرتا ایسے نیکو کاروں سے، اور (وہ بندے بھی مغفرت و جنّت کے مستحق
ہیں) جن کا حال یہ ہے کہ جب کوئی بری اور بے حیائی کی حرکت ان سے سرزد ہو جاتی
ہے یا کوئی گناہ کر کے وہ اپنے اوپر ظلم کر بیٹھتے ہیں تو فوراً اللہ تعالیٰ ان کو یاد آ جاتا ہے،
پھر وہ اپنے اس مالک سے اپنے گناہوں کی معافی اور بخشش چاہتے ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے سوا کون ہے جو گناہوں کو بخش سکے، اور وہ دیدہ و دانستہ اپنے ان اعمال بد پر اصرار نہیں کرتے، یہ سب بندے وہ ہیں کہ ان کی جزا اور ان کا صلہ بخشش ہے ان کے پروردگار کی طرف سے اور بہشتی باغات ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں وہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ اچھا بدلہ ہے ان عمل کرنے والوں کے لئے۔

گویا ہمارے مالک اور پروردگار کا اعلان ہے کہ میری رحمت اور جنّت کا دروازہ ان گناہگار بندوں کے لیے بھی کھلا ہوا ہے جنہیں اپنے گناہ پر اصرار نہ ہو اور وہ گناہ کے بعد توبہ کر کے اور بخشش کے طالب بن کر میری طرف رجوع کریں۔

اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْئَلُكَ التَّوْبَةَ وَنَسْئَلُكَ الْجَنَّةَ ۞

دین حق کے بنیادی احکام اور نصائح

سورۂ انعام میں ارشاد ہے:

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞ وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَاَوْفُوا

الْكَيْلَ وَالْمِيزَانَ بِالْقِسْطِ لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ اللَّهِ أَوْفُوا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ﴿﴾ (الانعام ۶: رکوع ۱۸)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! ان سے کہیے! آؤ میں تمہیں سناؤں کہ تمہارے پروردگار نے کیا کیا تم پر حرام کیا ہے؟ (اور اس نے کیا کیا خاص پابندیاں تم پر لگائی ہیں۔ سب سے پہلا اور سب سے اہم حکم اس کا یہ ہے) کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو (ہر قسم کے شرک سے بچو) اور (اس کے بعد دوسرا حکم اس کا یہ ہے کہ) ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اور افلاس کی وجہ سے اپنے پیدا ہونے والے بچوں کو ہلاک نہ کر ڈالو، تم تمہیں بھی رزق دیتے ہیں اور انہیں بھی دیں گے۔ اور بے شرمی و بے حیائی کی باتوں کے پاس نہ جاؤ خواہ وہ خفیہ ہوں یا علانیہ۔ اور کسی ایسی جان کو قتل نہ کرو جس کا قتل اللہ تعالیٰ نے حرام ٹھہرایا ہے، مگر یہ کہ کسی حق کی بنا پر کسی کو قتل کیا جائے (جیسے مثلاً قصاص میں قاتل کو قتل کیا جاتا ہے) یہ وہ باتیں ہیں جن کا تمہیں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، شاید کہ تم سمجھ بوجھ کا رویہ اختیار کرو، اور (اس کا حکم ہے کہ) یتیموں کے مال کے قریب نہ جاؤ (اور ان کے مال کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ) اِلّا (یہ کہ ان کے فائدے کے لیے ان کے مال میں کوئی تصرف کرنا ضروری ہو تو) اچھے طریقے سے کر سکتے ہو (وہ بھی) اس وقت تک کہ یتیم اپنے سن رشد کو پہنچ جائے۔ اور انصاف و دیانت کے ساتھ ناپ تول پوری کیا کرو، ہم آدمی پر اتنی ہی ذمہ داری ڈالتے ہیں جتنی اس کے امکان میں ہو، اور جب بات کہو تو انصاف کی اور خدا لگتی کہو، اگرچہ فریق معاملہ تمہارا کوئی عزیز و قریب ہی ہو، اور اللہ تعالیٰ کے احکام کی پوری پوری فرماں برداری کر کے اس) کے عہد کو پورا کرو۔ یہ وہ باتیں ہیں جن کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں خاص طور سے حکم دیا ہے، امید ہے کہ تم نصیحت پکڑو گے۔

اللہ تعالیٰ کی بات ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا انجام

سورۂ رعد کی یہ آیتیں پڑھئے اور فیصلہ کیجئے کہ آپ کو کس راستہ پر چلنا ہے، اور مذکورۂ ذیل دو فریقوں میں سے کس فریق کے ساتھ اپنے کو شامل کرنا ہے۔

لِلَّذِينَ اسْتَجَابُوا لِرَبِّهِمُ الْحُسْنَىٰ وَالَّذِينَ لَمْ يَسْتَجِيبُوا لَهُ لَوْ أَنَّ لَهُم مَّا فِي الْأَرْضِ

جَمِيْعًا وَّ مِثْلَهٗ مَعَهٗ لَافْتَدَوْا بِهٖ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ سُوْٓءُ الْحِسَابِ وَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ۝ اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ۝ الَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَ لَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ۝ وَ الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ يَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ۝ وَ الَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَ الْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ۝ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ۝ وَ الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ وَ يَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَ يُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ اللَّعْنَةُ وَ لَهُمْ سُوْٓءُ الدَّارِ۝ (الرعد ۱۳: ۳)

ترجمہ: جن بندوں نے اپنے پروردگار کی بات مانی اور دعوت ایمانی اور پیغام ربانی کو قبول کیا ان کے لیے بڑی خوش انجامی ہے اور جنہوں نے قبول نہیں کیا (ان کے لیے بڑا بُرا انجام ہے، ان کا حال وہاں یہ ہوگا کہ) اگر بالفرض ان کے پاس وہ سب کچھ ہو جو ساری دنیا میں ہے، اور اس کے ساتھ اتنا ہی اور بھی ہو تو وہ اپنی خلاصی کے لیے بطور فدیہ کے اس سب کو دے ڈالیں گے، ان کے واسطے بڑا سخت حساب ہے، اور دوزخ ان کا (آخری اور دائمی) ٹھکانہ ہے، اور وہ بڑی بُری قرار گاہ ہے، (اے پیغمبر ﷺ!) جس (خوش نصیب بندہ) کو اس حقیقت کا علم ویقین نصیب ہے کہ جو کچھ تمہارے پروردگار کی طرف سے نازل کیا گیا ہے وہ حق ہے، کیا وہ اس (بدبخت شخص) کی طرح اور (انجام میں) اس جیسا ہو سکتا ہے جو اس حقیقت سے اندھا ہے (ظاہر ہے کہ ان دونوں کا انجام ایک نہیں ہو سکتا) نصیحت تو بس صحیح عقل وبصیرت رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں، جو بندے اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرتے ہیں، اور عہد شکنی نہیں کرتے اور جو ان روابط اور تعلقات کو جوڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے، اور اپنے مالک سے ڈرتے ہیں اور حساب وانجام کی برائی کا اندیشہ رکھتے ہیں اور جو بندے اپنے مالک کی رضا جوئی میں اپنے نفسوں کو قابو میں رکھتے ہیں اور نماز اہتمام سے

ادا کرتے ہیں اور ہم نے جو کچھ ان کو دیا ہے وہ (نیکی کی راہوں میں) اس میں سے پوشیدہ اور اعلانیہ خرچ کرتے ہیں، اور جن (کا طریقہ یہ ہے کہ) برائی کا جواب بھی نیکی سے دیتے ہیں، بس یہ وہ بندے ہیں جن کے لیے دارِ آخرت کی خوش انجامی ہے (یعنی) سدا بہار جنتیں ہیں، جن میں داخل کیے جائیں گے اور ان کے ساتھ ان کے وہ ماں باپ اور وہ بیوی بچے بھی جن میں کچھ صلاح اور نیکی ہوگی، اور ملٰٓئکۃ ہر دروازے سے ان کے پاس پہنچیں گے (اور ان کو اس طرح سلامی دیں گے سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَنِعْمَ عُقْبَى الدَّارِ (یعنی سلام آپ لوگوں پر بہ سبب اس کے کہ آپ لوگ مضبوطی سے جمے رہے (حق اور نیکی کے راستے پر) پس بہت اچھا ہے آپ لوگوں کا اخروی انجام اور اس کے برعکس جن لوگوں کی یہ سیرت ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے عہد کو پکا کرنے کے بعد توڑتے ہیں، اور جن روابط وعلائق کے جوڑنے کا حکم دیا گیا ہے، ان کو توڑتے ہیں اور اللہ پاک کی زمین میں فساد اور گمراہی پھیلاتے ہیں، ان کے لیے اللہ کی لعنت ہے اور آخرت کا برا انجام ہے۔

سرکش مجرموں کو سخت انتباہ اور قیامت میں ان کا انجام

سورۂ ابراہیم کا یہ پورا آخری رکوع پڑھیے، کیسا لرزہ خیز انتباہ ہے:

وَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعْمَلُ الظّٰلِمُوْنَ ۬ اِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيْهِ الْاَبْصَارُ ۝ مُهْطِعِيْنَ مُقْنِعِيْ رُءُوْسِهِمْ لَا يَرْتَدُّ اِلَيْهِمْ طَرْفُهُمْ ۚ وَاَفْـِٕدَتُهُمْ هَوَآءٌ ۝ وَاَنْذِرِ النَّاسَ يَوْمَ يَاْتِيْهِمُ الْعَذَابُ فَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رَبَّنَآ اَخِّرْنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۙ نُّجِبْ دَعْوَتَكَ وَنَتَّبِعِ الرُّسُلَ ؕ اَوَلَمْ تَكُوْنُوْٓا اَقْسَمْتُمْ مِّنْ قَبْلُ مَا لَكُمْ مِّنْ زَوَالٍ ۝ وَّسَكَنْتُمْ فِيْ مَسٰكِنِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ وَتَبَيَّنَ لَكُمْ كَيْفَ فَعَلْنَا بِهِمْ وَضَرَبْنَا لَكُمُ الْاَمْثَالَ ۝ وَقَدْ مَكَرُوْا مَكْرَهُمْ وَعِنْدَ اللّٰهِ مَكْرُهُمْ ؕ وَاِنْ كَانَ مَكْرُهُمْ لِتَزُوْلَ مِنْهُ الْجِبَالُ ۝ فَلَا تَحْسَبَنَّ اللّٰهَ مُخْلِفَ وَعْدِهٖ رُسُلَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ۝ يَوْمَ تُبَدَّلُ الْاَرْضُ غَيْرَ الْاَرْضِ وَالسَّمٰوٰتُ وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ ۝ وَتَرَى الْمُجْرِمِيْنَ يَوْمَئِذٍ مُّقَرَّنِيْنَ فِي الْاَصْفَادِ ۝ سَرَابِيْلُهُمْ مِّنْ قَطِرَانٍ وَّتَغْشٰى وُجُوْهَهُمُ النَّارُ ۝ لِيَجْزِيَ اللّٰهُ كُلَّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ

الْحِسَابِ ۝ هٰذَا بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ وَلِيُنْذَرُوْا بِهٖ وَلِيَعْلَمُوْٓا اَنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّلِيَذَّكَّرَ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ (سورۂ ابراہیم آخری رکوع)

ترجمہ: اور ہرگز ایسا مت خیال کرو کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کی بدکرداریوں سے بے خبر ہے (ایسا نہیں ہے اسے سب خبر ہے، ان کے سارے کرتوت اس کی نظر میں ہیں وہاں) ان کے جزاسزا کے معاملے کو اس نے اس یوم عظیم کے لیے مؤخر اور ملتوی کیا ہے، جس دن (کی ہولناکیوں کو دیکھ کر) ان مجرموں کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ جائیں گی (وہ اونٹ کی طرح) سر آسمان کی طرف اٹھائے (ہانپتے کانپتے) دوڑے چلے جا رہے ہوں گے (ان کی دہشت و گھبراہٹ اور بدحواسی کا یہ عالم ہوگا کہ اوپر ہی کی جانب اٹھی رہیں گی ان کی) نگاہیں، خود ان کی طرف لوٹ کے نہ آئیں گی (یعنی آنکھیں اپنے کو دیکھنا ہی بھول جائیں گی) اور ان کے دل بالکل خالی ہوں گے (صبر و قرار اور فکر و فہم کی صلاحیت سے) اور اے پیغمبر ﷺ! لوگوں کو اس دن کی آمد سے خبردار کر دو جس دن کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب بالکل ان کے سامنے آجائے گا، تو جنہوں نے (کفر و شرک کر کے) اپنے کو تباہ و برباد کیا ہے، وہ کہیں گے:

ہمارے مالک و مولا! ہمیں تھوڑی سی مدت کے لیے اور مہلت دلا دے (اور اپنی حالت کے درست کرنے کا ذرا موقع دے دے)، ہم تیرے پیام اور تیری دعوت کو قبول کریں گے، یعنی ایمان لائیں گے) اور رسولوں کی پیروی کریں گے (انہیں جواب ملے گا، آج جب عذاب تمہارے سامنے آگیا ہے تو یہ باتیں کرتے ہو) کیا تم ہی نہ تھے کہ (قیامت اور آخرت کی جزاسزا کا انکار کرتے ہوئے) تم نے اس سے قبل قسمیں کھا کھا کر کہا تھا کہ تمہیں کسی طرح کا زوال نہ ہوگا (اور کبھی تم کسی عذاب میں مبتلا نہیں کئے جاؤ گے) حالانکہ تم اگلے زمانے کے ان لوگوں کی بستیوں ہی میں بسے تھے، جنہوں نے (پہلے شرک و کفر کر کے تمہاری ہی طرح) اپنے نفسوں کو تباہ و برباد کیا تھا، اور تم پر اچھی طرح واضح ہو گیا تھا کہ ہم نے ان کے ساتھ کیا کیا (اور ان کا کیسا انجام ہو) اور (اس کے علاوہ) ہم نے تمہارے لیے (اپنے پیغمبروں کے ذریعے تاریخی) مثالیں بیان کی تھیں (لیکن تم نے ان میں سے کسی بات سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھایا اور انکار و بغاوت ہی پر قائم رہے) اور (حق کا راستہ روکنے کے لیے) انہوں نے بڑی بڑی چالیں چلیں اور ان کی ساری

چالیں اللہ تعالیٰ کے سامنے ہیں، اور یقیناً ان کی چالیں ایسی تھیں کہ ان سے پہاڑ بھی اپنی جگہ سے ٹل جائیں۔ (لیکن ارادہ الٰہی کے مقابلے میں ان کی کوئی چال بھی کامیاب نہیں ہو سکی)۔

پس ایسا خیال نہ کرو کہ اللہ تعالیٰ جو وعدہ اپنے رسولوں سے کر چکا ہے (مثلاً یہ کہ سرکش مجرموں کو وہ ضرور سزا دے گا) وہ اس کے خلاف کرنے والا ہو جائے گا، ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا اور باغیوں مجرموں کو سزا دینے سے کوئی اس کو نہیں روک سکتا۔ یقیناً اللہ تعالیٰ زبردست اور سب پر غالب ہے (مجرموں کو ان کے اعمال بد کی) سزا دینے والا ہے (یہ سب کچھ اس دن ظہور میں آئے گا) جس دن یہ زمین بدل کر ایک دوسری ہی زمین ہو جائے گی اور آسمان بھی بدل جائے گا اور سارے آدمی اللہ واحد قہار کے سامنے پیش ہوں گے اور تم دیکھو گے اس دن (اللہ تعالیٰ کے باغیوں) مجرموں کو زنجیروں میں جکڑے ہوئے، ان کے کرتے قطران تیل کے ہوں گے (جو گندھک کی طرح آگ کو لیتا ہے اور بہت تیزی سے جلتا ہے) اور آگ کی لپٹیں ان کے چہرے کا نقاب ہوں گی۔ یہ سب اس لیے ہو گا کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے کئے کے مطابق بدلہ دے، اللہ تعالیٰ بڑی جلدی حساب لینے والا ہے۔ یہ خداوندی پیغام و اعلان ہے سب لوگوں کے لیے اور مقصد یہ ہے کہ وہ اس کے ذریعے آگاہ ہوں اور انہیں معلوم ہو کہ (ان کا اور سب کا) معبود برحق بس ایک ہی معبود ہے اور جو لوگ عقل و خرد سے محروم نہیں ہیں، وہ نصیحت پکڑیں۔

دین کی بنیادی ہدایتیں اور خداوندی احکام

سورۂ بنی اسرائیل میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

وَ قَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّاۤ اِيَّاهُ وَ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا اِمَّا يَبْلُغَنَّ عِنْدَكَ الْكِبَرَ اَحَدُهُمَاۤ اَوْ كِلٰهُمَا فَلَا تَقُلْ لَّهُمَاۤ اُفٍّ وَّ لَا تَنْهَرْهُمَا وَ قُلْ لَّهُمَا قَوْلًا كَرِيْمًا۝ وَ اخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَ قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا۝ رَبُّكُمْ اَعْلَمُ بِمَا فِيْ نُفُوْسِكُمْ اِنْ تَكُوْنُوْا صٰلِحِيْنَ فَاِنَّهٗ كَانَ لِلْاَوَّابِيْنَ غَفُوْرًا۝ وَ اٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَ الْمِسْكِيْنَ وَ ابْنَ السَّبِيْلِ وَ لَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا۝ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْۤا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ وَ كَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا۝ وَ اِمَّا تُعْرِضَنَّ عَنْهُمُ ابْتِغَآءَ رَحْمَةٍ مِّنْ رَّبِّكَ تَرْجُوْهَا فَقُلْ لَّهُمْ قَوْلًا مَّيْسُوْرًا۝ وَ لَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ وَ لَا تَبْسُطْهَا كُلَّ الْبَسْطِ فَتَقْعُدَ مَلُوْمًا مَّحْسُوْرًا۝ اِنَّ رَبَّكَ يَبْسُطُ الرِّزْقَ

لِمَنْ يَّشَآءُ وَ يَقْدِرُ اِنَّهٗ كَانَ بِعِبَادِهٖ خَبِيْرًۢا بَصِيْرًا ۝ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَ اِيَّاكُمْ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝ وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنٰٓى اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَسَآءَ سَبِيْلًا ۝ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِىْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا فَلَا يُسْرِفْ فِّى الْقَتْلِ اِنَّهٗ كَانَ مَنْصُوْرًا ۝ وَ لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَ اَوْفُوا الْكَيْلَ اِذَا كِلْتُمْ وَ زِنُوْا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيْمِ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝ وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ اِنَّ السَّمْعَ وَ الْبَصَرَ وَ الْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا ۝ وَلَا تَمْشِ فِى الْاَرْضِ مَرَحًا اِنَّكَ لَنْ تَخْرِقَ الْاَرْضَ وَلَنْ تَبْلُغَ الْجِبَالَ طُوْلًا ۝ كُلُّ ذٰلِكَ كَانَ سَيِّئُهٗ عِنْدَ رَبِّكَ مَكْرُوْهًا ۝ ذٰلِكَ مِمَّآ اَوْحٰٓى اِلَيْكَ رَبُّكَ مِنَ الْحِكْمَةِ وَ لَا تَجْعَلْ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ فَتُلْقٰى فِىْ جَهَنَّمَ مَلُوْمًا مَّدْحُوْرًا ۝ (بنی اسرائیل ۱۷: ۴،۳)

ترجمہ: اور تمہارے مالک کا حکم ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت اور بندگی نہ کرو، اور (اس توحید خالص کے حکم کے بعد دوسرا حکم اس کا یہ ہے کہ) اپنے ماں باپ کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ اگر ان میں سے کوئی ایک یا دونوں تمہارے ہوتے ہوئے بڑھاپے کی عمر کو پہنچ جائیں (اور ان کا بوجھ تمہیں اٹھانا پڑے) تو بھی ان کی شان میں کوئی نامناسب اور ان کو آزردہ کرنے والا کلمہ نہ کہو، بلکہ ان سے ادب و احترام والی بات ہی کہو، اور دردمندی سے ان کے سامنے انکسار کے ساتھ نیچے بنے رہو اور ان کے واسطے اللہ تعالیٰ سے دعا بھی کرتے رہو کہ:

اے پروردگار! میرے ان ماں باپ پر رحمت فرما (ان کو دنیا اور آخرت میں راحت اور عافیت دے) جیسا کہ انہوں نے مجھے بچپن کی حالت میں پالا (اور میری راحت اور عافیت کی فکر کی) تمہارا رب تمہارے دلوں کو خوب جانتا ہے۔ بس اگر تم ہو گے لائق اور سعادت مند (اور دل سے ماں باپ کی خدمت اور ان کا ادب واحترام کا ارادہ رکھنے والے) لیکن اس کے باوجود تم سے ان کے ادب اور حسن سلوک کے بارے میں کوئی قصور ہو گیا اور تم نے اس کے بعد توبہ تلافی کی تو تمہارا وہ پروردگار توبہ کرنے والوں کو بخش دینے والا ہے

اور (ماں باپ کے علاوہ بھی) اپنے سب قرابت داروں کا حق ادا کرو اور (قرابت کے دائرہ سے باہر بھی) عام حاجت مندوں اور (مدد کے مستحق) مسافروں کو بھی دیتے رہو، اور (اللہ تعالیٰ کے دیئے مال کو) بیجا نہ اڑاؤ (بیجا اڑانے والے لوگ شیطان کے بھائی بندے ہیں، اور شیطان اپنے پروردگار کا بڑا ناشکرا ہے (لہٰذا تم ایسے نہ بنو) اور اگر (کبھی ایسی صورت ہو کہ تمہارا ہاتھ خالی ہو اور ان کی خدمت سے مجبوری ہو اور اس کی وجہ سے) تمہیں ان سے روگردانی کرنی پڑے اور اللہ تعالیٰ کے کرم اور اس کی رحمت کی تمہیں امید اور جستجو ہو تو (معذرت کے طور پر) ان سے نرم اور خوشگوار بات کہہ دو، ایسی بات اس وقت بھی نہ کہو جس سے ان کا دل دکھے۔

اور نہ تو ایسا کرو کہ اپنا ہاتھ (بالکل) اپنی گردن سے باندھ لو (کہ کسی کو کچھ دینے کے لیے ہاتھ بڑھ ہی نہ سکے، جو بخیلوں، کنجوسوں کا طریقہ ہے) اور نہ ایسا کرو کہ (فضول اڑانے والے ناعاقبت اندیشوں کی طرح) اپنا ہاتھ بالکل کھول ہی دو، اور پھر اس کا نتیجہ یہ ہو کہ تم بیٹھ جاؤ بالکل درماندہ ہو کر، جس کو ہر طرف سے ملامت کی جائے (بہر حال افراط و تفریط سے بچو اور اعتدال و میانہ روی کو اپنا اصول و دستور بناؤ)۔

تمہارا پروردگار جس کے لیے چاہتا ہے روزی میں وسعت دیتا ہے اور جس کے لیے چاہتا ہے تنگی کرتا ہے، وہ اپنے سب بندوں کی پوری پوری خبر رکھنے والا اور سب کو پوری طرح دیکھنے والا ہے (رزق کی کنجیاں تمہارے یا کسی دوسری مخلوق کے ہاتھ میں نہیں بلکہ اس کے ہاتھ میں ہیں، وہی سب کی روزی کا کفیل ہے) اور تم پیدا ہونے والے اپنے بچوں کو افلاس و ناداری کے خطرے سے ہلاک نہ کر ڈالو، ہم ان کو بھی روزی دیں گے اور تم کو بھی (اگر تم سمجھتے ہو کہ روزی کا مسئلہ تمہارے ہاتھ میں ہے تو تمہارا یہ خیال نہایت جاہلانہ اور بالکل کافرانہ ہے۔ بہر حال افلاس اور تنگی کے خطرے سے) اپنے بچوں کو ہلاک کر ڈالنا بہت ہی بڑا گناہ ہے۔

اور دیکھو زنا کے قریب بھی نہ جاؤ، وہ بڑی بے حیائی کی اور گندی بات ہے اور بری راہ ہے۔

اور مت قتل کرو کسی ایسی جان کو (جس کا مارنا) اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے مگر حق کی بنا پر (مثلاً قصاص میں یا کسی اور ایسے سنگین جرم کی پاداش میں جس کی سزا اللہ تعالیٰ کی طرف سے قتل ہی مقرر ہے) اور جو کوئی ناحق مار ڈالا جائے تو ہم نے اس کے وارث کو (قصاص میں قاتل کی جان لینے کا) حق دیا ہے، پس اس کو قتل کے بارے میں حد شرعی سے تجاوز نہیں کرنا چاہیے، بے

شک وہ ہمدردی اور مدد کا مستحق ہے، (لیکن اس کو اس کی اجازت ہرگز نہیں کہ وہ جوش انتقام میں قصاص کی مقرر حد سے آگے بڑھے۔

اور یتیموں کے مال کے پاس بھی نہ جاؤ (اور ان کے مال کو ہاتھ بھی نہ لگاؤ) الّا یہ کہ (ان کے فائدے کے لیے ان کے مال میں کوئی تصرف کرنا ضروری ہو جائے تو) اچھے طریقے سے (کر سکتے ہو، اور وہ بھی صرف) اس وقت تک کہ یتیم اپنے سن رشد کو پہنچ جائے۔

اور اپنے عہد پورے کرو، عہد کی ضرور باز پرس ہوگی۔

اور جب کسی کو تم کوئی چیز ناپ کر دو تو پورا ناپو، اور (جب کوئی چیز تول کر کسی کو دینی ہو تو) ٹھیک ترازو سے تولو (لین دین میں دھوکے دھڑی کی کوئی بات نہ ہو) یہی تمہارے لیے بہتر ہے اور اس کا انجام زیادہ اچھا ہے۔

اور جس بات کا تمہیں تحقیقی علم نہ ہو اس پر نہ چلو (یعنی کان اور آنکھیں اور دل یقیناً (قیامت کے دن) ان سب کی بابت پوچھا جائے گا (کہ تم نے حق شناسی کی راہ میں (ان سے کتنا کام لیا) اور زمین پر (متکبروں کی طرح) اتراتے اور اکڑتے ہوئے نہ چلو (اپنی حقیقت کو نہ بھولو، نہ تو تم اپنے زور قدم سے) زمین کو چیر پھاڑ سکتے ہو، اور نہ لمبائی میں پہاڑوں کو پہنچ سکتے ہو۔ یہ سارے برے کام تمہارے مالک کو ناپسند ہیں۔

اے پیغمبر ﷺ! یہ باتیں اس دفتر حکمت میں سے ہیں جو تمہارے رب نے تمہاری طرف وحی کیا ہے۔

اور اے (انسانو! آخر میں پھر مکرر تاکید کی جاتی ہے کہ) اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود نہ بناؤ (شرک وہ گناہ عظیم ہے کہ اگر اس سے تم آلودہ ہوئے) تو بس جہنم میں جھونک دیئے جاؤ گے اور پھر تم پر (ہر طرف سے) لعنت وملامت اور دھتکار ہوگی۔

سبحان اللہ! قرآن مجید کا یہ خطبہ احکام وہدایات کو کس قدر جامع ہے، اور پھر طرز بیان کتنا سادہ اور اسی کے ساتھ کس قدر مؤثر ہے! بلاشبہ اگر ذوق سلیم نصیب ہو تو اس کی ہر آیت پڑھ کر دل گواہی دے گا کہ بے شک یہ مالک الملک اور احکم الحاکمین ہی کا ہدایت نامہ ہے۔

امت مسلمہ کے خاص فرائض اور اس کا نصب العین

سورۃ الحج کے آخر میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا ارْكَعُوا وَاسْجُدُوا وَاعْبُدُوا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ۩ وَجَاهِدُوا فِي اللَّهِ حَقَّ جِهَادِهِ ۚ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ ۚ مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۚ هُوَ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَٰذَا لِيَكُونَ الرَّسُولُ شَهِيدًا عَلَيْكُمْ وَتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ ۚ فَأَقِيمُوا الصَّلَاةَ وَآتُوا الزَّكَاةَ وَاعْتَصِمُوا بِاللَّهِ هُوَ مَوْلَاكُمْ ۖ فَنِعْمَ الْمَوْلَىٰ وَنِعْمَ النَّصِيرُ ۝ (الحج ۲۲: رکوع ۱۰)

ترجمہ: اے وہ لوگو! جنہوں نے دعوت ایمانی کو قبول کر لیا (اب تمہارے فرائض اور تمہارے کرنے کے خاص کام یہ ہیں کہ اپنے پروردگار کے لئے) رکوع و سجود کرو، اور (ہر طرح سے) اپنے ربّ کی عبادت و بندگی کرو، اور (اس کی مخلوق کے ساتھ) بھلائی کرو، تاکہ تم فلاح یاب اور بامراد ہو جاؤ۔ اور اللہ کی راہ میں خوب کوشش کرو اور جان لڑادو، جیسا کہ اس کی راہ میں کوشش اور جان بازی کا حق ہے، اس نے (اپنی خاص بندگی اور اپنی راہ کی جدوجہد کے لئے) تمہارا انتخاب کیا ہے، اور دین میں تمہارے لیے اس نے کوئی تنگی نہیں رکھی ہے (بلکہ بڑی وسعت اور کشادگی والا یہ دین ہے جو محمد ﷺ کے ذریعہ تم کو عطا کیا گیا ہے) وہی طریقہ تمہارے باپ ابراہیمؑ کا، اس نے تمہارا نام رکھا مسلمین پہلے بھی، اور اس (آخری کتاب قرآن) میں بھی، تاکہ رسول بتانے والا ہو تم کو، اور تم بتانے والے ہو (دنیا کے) اور سب لوگوں کو، پس اے اہل ایمان! (ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے) تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو، اور اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لو (اور اس کی کارسازی اور مددگاری پر بھروسہ کر کے جدوجہد کے میدان میں کود پڑو) وہ تمہارا والی اور کارساز ہے اور کیسا اچھا مددگار ہے۔

سبحان اللہ! چھوٹی چھوٹی ان دو تین آیتوں میں امت مسلمہ کے نصب العین، اس کے مقصد وجود، اس کے منصب اور اس کے فرائض کو کیسی جامعیت کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے کہ صرف یہ آیتیں بھی امت کی اصولی رہنمائی کے لیے بالکل کافی ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو توفیق دے کہ قرآن مجید کے اس طرح کے ارشادات کی روشنی میں اپنے مقصد و نصب العین اور اپنے منصبی فرائض کو سمجھیں اور اپنی زندگی کو ان ہدایات کے مطابق بنا کر اللہ تعالیٰ کی رضا اور رحمت کے مستحق ہوں، یہی انسانوں کی حقیقی معراج ہے۔

اپنے گناہ گار بندوں کا اللہ تعالیٰ کا بلاوا اور نہ ماننے والوں کا انجام

سورۂ زمر میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ۝ وَ اَنِيْبُوْٓا اِلٰى رَبِّكُمْ وَ اَسْلِمُوْا لَهٗ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ ثُمَّ لَا تُنْصَرُوْنَ ۝ وَ اتَّبِعُوْٓا اَحْسَنَ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ الْعَذَابُ بَغْتَةً وَّ اَنْتُمْ لَا تَشْعُرُوْنَ ۝ اَنْ تَقُوْلَ نَفْسٌ يّٰحَسْرَتٰى عَلٰى مَا فَرَّطْتُّ فِيْ جَنْۢبِ اللّٰهِ وَ اِنْ كُنْتُ لَمِنَ السّٰخِرِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ لَوْ اَنَّ اللّٰهَ هَدٰىنِيْ لَكُنْتُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ۝ اَوْ تَقُوْلَ حِيْنَ تَرَى الْعَذَابَ لَوْ اَنَّ لِيْ كَرَّةً فَاَكُوْنَ مِنَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ بَلٰى قَدْ جَآءَتْكَ اٰيٰتِيْ فَكَذَّبْتَ بِهَا وَ اسْتَكْبَرْتَ وَ كُنْتَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ وَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ تَرَى الَّذِيْنَ كَذَبُوْا عَلَى اللّٰهِ وُجُوْهُهُمْ مُّسْوَدَّةٌ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْمُتَكَبِّرِيْنَ ۝ وَ يُنَجِّي اللّٰهُ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا يَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ۝ لَهٗ مَقَالِيْدُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝ قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ۝ وَ لَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَ لَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝ بَلِ اللّٰهَ فَاعْبُدْ وَ كُنْ مِّنَ الشّٰكِرِيْنَ ۝ وَ مَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖ وَ الْاَرْضُ جَمِيْعًا قَبْضَتُهٗ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَ السَّمٰوٰتُ مَطْوِيّٰتٌۢ بِيَمِيْنِهٖ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝ وَ نُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَصَعِقَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ ثُمَّ نُفِخَ فِيْهِ اُخْرٰى فَاِذَا هُمْ قِيَامٌ يَّنْظُرُوْنَ ۝ وَ اَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَ وُضِعَ الْكِتٰبُ وَ جِايْٓءَ بِالنَّبِيّٖنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ قُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝ وَ وُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَ هُوَ اَعْلَمُ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ۝ (زمر ۳۹: رکوع ۶،۷)

ترجمہ: اے پیغمبر ﷺ! (آپ میری طرف سے میرے بندوں سے) کہیے کہ اے میرے وہ بندو جنہوں نے (کفر و شرک کر کے) اپنے نفسوں پر ظلم کیا ہے، خدا کی رحمت سے تم (بھی) ناامید مت ہو (اور یہ خیال مت کرو کہ تمہاری بخشش نہیں ہو

سکتی، اگر تم شرک وکفر اور بغاوت کی زندگی سے نکل آؤ اور توبہ کر لو تو بخشش کا دروازہ تمہارے لیے بھی کھلا ہوا ہے) اللہ تعالیٰ سارے گناہ بخش دیتا ہے، وہ بڑا بخشنے والا اور بہت مہربان ہے (پس اگر اللہ تعالیٰ کی بخشش چاہتے ہو تو، توبہ کر لو) رجوع ہو جاؤ اپنے رب کی طرف، اور اس کی فرماں برداری اختیار کر لو، قبل اس کے کہ (کفر و شرک کی پاداش میں) تم پر عذاب آجائے اور پھر کسی طرف سے تم کو کوئی مدد نہ مل سکے۔

اور (بغاوت و معصیت کی زندگی چھوڑ کر) پیروی اختیار کر لو اس بہترین شریعت کی جو تمہاری طرف تمہارے پروردگار کی طرف سے اتاری گئی ہے قبل اس کے کہ اچانک تم پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آپڑے اور تمہیں اس کا خیال بھی نہ ہو۔ اور دیکھو ایسا نہ ہو کہ (کل قیامت میں تم میں سے) کوئی شخص (حسرت سے) کہے کہ ہائے افسوس! میری اس کوتاہی پر جو میں نے اللہ تعالیٰ کی جناب میں کی اور میں تو ہنسی مذاق ہی کرتا رہا۔ یا کوئی یوں کہے کہ اگر اللہ تعالیٰ مجھے ہدایت دیتا تو میں بھی متقیوں میں سے ہوتا، یا کوئی شخص (اس دن) عذاب الٰہی دیکھ کر کہنے لگے، کاش! دنیا میں پھر مجھے ایک دفعہ جانا مل جاتا تو میں بڑے نیک بندوں میں سے ہو جاتا۔

(اللہ تعالیٰ کی طرف سے کہا جائے گا) ہاں بے شک میری آیتیں تیرے پاس پہنچی تھیں تو تو نے ان کی تکذیب کی اور استکبار و غرور کا رویہ اختیار کیا اور کافروں میں ہی رہا۔

اور تم دیکھو گے قیامت کے دن ان لوگوں کے چہرے بالکل سیاہ (ہوں گے) جنہوں نے جھوٹ بولا (اللہ تعالیٰ پر (مثلاً جنہوں نے اپنے مشرکانہ عقائد و اعمال یا دوسری جاہلانہ رسوم و خرافات کے بارے میں کہا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے ہی ایسا کرنے کا حکم دیا ہے، تو ایسے مفتریوں کے چہرے قیامت کے دن بالکل کالے ہوں گے اور ان پر لعنت برستی ہو گی) کیا ان متکبرین کا ٹھکانہ جہنم نہیں ہے۔

اور جن بندوں نے (کفر و معصیت کی زندگی کو چھوڑ کر) تقویٰ کو اپنا شعار بنایا، اللہ تعالیٰ ان کو پوری کامیابی کے ساتھ (جہنم سے) نجات دے گا، انکو ذرا بھی تکلیف نہیں پہنچے گی اور نہ وہ رنج و غم میں مبتلا ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اور ہر چیز اسی کے سپرد ہے، زمین و آسمان کی کنجیاں اسی کے اختیار میں ہیں، اور جو لوگ اس کی باتوں کو نہیں مانتے وہ بڑے خسارے میں رہیں گے۔

اے پیغمبر ﷺ! آپ (ان مشرکوں سے) کہیے، اے جاہلو! حقیقت ناشناسو! کیا

تم مجھ سے فرمائش کرتے ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی عبادت کروں، اور واقعہ یہ ہے کہ آپ کی طرف بھی اور آپ سے پہلے جو پیغمبر بھیجے گئے ان سب کی طرف بھی وحی کے ذریعے یہ پیغام ہدایت بھیجا جا چکا ہے کہ اے انسان! اگر تو نے شرک کیا تو تیرا سب کیا کرایا غارت ہو جائے گا اور تو بڑے خسارہ والوں میں سے ہو جائے گا (پس ہرگز شرک کے پاس نہ جاؤ) بلکہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور اس کے شکر گزار بندوں میں سے ہو جاؤ۔

اور (افسوس!) انہوں نے خدا کی ویسی عظمت نہ کی جیسی عظمت اس کی کرنی چاہیے تھی، حالانکہ (اس کی وہ شان ہے کہ) ساری زمین (مشرق سے مغرب تک) قیامت کے دن اس کی مٹھی میں ہوگی اور تمام آسمان لپٹے لپٹائے اس کے خاص دست قدرت میں ہوں گے۔ وہ پاک ہے اور برتر ہے ان کے شرک سے۔

اور جب قیامت کا صور پھونکا جائے گا تو زمین و آسمان کی ساری مخلوق کے ہوش اُڑ جائیں گے (ہاں) مگر جس کو اللہ تعالیٰ چاہے گا (ہوش میں رکھنا تو وہ ہوش میں رہے گا) پھر (جب) دوسری دفعہ (مُردوں کو جلانے کے لئے) صور پھونکا جائے گا تو دفعتاً سب کے سب (جی کے) اٹھ کھڑے ہوں گے (اور آنکھ پھاڑ پھاڑ کے حیرت سے ہر طرف) دیکھتے ہوں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگا جائے گی اور (سب کا) نامۂ اعمال (سامنے) رکھ دیا جائے گا، اور پیغمبر اور گواہ (دربارِ الٰہی میں) حاضر کئے جائیں گے اور سب کے مابین ٹھیک فیصلہ کیا جائے گا اور ان پر ظلم بالکل نہ ہوگا۔

اور جس نے جو کچھ کیا ہوگا اس کو اس کا بھرپور بدلہ دیا جائے گا، اور وہ احکم الحاکمین بندوں کے سارے اعمال و افعال کو خوب جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی بات ماننے والوں اور اس کی راہ پر چلنے والوں کو بشارت

سورۂ حٰمٓ سجدہ میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِیْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ﴿﴾ نَحْنُ اَوْلِیٰٓؤُكُمْ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَفِی الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَشْتَهِیْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِیْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ﴿﴾ نُزُلًا مِّنْ غَفُوْرٍ رَّحِیْمٍ ﴿﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِیْ مِنَ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿﴾ وَلَا

تَسۡتَوِی الۡحَسَنَةُ وَلَا السَّیِّئَةُ اِدۡفَعۡ بِالَّتِیۡ هِیَ اَحۡسَنُ فَاِذَا الَّذِیۡ بَیۡنَكَ وَبَیۡنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیۡمٌ ﴿۳۴﴾ وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ صَبَرُوۡا وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوۡ حَظٍّ عَظِیۡمٍ ﴿۳۵﴾ وَاِمَّا یَنۡزَغَنَّكَ مِنَ الشَّیۡطٰنِ نَزۡغٌ فَاسۡتَعِذۡ بِاللّٰهِ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۳۶﴾

(سورۂ حم سجدہ: رکوع ۴،۵)

جن بندوں نے دل سے اقرار کر لیا کہ ہمارا رب بس اللہ ہے (اور ہم اسی کی بندگی والی زندگی گزاریں گے) پھر وہ اس پر پوری طرح قائم رہے، نازل ہوں گے ان پر فرشتے (یہ پیام لے کر) کہ نہ کوئی اندیشہ کرو اور نہ رنج کرو (بلکہ مطمئن) اور خوش رہو اس جنت کے ملنے پر جس کا تم سے (پیغمبروں کی معرفت) وعدہ کیا جاتا تھا، ہم تمہارے رفیق اور سرپرست ہیں دنیوی زندگی میں اور آخرت میں، اور اس آخرت میں تمہارے لیے وہ سب کچھ ہے جس کو تمہارے جی چاہیں گے اور وہاں تمہارے واسطے وہ سب کچھ مہیا ہے جو تم مانگو گے، خداوند غفور رحیم کی طرف سے یہ تمہاری مہمانی ہوگی۔

اور اس بندہ سے بہتر کس کی بات ہو سکتی ہے جو (اللہ کے بندوں کو) اللہ تعالیٰ کی طرف بلائے اور خود بھی نیکوکار اور خوش کردار ہو اور اعلان کرتا ہو کہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمانبردار بندوں میں شامل ہوں۔ اور نیکی اور بدی برابر نہیں ہو سکتی (بلکہ ہر ایک کا اثر اور انجام جدا ہے، اس لیے آپ کو اور آپ کے متبعین کو ہدایت اور نصیحت کی جاتی ہے کہ دشمنوں کی دشمنی اور شرارت کا) آپ جواب دیجئے اپنے اچھے برتاؤ سے پس (اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ) تمہارے اور جس شخص کے درمیان دشمنی ہوگی (تمہارے اچھے برتاؤ سے متاثر ہو کر) وہ ایسا ہو جائے گویا کہ تمہارا دلی دوست ہے، اور یہ بات ان ہی کو مل سکتی ہے جو بڑے نصیب والے ہیں اور اگر (ایسے وقت میں) شیطان کی طرف سے تمہیں کوئی وسوسہ آنے لگے (مثلاً دل میں اشتعال اور انتقام کا جذبہ پیدا ہونے لگے) تو اللہ تعالیٰ کی پناہ مانگو، وہ خوب سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (اس کی طرف سے تمہاری مدد اور دستگیری ہوگی اور شیطان کے وار سے تم محفوظ رہو گے)۔

اپنے کو جہنم کی آگ سے بچاؤ اور سچی توبہ کر کے آخرت کی سرخروئی اور جنت حاصل کرو

سورۂ تحریم میں ارشاد فرمایا ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قُوْۤا اَنْفُسَكُمْ وَ اَهْلِيْكُمْ نَارًا وَّ قُوْدُهَا النَّاسُ وَ الْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلٰٓئِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَّا يَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَ يَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ ۞ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَعْتَذِرُوا الْيَوْمَ ؕ اِنَّمَا تُجْزَوْنَ مَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ۞ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْۤا اِلَى اللّٰهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ؕ عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّكَفِّرَ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يُدْخِلَكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ يَوْمَ لَا يُخْزِى اللّٰهُ النَّبِيَّ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۚ نُوْرُهُمْ يَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَ بِاَيْمَانِهِمْ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۞ (سورۃ التحریم ۶۶: ۲)

ترجمہ: اے ایمان والو! خود کو اور اپنے اہل عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، اس پر (خدا کی طرف سے وہ) فرشتے متعین ہیں، جو بڑے سخت مزاج اور طاقتور ہیں، جو حکم اللہ تعالیٰ ان کو دیتا ہے وہ اس کی بالکل نافرمانی نہیں کرتے اور وہی کرتے ہیں جو ان کو حکم ملتا ہے۔ (قیامت کے اس دن میں کافروں، منکروں سے کہا جائے گا کہ) اے کافرو! منکرو! آج تم کوئی عذر معذرت پیش نہ کرو، آج تم کو تمہارے اعمال ہی کا بدلہ دیا جائے گا (لہٰذا جس کو اس انجام و عذاب سے بچنا ہو اس کو چاہیے کہ اس دنیا ہی میں کفر سے باز آجائے اور ایمان والی زندگی اختیار کرے)۔

اے اہل ایمان! تم اللہ تعالیٰ کے آگے توبہ کرو، پوری مخلصانہ توبہ! امید رکھو کہ (سچی پر خلوص توبہ کے بعد) تمہارا پروردگار (تم پر خاص لطف و کرم فرمائے گا) تمہارے گناہ مٹادے گا (یعنی معاف فرمادے گا) اور تم کو ان جنتوں میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں جاری ہیں (اور یہ اس دن ہوگا) جس دن کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اور ان کے ساتھ والے اہل ایمان کو پوری پوری سرخروئی عطا کرے گا اور بالکل) رسوا نہ کرے گا (وہاں ان کی شان یہ ہوگی کہ) ان کا نور ان کے آگے اور ان کے داہنے دوڑتا ہوگا، اور ان کی زبانوں پر یہ (الہامی) دعا ہوگی:

رَبَّنَاۤ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَ اغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ۔

اس آخری عنوان "قرآنی خطبات و مواعظ" کے تحت ہم نے دس مقامات کی جو آیات درج کی ہیں ان کی حیثیت بس مشتے نمونہ از خروارے کی ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے کہ قرآن پاک میں پچاسوں مقامات ایسے ہیں کہ جن میں ان انسانوں کے لیے جن کے دل پتھر کے نہیں

ہیں، موعظت و نصیحت کا پورا پورا سامان ہے، خاص کر قرآن مجید کا آخری چوتھائی حصہ (یعنی سورۂ سبا سے لے کر آخر تک) تو مواعظ و خطبات ہی سے بھرا ہوا ہے اور اس میں ذرا بھی شبہ نہیں ہے کہ اگر آدمی کی فطرت سلیم ہو اور اس کو عربی زبان کا کچھ بھی ذوق ہو، تو قرآن پاک کے خاص کر اس آخری تذکیری حصہ کے ہر ورق اور ہر صفحے کی تلاوت کے وقت اس کو اس تاثیر اور اس کیفیت کا تجربہ ہوگا جس کو قرآن مجید نے خود ہی ان الفاظ میں بیان فرمایا ہے:

تَقْشَعِرُّ مِنْهُ جُلُوْدُ الَّذِيْنَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ ثُمَّ تَلِيْنُ جُلُوْدُهُمْ وَقُلُوْبُهُمْ إِلٰى ذِكْرِ اللهِ۔

ترجمہ: جن بندوں میں کچھ خوف خدا ہے، اس قرآن مجید (کے پڑھنے یا سننے) سے ان کے جسموں کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، پھر ان کے جسم اور ان کے قلوب (یعنی سارا ظاہر و باطن) نرم پڑ کر اللہ تعالیٰ کی نصیحت اور اس کے پیغام کا تابع ہو جاتا ہے۔

جی چاہتا ہے کہ اس آخری عنوان کے تحت قرآن مجید کا کافی حصہ نقل کیا جائے لیکن اب کتاب کی ضخامت بہت کافی بڑھ چکی ہے اور یقین ہے کہ ایسے ایسے دس بیس مقامات اور نقل کرنے بعد بھی یہ خواہش باقی ہی رہے گی۔ اس لیے بس اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

آخری گذارش یہ ہے کہ ناظرین کرام اس پوری کتاب کو قرآن مجید کی دعوت و تعلیم اور موعظت و نصیحت کا ایک نمونہ اور مختصر تعارف ہی سمجھیں، میں اللہ تعالیٰ کو گواہ بنا کر بہ قسم عرض کرتا ہوں (وکفی بہ شہیدا) کہ میرا صرف عقیدت مندانہ نہیں بالکل حقیقت پسندانہ احساس و اعتراف یہ ہے کہ اڑھائی سو صفحات کی اس کتاب میں قرآن مجید کی دعوت و تعلیم کے بارے میں جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کو اصل قرآن پاک سے قطرہ اور دریا کی بھی نسبت نہیں ہے۔ پس چاہیے کہ اس قسم کی کوششوں کے ذریعہ قرآن پاک کی دعوت و تعلیم سے مناسبت پیدا کر کے آدمی اصل قرآن ہی سے وابستگی پیدا کرے۔ بلاشبہ قرآن پاک سے وابستگی اللہ تعالیٰ سے وابستگی ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے لیے ہم سب کے سینے کھول دے۔

وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ أَوَّلًا وَّاٰخِرًا

☆☆☆

ہماری دیگر مطبوعات

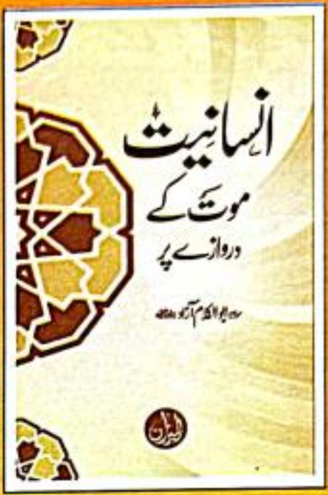

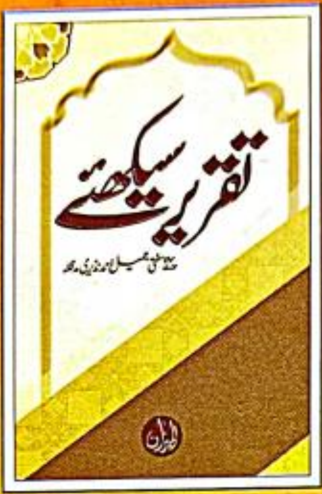

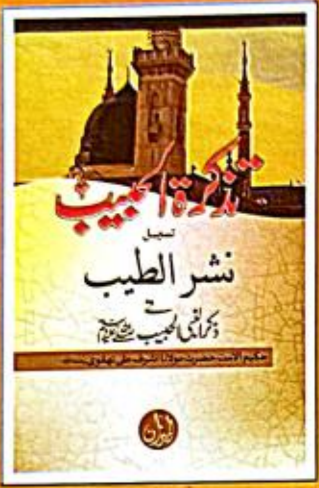

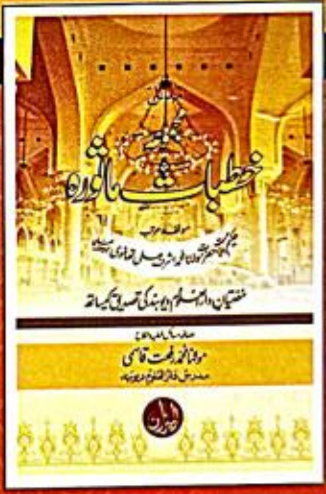

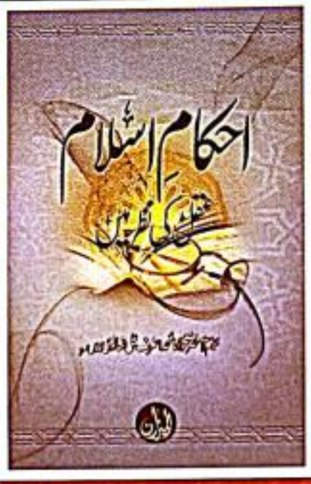

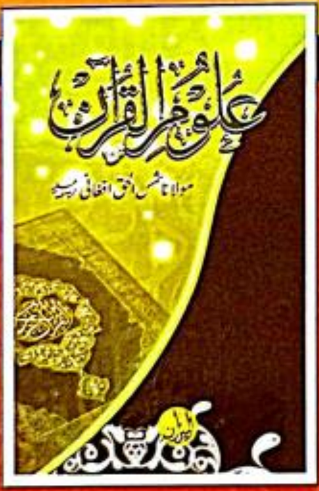

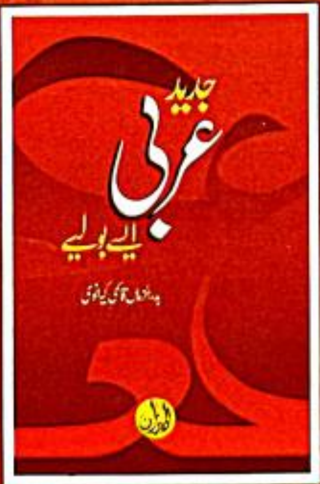

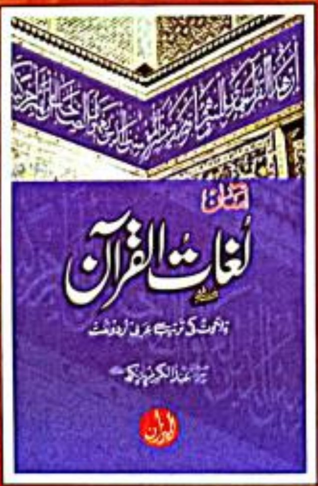

المیزان ناشران و تاجران کتب
الکریم مارکیٹ اردو بازار لاہور پاکستان
Ph.:042-37122981, 37212762
E-mail: info@almezaanpublishers.com
URL: www.almezaanpublishers.com